MAIS313CCT

اسلامی مطالعات میں غیر مسلموں کی خدمات

Contributions of Non-Muslims to Islamic Studies

ماسٹرس آف آرٹس (ایم۔اے۔)

(تیسرا سمسٹر)

نظامت فاصلاتی تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

حیدرآباد-32، تلنگانہ-انڈیا

© Maulana Azad National Urdu University, Hyderabad
Course: Contributions of Non-Muslims to Islamic Studies
ISBN: 978-81-975953-4-9
First Edition : **June, 2024**

Publisher	:	Registrar, Maulana Azad National Urdu University
Publication	:	2024
Copies	:	800
Price	:	218/-(The price of the book is included in admission fees of distance mode students)
Copy Editing	:	Dr. Syeda Amina, DDE, MANUU, Hyderabad
Cover Designing	:	Dr. Mohd Akmal Khan, DDE, MANUU, Hyderabad
Printer	:	Print Time & Business Enterprises, Hyderabad

Contributions of Non-Muslims to Islamic studies
for
Masters of Arts (3rd Semester)

On behalf of the Registrar, Published by:
Directorate of Distance Education
Maulana Azad National Urdu University
Gachibowli, Hyderabad-500032 (TS), India
*Director:*dir.dde@manuu.edu.in*Publication:*ddepublication@manuu.edu.in
Phone number: 040-23008314 Website: manuu.edu.in

© All right reserved. No part of this publication may be reproduced or transmitted in any form or by any means, electronically or mechanically, including photocopying, recording or any information storage or retrieval system, without prior permission in writing form the publisher (registrar@manuu.edu.in)

Editor	ایڈیٹر
Prof. Syed Alim Ashraf Head Dept. of Arabic, MANUU, Hyderabad	پروفیسر سید علیم اشرف صدر شعبہ عربی، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد
Language Editors	**لینگویج ایڈیٹرس**
Dr. Mohammad Haziq *Assistant Professor(Contractual), / Guest Faculty (Islamic Studies), DDE, MANUU*	ڈاکٹر محمد حاذق اسسٹنٹ پروفیسر (کانٹریکچول)/ گیسٹ فیکلٹی (اسلامک اسٹڈیز)، ڈی ڈی ای، مانو
Dr. Mohd. Akmal Khan *Assistant Professor(Contractual), / Guest Faculty (Urdu), DDE, MANUU*	ڈاکٹر محمد اکمل خان اسسٹنٹ پروفیسر (کانٹریکچول)/ گیسٹ فیکلٹی (اردو)، نظامت فاصلاتی تعلیم، مانو

Editorial Board	مجلس ادارت
Prof. Abdul Ali *Former Head, Dept. of Islamic Studies, AMU, Aligarh*	پروفیسر عبدالعلی سابق صدر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ
Prof. S. M. Azizuddin Husain *Former Head, Dept. of History & Culture JMI, New Delhi*	پروفیسر ایس۔ ایم۔ عزیزالدین حسین سابق صدر، شعبہ تاریخ و ثقافت، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی
Prof. Mohammad Ishaque *Prof. of Islamic Studies, JMI, New Delhi*	پروفیسر محمد اسحاق پروفیسر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی
Prof. Mohd. Fahim Akhter *Dept. of Islamic Studies, MANUU*	پروفیسر محمد فہیم اختر شعبہ اسلامک اسٹڈیز، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد
Prof. Ghazanfar Ali Khan *Prof., of Islamic Studies, Kashmir Campus, MANUU*	پروفیسر غضنفر علی خان پروفیسر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، کشمیر کیمپس، مانو
Dr. Abdul Majeed Qadeer Khwaja *Asst. Prof., Islamic Studies, DDE, MANUU*	ڈاکٹر عبدالمجید قدیر خواجہ اسسٹنٹ پروفیسر، اسلامک اسٹڈیز، نظامت فاصلاتی تعلیم، مانو
Dr. Mohammad Haziq *Assistant Professor(Contractual)/ Guest Faculty (Islamic Studies), DDE, MANUU*	ڈاکٹر محمد حاذق اسسٹنٹ پروفیسر (کانٹریکچول)/ گیسٹ فیکلٹی (اسلامک اسٹڈیز)، ڈی ڈی ای، مانو
Dr. Syeda Amina *Assistant Professor(Contractual)/ Guest Faculty (Islamic Studies), DDE, MANUU*	ڈاکٹر سیدہ آمنہ اسسٹنٹ پروفیسر (کانٹریکچول)/ گیسٹ فیکلٹی (اسلامک اسٹڈیز)، ڈی ڈی ای، مانو

کورس کوآرڈی نیٹر

پروفیسر سید علیم اشرف
صدر شعبہ عربی، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدر آباد

مصنفین	اکائی نمبر
پروفیسر سید علیم اشرف، صدر شعبہ عربی، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدر آباد	1،5
ڈاکٹر سیدہ آمنہ (اسسٹنٹ پروفیسر (کانٹریکچول)/گیسٹ فیکلٹی (اسلامک اسٹڈیز)، ڈی ڈی ای، مانو)	2
پروفسر عبدالرحیم قدوائی، ڈائرکٹر اعزازی، کے اے نظامی انسٹیوٹ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ	3،4
ڈاکٹر مجتبی فاروق، حیدرا باد	6
محمد خالد، حیدر آباد	7
ڈاکٹر عبدالرشید اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، عالیہ یونیورسٹی، کلکتہ	8
ڈاکٹر جمشید احمد، اسسٹنٹ پروفیسر، یونیورسٹی آف ممبئی، ممبئی	9،10
ڈاکٹر فضل الرحمن، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ہمدرد، نئی دہلی	11
ڈاکٹر شکیل احمد، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، مانو، کشمیر کیمپس	12
ڈاکٹر محمد اسامہ، گیسٹ فیکلٹی، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی	13،14

نوٹ: زیر نظر کتاب علمی مواد (Study Material) مختلف مصنفین نے لکھا ہے اور اس سے کوآرڈی نیٹر وایڈیٹر کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

پروف ریڈرس:

اول : ڈاکٹر سیدہ آمنہ

دوم : ڈاکٹر محمد حاذق

فہرست

پیغام	وائس چانسلر	7
پیغام	ڈائرکٹر	8
کورس کا تعارف	کورس کوآرڈی نیٹر	9

بلاک 1 : تحریک استشراق

اکائی 1	استشراق کا مفہوم، آغاز وارتقاء	11
اکائی 2	استشراق کے اغراض ومقاصد	26

بلاک 2 : مستشرقین کی خدمات

اکائی 3	قرآن کے میدان میں مستشرقین کی علمی خدمات (حصہ اول)	43
اکائی 4	قرآن کے میدان میں مستشرقین کی علمی خدمات (حصہ دوم)	64
اکائی 5	حدیث کے میدان میں مستشرقین کی علمی خدمات	83
اکائی 6	تصوف کے میدان میں مستشرقین کی علمی خدمات	104

بلاک 3 : مستشرقین کی خدمات کا تنقیدی جائزہ

اکائی 7	اسلامی موضوعات پر مستشرقین کی تحریفات	121
اکائی 8	مستشرقین کی غلط فہمیوں کے اسباب	138

بلاک 4 :ہندوستانی غیر مسلموں کی خدمات

اکائی9	ہندوستانی غیر مسلموں کی مذہبی تصنیفات (حصہ اول)	152
اکائی10	ہندوستانی غیر مسلموں کی مذہبی تصنیفات (حصہ دوم)	173
اکائی11	ہندوستانی غیر مسلموں کی تاریخی تصنیفات	195
اکائی12	ہندوستانی غیر مسلموں کی دینی کتب کی اشاعت	208
اکائی13	ہندوستانی غیر مسلموں کی حیات وخدمات (حصہ اول)	221
اکائی 14	ہندوستانی غیر مسلموں کی حیات وخدمات (حصہ دوم)	238
	نمونہ امتحانی پرچہ	255

پیغام

مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی 1998 میں وطنِ عزیز کی پارلیمنٹ کے ایکٹ کے تحت قائم کی گئی۔اس کے چار نکاتی مینڈیٹس یہ ہیں۔ (1)اردو زبان کی ترویج و ترقی (2)اردو میڈیم میں پیشہ ورانہ اور تکنیکی تعلیم کی فراہمی (3)روایتی اور فاصلاتی تدریس سے تعلیم کی فراہمی اور (4) تعلیم نسواں پر خصوصی توجہ۔ یہ وہ بنیادی نکات ہیں جو اِس مرکزی یونیورسٹی کو دیگر مرکزی جامعات سے منفرد اور ممتاز بناتے ہیں۔ قومی تعلیمی پالیسی 2020 میں بھی مادری اور علاقائی زبانوں میں تعلیم کی فراہمی پر کافی زور دیا گیا ہے۔

اُردو کے ذریعے علوم کو فروغ دینے کا واحد مقصد و منشا اُردو داں طبقے تک عصری علوم کو پہنچانا ہے۔ ایک طویل عرصے سے اُردو کا دامن علمی مواد سے لگ بھگ خالی رہا ہے۔ کسی بھی کتب خانے یا کتب فروش کی الماریوں کا سرسری جائزہ اس بات کی تصدیق کر دیتا ہے کہ اُردو زبان سمٹ کر چند ''ادبی'' اصناف تک محدود رہ گئی ہے۔ یہی کیفیت اکثر رسائل و اخبارات میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ اُردو قاری اور اُردو سماج دورِ حاضر کے اہم ترین علمی موضوعات سے نابلد ہیں۔ چاہے یہ خود ان کی صحت و بقا سے متعلق ہوں یا معاشی اور تجارتی نظام سے، یا مشینی آلات ہوں یا ان کے گرد و پیش ماحول کے مسائل ہوں، عوامی سطح پر اِن شعبہ جات سے متعلق اردو میں مواد کی عدم دستیابی نے عصری علوم کے تئیں ایک عدم دلچسپی کی فضا پیدا کر دی ہے۔ یہی وہ چیلنجز ہیں جن سے اُردو یونیورسٹی کو نبرد آزما ہونا ہے۔ نصابی مواد کی صورت حال بھی کچھ مختلف نہیں ہے۔ اِسکولی سطح پر اُردو کتب کی عدم دستیابی کے چرچے ہر تعلیمی سال کے شروع میں زیرِ بحث آتے ہیں۔ چوں کہ اُردو یونیورسٹی کا ذریعہ تعلیم اُردو ہے اور اس میں عصری علوم کے تقریباً سبھی اہم شعبہ جات کے کورسز موجود ہیں لہٰذا اِن تمام علوم کے لیے نصابی کتابوں کی تیاری اِس یونیورسٹی کی اہم ترین ذمہ داری ہے۔

مجھے اِس بات کی بے حد خوشی ہے کہ یونیورسٹی کے ذمہ داران بشمول اساتذہ کرام کی انتھک محنت اور ماہرین علم کے بھرپور تعاون کی بنا پر کتب کی اشاعت کا سلسلہ بڑے پیمانے پر شروع ہو چکا ہے۔ ایک ایسے وقت میں جب کہ ہماری یونیورسٹی اپنی تاسیس کی 25ویں سالگرہ منا رہی ہے، مجھے اس بات کا انکشاف کرتے ہوئے بہت خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ یونیورسٹی کا نظامتِ فاصلاتی تعلیم از سرِ نو اپنی کارکردگی کے نئے سنگِ میل کی طرف رواں دواں ہے اور نظامتِ فاصلاتی تعلیم کی جانب سے کتابوں کی اشاعت اور ترویج میں بھی تیزی پیدا ہوئی ہے۔ نیز ملک کے کونے کونے میں موجود تشنگانِ علم فاصلاتی تعلیم کے مختلف پروگراموں سے فیضیاب ہو رہے ہیں۔ گرچہ گزشتہ برسوں کے دوران کووڈ کی تباہ کن صورتِ حال کے باعث انتظامی امور اور ترسیل و ابلاغ کے مراحل بھی کافی دشوار کن رہے تاہم یونیورسٹی نے اپنی حتی المقدور کوششوں کو بروئے کار لاتے ہوئے نظامتِ فاصلاتی تعلیم کے پروگراموں کو کامیابی کے ساتھ روبہ عمل کیا ہے۔ میں یونیورسٹی سے وابستہ تمام طلبا کو یونیورسٹی سے جڑنے کے لیے صمیم قلب کے ساتھ مبارک باد پیش کرتے ہوئے اس یقین کا اظہار کرتا ہوں کہ ان کی علمی تشنگی کو پورا کرنے کے لیے مولانا آزاد اردو یونیورسٹی کا تعلیمی مشن ہر لمحہ ان کے لیے راستے ہموار کرے گا۔

پروفیسر سید عین الحسن

وائس چانسلر

پیغام

موجودہ دور میں فاصلاتی طریقۂ تعلیم کو پوری دنیا میں ایک انتہائی کارگر اور مفید طریقۂ تعلیم کی حیثیت سے تسلیم کیا جاچکا ہے اور اس طریقۂ تعلیم سے بڑی تعداد میں لوگ مستفید ہورہے ہیں۔ مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی نے بھی اپنے قیام کے ابتدائی دنوں ہی سے اردو آبادی کی تعلیمی ضروریات کے پیش نظر فاصلاتی طرز تعلیم کو متعارف کرایا۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کا آغاز 1998 میں نظامتِ فاصلاتی تعلیم سے ہوا اور 2004 میں باقاعدہ روایتی طرز تعلیم (Regular Courses) کا آغاز ہوا اور بعد ازاں متعدد روایتی تدریس کے شعبہ جات قائم کیے گئے۔

ملک میں تعلیمی نظام کو بہتر انداز سے جاری رکھنے میں یو جی سی کا مرکزی کردار رہا ہے۔ فاصلاتی تعلیم (ODL) کے تحت جاری مختلف پروگرام UGC-DEB سے منظور شدہ ہیں۔ UGC-DEB اس بات پر زور دیتا رہا ہے کہ فاصلاتی نظامِ تعلیم کے نصابات اور نظامات کو روایتی نظامِ تعلیم کے نصابات اور نظامات سے کماحقہ ہم آہنگ کرکے فاصلاتی تعلیم کے طلبا کے معیار کو بلند کیا جائے۔ چوں کہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی فاصلاتی اور روایتی طرزِ تعلیم کی جامعہ (Dual Mode University) ہے، لہٰذا اس مقصد کے حصول کے لیے یو جی سی۔ ڈی ای بی کے رہنمایانہ اصولوں کے مطابق Credit Based Credit System (CBCS) نظام متعارف کرایا گیا اور خود اکتسابی مواد (Self Learning Material) از سرِ نو، جس میں یو جی اور پی جی طلبا کے لیے چھ بلاک چوبیس اکائیوں اور چار بلاک سولہ اکائیوں پر مشتمل نئے طرز کی ساخت پر تیار کیا گیا ہے۔

نظامتِ فاصلاتی تعلیم یو جی، پی جی، بی ایڈ، ڈپلوما اور سرٹیفکیٹ کورسز پر مشتمل جملہ سترہ (17) کورسز چلا رہا ہے۔ ساتھ ہی تکنیکی ہنر پر مبنی کورسز بھی شروع کیے جارہے ہیں۔ متعلمین کی سہولت کے لیے ملک کے مختلف حصوں میں 9 علاقائی مراکز بنگلورو، بھوپال، دربھنگہ، دہلی، کولکاتا، ممبئی، پٹنہ، رانچی اور سری نگر اور 6 ذیلی علاقائی مراکز حیدرآباد، لکھنؤ، جموں، نوح، وارانسی اور امراوتی کا ایک بہت بڑا نیٹ ورک موجود ہے۔ اس کے علاوہ وجے واڑہ میں ایک ایکسٹنشن سنٹر بھی قائم کیا گیا ہے۔ ان مراکز کے تحت سرِ دست 160 سے زیادہ متعلم امدادی مراکز (Learner Support Centers) نیز 20 پروگرام سنٹرس (Programme Centers) کام کررہے ہیں، جو طلبا کو تعلیمی اور انتظامی مدد فراہم کرتے ہیں۔ نظامت فاصلاتی تعلیم اپنی تعلیمی اور انتظامی سرگرمیوں میں آئی سی ٹی کا بھرپور استعمال کرتا ہے، نیز اپنے تمام پروگراموں میں داخلے صرف آن لائن طریقے ہی سے دے رہا ہے۔

نظامتِ فاصلاتی تعلیم کی ویب سائٹ پر متعلمین کو خود اکتسابی مواد کی سافٹ کاپیاں بھی فراہم کی جارہی ہیں، نیز آڈیو۔ ویڈیو ریکارڈنگ کا لنک بھی ویب سائٹ پر فراہم کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ متعلمین کے درمیان رابطے کے لیے ای میل اور وہاٹس ایپ گروپ کی سہولت فراہم کی گئی ہے، جس کے ذریعے متعلمین کو پروگرام کے مختلف پہلوؤں جیسے کورس کے رجسٹریشن، مفوضات، کونسلنگ، امتحانات وغیرہ کے بارے میں مطلع کیا جاتا ہے۔ پچھلے دو سال سے ریگولر کاؤنسلنگ کے علاوہ ایڈیشنل رمیڈیل آن لائن کاؤنسلنگ مہیا کی جارہی ہے تاکہ طلبا کے تعلیمی معیار کو بلند کیا جاسکے۔

امید ہے کہ ملک کی تعلیمی اور معاشی حیثیت سے پچھڑی اردو آبادی کو عصری تعلیم کے مرکزی دھارے سے جوڑنے میں نظامتِ فاصلاتی تعلیم کا بھی نمایاں رول ہوگا۔ آنے والے دنوں میں تعلیمی ضروریات کے پیش نظر نئی تعلیمی پالیسی (NEP-2020) کے تحت مختلف کورسز میں تبدیلیاں کی جائیں گی اور امید ہے کہ یہ فاصلاتی نظام کو زیادہ مؤثر و کارگر بنانے میں مددگار ثابت ہوگی۔

پروفیسر محمد رضا اللہ خان
ڈائرکٹر، نظامت فاصلاتی تعلیم

کورس کا تعارف

نظامت فاصلاتی تعلیم، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد کے لیے یہ بات انتہائی باعث مسرت ہے کہ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن (یو جی سی)، ڈسٹنس ایجوکیشن بیورو (ڈی ای بی) کے 2017 ضابطوں اور دوسرے ترمیمی ضوابط 2018 کے مطابق اسلامک اسٹڈیز کے موضوع پر اردو زبان میں درسی مواد تیار کیا گیا ہے۔ یو جی سی ہدایت کے تحت یونیورسٹی کے روایتی اور فاصلاتی نظام تعلیم کے لیے ایک ہی نصاب لازمی قرار دیا گیا ہے؛ تاکہ نہ صرف ان دونوں نظام تعلیم کے طلبہ کا معیار یکساں ہو، بلکہ حصول تعلیم کے لیے فراہم کی جانے والی مختلف سہولیات کے اس دور میں ایک نظام تعلیم کے طلبہ کے لیے دوسرے نظام تعلیم کی طرف منتقلی بھی قابل عمل ہو۔

ان ضوابط کے تحت یونیورسٹی میں فراہم کیے جارہے تمام مضامین میں روایتی اور فاصلاتی نظام تعلیم کا ایک ہی نصاب تیار کیا گیا، اور اس کے مطابق درسی مواد کی تیاری کی گئی جو بیک وقت دونوں نظام تعلیم کے طلبہ وطالبات کے لیے ذریعہ استفادہ بن سکے۔ یہ مواد بی اے کے تین سالہ (چھ سمسٹر) کورس اور ایم اے کے دو سالہ (چار سمسٹر) کورس کے لیے تیار کروایا گیا ہے۔ اس درسی مواد کی تیاری میں ملک بھر کے ماہرین اسلامیات، دانشوران اور اسلامی علوم پر گہری نظر رکھنے والے علما کی معیاری خدمات یونیورسٹی کو حاصل رہیں، اور اس میں اسلامیات کے تقریباً تمام ہی موضوعات اور پہلوؤں کا جامع احاطہ کیا گیا۔ اس طرح یونیورسٹی کے ذریعے تیار ہونے والا یہ درسی مواد ایک معیاری، ہمہ گیر اور اسلامیات کے پورے کورس پر محیط بن کر تیار ہوا، جس سے نہ صرف یہ کہ اسلامک اسٹڈیز کے طلبہ وطالبات کی ایک بڑی ضرورت کی تکمیل ہوئی بلکہ اسلامی مطالعات کے میدان میں قابل قدر اضافہ ہوا۔

اس نصاب کی تیاری میں قدیم نصاب کی خوبیوں کو باقی رکھتے ہوئے ضروری حذف واضافہ اور جدید تحریر کے ساتھ مضامین کی ایسی ترتیب اختیار کی گئی جو دونوں روایتی اور فاصلاتی تعلیم کے نظام کی ضرورت بیک وقت پوری کر سکے۔

یکساں نصاب کی تیاری کے بعد اسی کے مطابق درسی مواد کی تیاری بھی مطلوب تھی جس میں نئے نصاب کے مطابق پرانے تحریر شدہ مواد میں کہیں کم اور کہیں زیادہ حذف وترمیم اور تبدیلی کی ضرورت تھی۔ کئی مقامات پر کم یا زیادہ اضافہ بھی مطلوب تھا۔ بعض ذیلی عناوین پر بالکل نئی تحریر لکھنے کی ضرورت تھی اور بعض جگہوں پر مکمل اکائی کے اضافہ کی بھی ضرورت پیش آئی۔ ان سب کے علاوہ مواد کی ترتیب کو نئے نصاب کے مطابق بنایا گیا۔ نیز ہر اکائی کے تحت اکتسابی نتائج اور متنوع قسم کے سوالات کے تفصیلی نمونے شامل کیے گئے۔ ان تبدیلیوں کے بعد تیار ہونے والا مواد قدیم وجدید کا مجموعہ بن کر سامنے آیا ہے۔

ہمیں خوشی ہے کہ ہم ایم اے کے کورس کی یہ کتاب آپ کے لیے پیش کر رہے ہیں۔ تیسرے سمسٹر کے اس پرچہ کا عنوان 'اسلامی مطالعات میں غیر مسلموں کی خدمات' ہے۔ یہ روایتی تعلیم کے تحت ایم۔اے سمسٹر سوم کے لیے ہے۔ اس پرچہ میں کل چودہ اکائیاں ہیں، جن کو چار بلاکس میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ان بلاکس میں استشراق کے تعارف اسکی تاریخ کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے غیر مسلم برادران کی اسلامک اسٹڈیز میں خدمات سے متعلق معلومات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اس پرچہ کا پہلا بلاک استشراق کا مفہوم اس کے ارتقا کی تاریخ، اس کے اغراض و مقاصد پر مشتمل ہے۔ دوسرا بلاک مستشرقین کی قرآن، حدیث اور تصوف میں خدمات پر مبنی ہے۔ تیسرا بلاک مستشرقین کی خدمات کے تنقیدی جائزہ سے متعلق ہے اور چوتھا اور آخری بلاک ہندوستانی غیر مسلم مصنفین ان کی اسلام پر مبنی تصنیفات، دینی کتب کی اشاعت اور ان کی حیات وخدمات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں آپ کو اوپر ذکر کیے گئے سبھی عنوانات کے متعلق تحریری مواد کے ساتھ ساتھ امتحان کی تیاری میں معاون نمونہ امتحان کا پرچہ بھی شامل ہے۔

پروفیسر سید علیم اشرف

کورس کوآرڈی نیٹر

اسلامی مطالعات میں غیر مسلموں کی خدمات

Contributions of Non-Muslims to Islamic Studies

اکائی 1: استشراق کا مفہوم آغاز وارتقاء

اکائی کے اجزا:

1.0 تمہید

1.1 مقاصد

1.2 استشراق کا لغوی معنی اور مفہوم

1.2.1 مشرق کا جغرافیائی مفہوم

1.2.2 مشرق کا تاریخی و تہذیبی مفہوم

1.2.3 استشراق کا اصطلاحی معنی اور تعریف

1.2.4 مرکز مدینہ برائے استشراقی مطالعات

1.3 تاریخ استشراق

1.3.1 پہلا مرحلہ

1.3.2 دوسرا مرحلہ

1.3.3 تیسرا مرحلہ

1.3.4 چوتھا مرحلہ

1.3.5 پانچواں مرحلہ

1.4 اکتسابی نتائج

1.5 نمونہ امتحانی سوالات

1.5.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1.5.2 مختصر جواب کے حامل سوالات

1.5.3 طویل جواب کے حامل سوالات

1.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1.0 تمہید

لفظ استشراق علمی اور تعلیمی حلقوں میں ایک مانوس اور متداول لفظ ہے لیکن اس کے مفہوم کی حقیقی دلالت اور لفظ کے معنوی ابعاد سے کم لوگ ہی واقف ہے۔ استشراقی مطالعات نے اپنے وسیع و عمیق اثرات سے اہل مشرق کے زندگی کے تمام گوشوں کو متاثر کیا ہے۔ استشراق اجمالی طور پر مشرق کو سمجھنے کی مغرب کی کوشش کا نام ہے، استشراق مشرق کے علوم فنون، زبان ادب اور تہذیب و تمدن کے بارے میں مغربی مطالعات کا نام ہے، جو مختلف اغراض و مقاصد اور محرکات کے ساتھ کئے گئے ہیں، جن میں دینی سیاسی علمی اقتصادی اور استعماری مقاصد شامل ہیں، کچھ مطالعات حسن نیت کے ساتھ کئے گئے، خواہ درست رہے ہوں یا غیر درست، لیکن کچھ پوری طرح سے بد نیتی پر مبنی تھے۔ ان مقاصد و محرکات کے اختلاف کے پیش نظر استشراقی مطالعات اپنے آثار و نتائج کے اعتبار سے بھی مختلف ہے۔

اگر استشراق نے ایک طرف اسلامی مطالعات کو نئی جہتیں، نئے اسالیب اور نئے مناہج سے روشناس کرایا ہے تو دوسری طرف تحریفات اور دسیسہ کاریوں کا ایک طویل سلسلہ بھی دیا ہے، اگر اس نے ایک طرف اسلامی میراث کی حفاظت وصیانت کا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا ہے تو دوسری طرف اسی میراث سے مسلمانوں کے اعتماد کو متزلزل کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔ لہذا استشراقی مطالعات سے پہلے خود استشراق کا مطالعہ از بس ضروری ہے۔ اس میں ایجابیات بھی ہیں اور سلبیات بھی، نہ ایجابیات کی وجہ سے سلبیات کو قبول کرنا چاہئے اور نہ سلبیات کے سبب ایجابیات کو رد کرنا چاہئے۔ اور ہمیں ان مطالعات میں ''خذ ماصفا ودع ماکدر'' کے اصول کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔

1.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد یہ ہے کہ اس اکائی کو پڑھنے کے بعد آپ استشراق کے لغوی اور اصطلاحی معنی سے واقف ہو جائیں اور استشراق کے مفہوم اور اس کی معنوی دلالت آپ پر اچھی طرح واضح ہو جائے۔ اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ استشراق کی اجمالی تاریخ سے باخبر ہو جائیں گے اور استشراق کے مختلف ادوار اور ان کی خصوصیات کے بارے میں بات کر سکیں گے۔

1.2 استشراق کا لغوی معنی اور مفہوم

استشراق عربی زبان کے لفظ ''شرق'' سے مشتق اور ماخوذ ہے اور شرق کا مطلب ہے ''مشرق الشمس'' یعنی وہ سمت جہاں سے سورج نکلتا ہے۔

لفظ ''استشراق'' مصدر ہے اور ''استفعال'' کے وزن پر ہے' اور اس کی اصل ش ر ق ہے۔ جس میں الف سین اور تاء کا اضافہ کر دیا گیا ہے جو عربی زبان میں طلب کرنے اور حالت کے تبدیل ہونے کا معنی دیتا ہے۔ مثلاً استغفر اللہ کا معنی ہوا میں اللہ سے مغفرت طلب کرتا

ہوں اور استحجر الطین کا مطلب ہے کہ: مٹی پتھر میں تبدیل ہو گئی۔ استشراق کا معنی ہوا" مشرق کی طلب" اور مشرق کی طلب اس کے علوم و معارف، افکار و نظریات، مذاہب و دیانات، تہذیب و ثقافت اور زبانوں و بولیوں کی طلب کی صورت ہی میں ہو گی۔ لہذا اس اعتبار سے استشراق کا لغوی معنی ہوا مشرق یا عالم مشرق کا علم۔ اس مادے (ش ر ق) سے شروق ؛اشراق اور تشریق وغیرہ بھی بنتے ہیں جن میں طلوع، ظہور، روشن ہونے اور روشن کرنے وغیرہ کے معانی بھی پوشیدہ ہیں۔

استشراق کے مقابلے میں انگریزی اور یوروپین زبانوں میں Orientalism کا لفظ استعمال ہوتا ہے اس لفظ کی تفہیم بھی استشراق کے معنی کی تعیین میں مددگار ہوتی ہے Orient ؛ کا معنی ہے مشرق اور یہ لفظ لاطینی زبان کے لفظ "Oriens" سے بنا ہے جو شروق (Rising) کے معنی پر مشتمل ہے۔ لاطینی زبان کے اس لفظ کا استعمال کسی چیز کے علم اور اس کی طلب کے لیے بھی ہوتا ہے۔ فرانسیسی اور انگریزی زبانوں میں Orientation کا لفظ رہنمائی و تربیت اور ہدایت وارشاد کے لیے بھی ہوتا ہے۔ بالخصوص فکری اور روحانی تربیت کے لیے ہوتا ہے۔ کیونکہ مشرق ہمیشہ سے روحانی واخلاقی علوم و افکار کا سرچشمہ رہا ہے۔ اسی مفہوم کی طرف اشارہ کرنے کے لیے ہی یوروپین زبانوں میں مشرق کے لیے Morgeland کا استعمال ہوتا ہے کہ جس کا معنی ہے صبح ؛نور اور بیداری کی زمین اور اس کے مقابلے میں مغرب کے لیے Abend Land کا استعمال کیا جاتا ہے۔ جس کے معنی بین تاریکی اور راحت کی زمین۔

لفظ Orient اور Morgeland کے ساتھ ساتھ مشرق کے لیے مغربی زبانوں میں ایک اور لفظ ملتا ہے وہ ہے "Levant" یہ لفظ بھی لاطینی اصل ہے اور اس کا معنی ہے اٹھانا (Lift) اور بلند کرنا (Raise) یہ لفظ بحیرہ روم (Mediterranean Sea) سے مشرق میں واقع خطہ زمین کے لیے بولا جاتا تھا جہاں سورج نکلتا ہے اور جدھر سے صبح آتی ہے۔

اہل مغرب نے مشرق یا شرق کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ (1) شرق قریب (2) شرق اوسط اور (3) شرق بعید۔

1. شرق قریب یا شرق ادنی (The Near East) : اس میں مراقش الجزائر ؛تیونیشیا اور لیبیا وغیرہ شامل ہیں۔
2. شرق اوسط (The Middle East) : اس میں مصر ؛شام جزیرۂ عرب ؛ترکی ؛ایران اور عراق وغیرہ شامل ہیں۔
3. شرق بعید (The Far East) : اس میں برصغیر سے لے کر بحر الکاہل تک کے مشرقی ممالک آتے ہیں۔

1.2.1 مشرق کا جغرافیائی مفہوم

استشراق کے لغوی و مفہوم کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے مشرق کے جغرافیائی اور تہذیبی مفہوم کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔ اگر ہم مشرق کی مندرجہ بالا تقسیم میں غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ مطالعہ استشراق میں مشرق سے مراد پوری طرح سے جغرافیائی مشرق نہیں ہے ؛ کیونکہ شرق ادنی کے بعض ملک بیشتر مغربی ملکوں سے بھی زیادہ مغرب میں واقع ہیں اور شرق ادنی و اوسط کے اکثر ملک یوروپ کے مقابلے میں مشرق میں نہیں بلکہ جنوب میں واقع ہیں۔ اور آسٹریلیا کے مقابلے میں پورا وطن عربی اور عالم اسلام شمال مغرب میں واقع ہے۔ علاوہ ازیں

مشرق کا جغرافیائی مفہوم ایک اضافی امر ہے جو مختلف ملکوں کے محل و قوع کے اعتبار سے بدلتا رہتا ہے۔ مثلاً عراق ایران کے مقابلے میں مغرب میں اور شام کے مقابلے میں مشرق میں واقع ہے۔

1.2.2 مشرق کا تاریخی و تہذیبی مفہوم

مطالعہ استشراق میں لفظ مشرق کے لغوی اور جغرافیائی مفہوم سے زیادہ اس کا تاریخی اور تہذیبی مفہوم غالب ہے اور اسی تاریخی اور تہذیبی مفہوم کی رعایت کے ساتھ اہل مغرب نے استشراق کا استعمال کیا ہے۔ مشرق کے تاریخی مفہوم میں ایشیا اور شمالی افریقہ کے وہ ممالک شامل ہیں جو بحیرۂ روم کے مشرق اور جنوب میں واقع ہیں پھر مختلف ادوار میں مشرق کے معنی میں توسع پیدا ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ ایشیا اور افریقہ کے تمام ممالک اس میں داخل ہوگئے۔ نو آبادیاتی عہد میں اہل یورپ مغرب سے خود کو مراد لیتے تھے اور مشرق سے ان کی مراد وہ نو آبادیات تھیں جو ایشیاء و افریقہ میں واقع تھیں، مشرق و مغرب کی تقسیم میں رنگ و نسل بھی ایک اہم عامل تھے۔ آرین نسل اور سفید فام لوگ مغرب کے نمائندے بن گئے جب کہ رنگ دار اور سیاہ فام نسلیں مشرق کی نمائندہ قرار پائیں۔ مغرب و مشرق کے تعین میں مذہب ،زبان اور تہذیب کا بھی نمایاں رول رہا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ نو آبادیاتی قوتیں یا ان میں سے اکثر و بیشتر مذہب، زبان اور تہذیب سب میں مشترک یا باہم قریب تھیں جب کہ ایشیا اور افریقہ کے رہنے والے باہم تہذیبی اور ثقافتی طور پر قریب تھے۔

مشرق و مغرب کے اس قریب العہد مفہوم سے قطع نظر مشرق و مغرب کی اس تقسیم کی جڑیں عہد استعمار سے بہت پہلے کے تاریخی و تہذیبی تصادم تک پہنچتی ہیں۔ ماضی قدیم سے دنیا میں دو بڑی قوتیں رہی ہیں اور ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کی جدوجہد میں صدیوں تک مصروف رہی ہیں۔ ان میں سے ایک مشرق کی نمائندگی کرتی تھی اور دوسری مغرب کی۔ جیسے فارس اور روم، اول الذکر مشرق کی نمائندہ تھی جبکہ مؤخر الذکر مغرب کی نمائندگی کرتی تھی۔ اس کے بعد مسلمانوں اور رومیوں کا تصادم پیش آیا۔ صلیبی جنگوں کے وقت یہ تصادم اپنے عروج پر پہنچ گیا تھا۔ جس میں مسلمان مشرق کی اور رومی یا صلیبی جنگجو مغرب کی نمائندگی کرتے تھے۔ پھر خلافت عثمانیہ اور یوروپ کا باہمی ٹکراؤ اور اخیر میں استعماری قوتوں اور ان کی نو آبادیوں میں رہنے والوں کے درمیان کی کشمکش' یہ سب مشرق کے تہذیبی مفہوم کو متعین کرنے میں مددگار ہوتے ہیں۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ مشرق کا صرف جغرافیائی مفہوم اس سلسلے میں ہماری مدد نہیں کرتا۔ آسٹریلیا اپنے محل وقوع کے اعتبار سے مشرق بعید میں واقع ہونے کے بعد بھی صرف نسلی اور تہذیبی اشتراک کی وجہ سے مغرب کا حصہ مانا جاتا ہے۔ البتہ اگر مشرق کے جغرافیائی مفہوم کی رعایت کے ساتھ ساتھ ہم عادات و رسوم، بود و باش کے طریقے اور دینی و تہذیبی و لسانی قربتوں کا بھی لحاظ رکھیں تو استشراقی مطالعے میں مشرق کا مفہوم بڑی حد تک متعین ہو جاتا ہے۔

1.2.3 استشراق کا اصطلاحی معنی اور تعریف

استشراق کی بہت سی تعریفیں کی گئی ہیں جو عموماً تعریف کرنے والے کے ذوق و مشرب اور علمی و فکری رجحان کی ترجمانی کرتی ہیں۔ استشراق و مستشرق کی چند تعریفات حسب ذیل ہیں:

میکسم روڈنسن (Maxime Rodenson) :''مطالعہ مشرق کے لیے علم کی مخصوص قسم کا نام استشراق ہے۔''

میکلانجلو جویدی Michelongelo Guedi) : "استشراق مشرق کی اس روحانی اور ادبی قوت کے مطالعے کا نام ہے جس نے انسانی تہذیب کی تشکیل اور تعمیر میں زبردست اثر ڈالا ہے۔ مشرق کے بعض علاقوں اور مشرق وسطیٰ کی قدیم تہذیبوں کا مطالعہ بھی استشراق کہلاتا ہے۔"

مالک بن نبی: "ہمارے نزدیک مستشرقین سے مراد وہ مغربی مصنفین ہیں جو اسلامی فکر و تہذیب کے بارے میں لکھتے ہیں۔"۔

منیر بعلبکی: "مشرقی زبانوں، فنون اور تہذیبوں کا مطالعہ کرنے والا مستشرق کہلاتا ہے۔"

ایڈورڈ سعید (Edward W. Said): "استشراق، مشرق پر تسلط پانے اور اس پر اقتدار حاصل کرنے کے مغربی اسلوب کا نام ہے۔ "

محمود زقزوق: "عالم مشرق کے علم کو استشراق کہتے ہیں۔ اس کے دو معنی ہیں، عام اور خاص۔ عام معنی میں استشراق کا اطلاق مشرق سے متعلق ان تمام مطالعوں پر ہوتا ہے جو کسی مغربی عالم کے ذریعے ہو، خواہ وہ مطالعہ مشرق بعید کا ہو، مشرق اوسط کا ہو یا مشرق قریب کا، خواہ وہ مطالعہ مشرق کی زبان و عادات سے متعلق ہو، یا تہذیب وادیان سے متعلق ہو۔ اور خاص معنوں میں استشراق کسی بھی مغربی اسکالر کے ان مطالعوں کو کہتے ہیں جو مشرق اسلامی کی زبانوں، عادتوں، تاریخ اور عقیدے سے متعلق ہو۔"

احمد عبدالحمید غراب: "استشراق ان اکیڈمک مطالعات کو کہتے ہیں۔ جو غیر مسلم مغربی بالخصوص اہل کتاب اسکالرز کرتے ہیں اور جن کا تعلق اسلام اور مسلمانوں سے ہوتا ہے۔ جیسے: عقیدہ، شریعت، تہذیب و تمدن، تاریخ و نظام حکومت، دولت و ثروت اور مستقبل کے امکانات وغیرہ، اور ان کا مقصد اسلام کی صورت کو مسخ کرنا، اسلام کے تئیں مسلمانوں کے دلوں میں شکوک پیدا کرنا اور انہیں مغربی افکار و نظریات کا تابع بنانا ہے۔ اور اس تبعیت کو ان نظریات اور افکار کے حوالے سے جائز قرار دینا جو مشرق اسلامی پر مسیحی مغرب کی نسلی اور تہذیبی برتری کے قائل ہیں۔

مستشرق آربری: "مستشرق وہ ہے جو مشرقی زبانوں اور آداب کا ماہر ہو۔"

عبدالوہاب حمودہ: "مستشرق" ہر وہ مغربی شخص ہے جو مشرق کی کسی زبان کے مطالعے کے لیے خود کو وقف کردے، جیسے فارسی، ترکی، ہندی یا عربی وغیرہ، اور اس کے ادب کی گہرائی سے جانچ کرے، تاکہ اس کے ذریعہ وہ اس مشرقی قوم یا اقوام کے اخلاق و عادات، علوم و آداب اور تاریخ و مذاہب کی معرفت حاصل کر سکے۔"

1.2.4 مرکز مدینہ برائے استشراقی مطالعات

"استشراق اہل مغرب اور امریکہ کے ذریعہ صادر ہونے والے تمام فکری اور نشریاتی اعمال اور وہ سیاسی اور جاسوسی رپورٹیں ہیں جن کا تعلق اسلام اور مسلمانوں کے امور سے ہے۔ جیسے عقیدہ و شریعت، سماج و سیاست اور فکر و فن وغیرہ۔ ہم استشراق سے ان تحریروں کو بھی ملحق کر سکتے ہیں جو عرب کے وہ قبطی اور مارونی عیسائی وغیرہ لکھتے ہیں جو اسلام کو مغربی چشمے سے دیکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں ان مسلم اسکالرز اور

مصنفین کی کتابوں اور مقالات کو بھی استشراق سے ملحق کر سکتے ہیں جنہوں نے مستشرقین سے تعلیم پائی ہے اور ان کے افکار کے حامل ہیں۔''

ان تعریفات کا تجزیہ کرنے سے کئی باتیں سامنے آتی ہیں: پہلی بات تو یہی ہے کہ مشرق کی جغرافیائی تحدید میں ہونے والے اختلاف کا ان تعریفات پر اثر پڑا ہے۔ کئی تعریفات میں استشراق کو صرف زبانوں اور آداب کے مطالعوں میں منحصر کیا گیا ہے۔ جو زیادہ سے زیادہ استشراق کے غالب رنگ کی ترجمانی کرتی ہیں حقیقت کی نہیں۔ علاوہ ازیں جن حضرات نے استشراق کو عرب اور اسلام سے متعلق مطالعوں تک محدود کرنے کی کوشش کی ہے انہوں نے استشراق کے دائرے میں مشرق و مغرب کا خیال کیے بغیر غیر مسلموں کے ذریعے کیے گئے تمام مطالعوں کو استشراق قرار دے دیا ہے حتی کہ عام استشراق کی نہج پر کام کرنے والے مسلمانوں کو بھی اسی زمرے میں رکھ دیا ہے۔ ان تعریفات میں نہ تو لفظ استشراق کے مادے کی رعایت ملتی ہے اور نہ ان مطالعات کی طرف التفات نظر آتا ہے جن کا تعلق اسلام، مسلمانوں اور عرب سے نہیں ہے جیسے انگریز مستشرقین کا ہندوستانی زبانوں اور قوموں کا مطالعہ یا جرمن مستشرقین کا سنسکرت زبان اور قدیم ہندوستانی افکار و نظریات کا مطالعہ۔ لہذا ان تعریفوں کو خالص علمی تعریفات نہیں قرار دیا جاسکتا ہے۔ لیکن بایں ہمہ اس امر کو بھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا ہے کہ اس طبقے کی بیشتر تحقیقات اور مطالعوں کا تعلق عرب اور اسلام سے ہے اور ایک عرصے تک تحریک استشراق کی ترکیز و توجہ کا مرکز عرب اور اسلام رہے ہیں اور زمانے تک یہ تحریک صلیبی درانداروں کے شانہ بشانہ رہی ہے۔ مستشرقین کی تحریروں کی کاٹ صلیبی حملہ آوروں کی تلوار کی کاٹ سے کم نہ تھی۔ اس تحریک کا دائرہ صلیبی جنگوں کے بعد ہی وسیع ہوا ہے۔ بلکہ بعض آراء کے مطابق صلیبی حملوں کی ہزیمت کے بطن سے ہی اس تحریک کی پیدائش ہوئی ہے۔ اور اس کا بنیادی مقصد مغرب میں اسلام کے خلاف نفرت اور خود مسلمانوں میں اس کے خلاف شکوک و شبہات پیدا کرنا ہے۔

استشراق کی تعیین اور تحدید میں یہ امر بھی ملاحظہ کیا جاسکتا ہے کہ اس میں نسلی عنصر بے حد قوی ہے۔ چنانچہ سفید فام آسٹریلیا' جغرافیائی اعتبار سے مشرق بعید میں واقع ہونے کے باوصف استشراقی مطالعے میں اسے مغرب میں شمار کیا جاتا ہے۔ مذکورہ بالا تعریفات کی روشنی میں تحریک استشراق پر متعدد الزامات عائد کیے جاتے ہیں جیسے: عالم مشرق پر غلبہ واقتدار حاصل کرنے کی کوشش، استعماری قوتوں اور مشنریز کی مہمات کی حمایت اور نسل پرستی وغیرہ۔ اور حقیقت یہ ہے کہ استشراق سے ان الزامات کی مکمل نفی ممکن نہیں ہے اور نہ ہی یہ سارے الزامات تمام مستشرقین پر عائد ہوتے ہیں۔

لہذا استشراق کی ایک ایسی علمی اور اکیڈمک تعریف کی ضرورت ہے جو پوری طرح سے جامع ومانع ہو اور استشراق و مستشرقین کی تمام انواع اور اقسام کو شامل ہو۔

جامع تعریف: غیر سفید فارم مشرق کے بارے میں اہل مغرب کے مطالعات، خواہ ان کا تعلق کسی بھی موضوع سے ہو اور چاہے وہ کسی بھی مقصد کے تحت کیے گئے ہوں۔

1.3 تاریخ استشراق

استشراق کے آغاز وابتدا کے بارے میں کوئی بھی قطعی اور حتمی دلیل موجود نہیں ہے۔ جن حضرات نے استشراق کی تاریخ رقم کی ہے وہ سب اس کی ابتدا کے موضوع پر باہم مختلف ہیں۔ بعض اہم آراء حسب ذیل ہیں:

1. استشراق کا آغاز قبل میلاد ہوا۔
2. استشراق کی ابتدا مسلمانوں اور نجران کے نصاریٰ کے باہمی ربط وملاقات سے ہوئی۔
3. نبی اسلام ﷺ کے ان خطوط سے استشراق کا آغاز ہوا جو معاصر بادشاہوں کو بھیجے گئے تھے۔
4. بعض حضرات کی رائے میں استشراق کا نقطہ آغاز پادری یوحنا دمشقی (676-749)ء کی اسلام دشمن کتاب ہے۔
5. ایک رائے کے مطابق جب اہل مغرب نے اندلس میں مسلمانوں سے اخذ واستفادہ شروع کیا تو وہیں سے استشراق کا آغاز ہوا۔ ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی سمیت متعدد ماہرین کا یہی نقطہ نظر ہے۔
6. ایک قوی موقف یہ ہے کہ استشراق کا آغاز صلیبی جنگوں میں اہل مغرب کی ہزیمت سے ہوا۔ یہ جنگیں تقریباً دو صدیوں (1095-1291)ء تک چلتی رہیں۔ اس ہزیمت نے مغرب کو اسلام کے مطالعے کی طرف متوجہ کیا تاکہ ان مقاصد کو قرطاس وقلم کے ذریعہ حاصل کیا جاسکے جنہیں تلوار وڈھال سے حاصل نہیں کیا جاسکا۔ اس رائے کی تائید اس وثیقے ودستاویز سے بھی ہوتی ہے جس میں فرانسیسی بادشاہ لوئس کی وصیت بھی شامل ہے۔ اس وصیت میں مسلمانوں کے خلاف فکری جنگ برپا کرنے کو کہا گیا ہے۔ یہ بادشاہ آٹھویں صلیبی حملے کا قائد تھا۔
7. کچھ ماہرین کے خیال میں استشراق کی ابتدا ویانا کی کلیسائی اکیڈمی کے اس حکم سے ہوئی جس میں پیرس، آکسفورڈ وغیرہ مغربی تعلیمی اداروں میں عربی، عبرانی اور سریانی وغیرہ زبانوں کی تعلیم کے لیے باضابطہ چیئر قائم کرنے کو کہا گیا۔ لیکن پی۔ ایم۔ ہالٹ (P.M. Holt) کے مطابق یہ پاپائی حکم استشراق کا آغاز نہیں قرار دیا جاسکتا ہے۔
8. بعض حضرات استشراق کا آغاز بارہویں صدی میں مانتے ہیں جب کہ استشراقی عمل کا باضابطہ ظہور ہوا، قرآن کا ترجمہ ہوا اور عربی کی ڈکشنری تیار کی گئی۔
9. استشراق کے آغاز سے متعلق ایک رائے یہ بھی ہے کہ یہ مصر پر نپولین کے حملے (1798–1801ء) ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ نو آبادی اور سیاسی استشراق کی عملی ابتداء ہے۔

استشراق کے آغاز کے حوالے سے ان تمام اختلافات کے باوجود ہم اس کے ظہور وارتقاء کو مندرجہ ذیل چند مراحل میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

1.3.1 پہلا مرحلہ

اس مرحلے کو ہم مشرق سے مغرب کے تلمذ اور شاگردی کا مرحلہ کہہ سکتے ہیں۔اور یہ مرحلہ صلیبی جنگوں تک جاری رہا۔اس کی بعض نمایاں خصوصیات اور امتیازات مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔ اسلامی اندلس کی طرف اہل مغرب کے علمی اسفار۔

یہ علمی اسفار دو قسم کے تھے۔

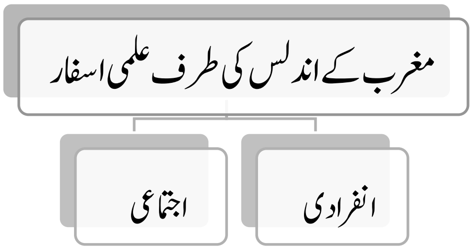

اول: انفرادی علمی اسفار

حصول علم کے یہ اسفار انفرادی نوعیت کے تھے اور انہیں مجموعی طور پر زمانی سبقت بھی ہے۔انفرادی حیثیت سے علمی سفر کرنے والوں میں زیادہ تر عیسائی پادری ہوا کرتے تھے۔ ان میں سب سے نمایاں نام جربرٹ آف آری لیک (Gerbert of Aurillac 916-1003) کا ہے۔ جنہوں نے قرطبہ اور جامعہ قرویین (فاس، مراکش) سے عربی زبان، ریاضیات اور فلسفے کی تعلیم حاصل کی اور پھر یوروپ میں ان علوم کے فروغ میں حصہ لیا،اور 999ء میں سلوسٹر دوم (Sylvester II) کے نام سے پاپائے روم کے منصب کے لیے منتخب ہوئے انہیں کے ذریعہ اہل یوروپ ارسطو اور اس کے افکار سے واقف ہوئے۔انفرادی علمی سفر کرنے والوں میں ایک اہم نام پیٹر محترم (Peter the Venerable 1092-1156) کا بھی ہے۔اسلام اور اسلامی عقیدے سے متعلق تفصیلی کتابیں انہوں نے ہی لکھیں جس سے یوروپ اسلام سے واقف ہوا۔اس ضمن میں ایک بڑی شخصیت جیرارڈ ڈے کریمونا (Gerard de Cremona 1114-1187) کی بھی ہے۔انہوں نے بھی اندلس میں تعلیم حاصل کی۔ جیرارڈ نے متعدد عربی کتابوں کو اطالوی زبان میں ترجمہ کیا ان میں بعض کتابیں ایسی بھی تھیں جو بنیادی طور پر یونانی میں لکھی گئی تھیں لیکن نہ تو یونانی میں باقی رہ گئی تھیں اور نہ ہی لاطینی زبان میں ان کا کوئی ترجمہ دستیاب تھا۔اندلس اور عالم اسلام کے دیگر مراکز کی طرف انفرادی نوعیت کے تعلیمی سفر کرنے والوں کی یہ فہرست بہت طویل ہے اور انہیں لوگوں کے ذریعے درحقیقت یورپ کی نشاۃ ثانیہ کی بنیاد رکھی گئی۔

دوم: اجتماعی علمی وفود

یہ انفرادی کوششوں کے مقابلے میں زیادہ منظم اور نتیجہ خیز تھے یہ وفود یوروپ کی حکومتوں اور وہاں کے مختلف اداروں کے زیراہتمام اندلس کی جامعات اور تعلیم گاہوں کو روانہ کیے جاتے تھے تاکہ ان وفود کے افراد وہاں عربی زبان اور مختلف علوم وفنون کی تعلیم حاصل کرکے یوروپ میں علم کی روشنی پھیلائیں۔ان میں کچھ وفود ایسے بھی تھے جن میں یوروپ کے شاہی خاندانوں کے افراد بھی شریک تھے ایسے وفود میں سے ایک وفد کی قیادت شہنشاہ فرانس لوئیس ششم کی خالہ زادہ شہزادی الزابیتھ نے کی تھی۔ایک دوسرے وفد میں پرنس آف

ویلز کی بیٹی شہزادی ڈوبان بطور سربراہ کے شریک تھیں۔ان وفود میں طلبہ کی تعداد الگ الگ ہوتی تھی بعض وفد سینکڑوں طلبہ پر مشتمل ہوتے تھے۔

ب۔ اسلامی اور مغربی ممالک کے درمیان سفارتیں

یوروپین ملکوں نے ان سفارتوں کے ذریعے عالم اسلامی سے کافی استفادہ کیا۔ان سفارتوں کا آغاز ابو جعفر منصور عباسی (متوفی 755) کے عہد سے ہو گیا تھا۔ہارون رشید(763-809ء)اور چارلی مین (Charlemagne 742-814) کے درمیان قائم سفارت کو تاریخ میں بڑی شہرت ملی ہے ایک بار ہارون نے اپنے سفیر کے ذریعے چارلی مین کو ایک گھڑی تحفے میں بھیجی جس میں سے ٹک ٹک کی آواز آرہی تھی۔چارلی مین نے سمجھا کہ اس میں کوئی عفریت یا جن پوشیدہ ہے۔

اندلسی خلیفہ عبدالرحمن سوم(891-961ء)اور یوروپ کے حکمرانوں کے درمیان ہونے والی سفارتوں کو بھی تاریخی طور پر بڑی شہرت حاصل ہے۔یوروپ نے ان سفارتوں سے بہت کچھ سیکھا اور ان کے ذریعہ ہر دو علمی اور تہذیبی سطح پر عرب اور مسلمانوں سے کافی کچھ اکتساب کیا۔

ج: تحریک ترجمہ

اس مرحلے کی ایک اہم اور نمایاں خصوصیت ترجمے کی تحریک بھی ہے۔اس تحریک کے ذریعے عربی اسلامی علوم کو یوروپ کی مختلف زبانوں بالخصوص لاطینی اور اسپینی زبانوں میں بڑے پیمانے پر منتقل کیا گیا۔اس کے لیے مدرسے قائم کیے گئے۔دفتروں کا قیام عمل میں آیا اور مترجمین کی کمیٹیاں بنائی گئیں۔اس تحریک کو عیسائی حکمرانوں اور کلیسا کی سرپرستی حاصل تھی۔صقلیہ (سسلی)اور اندلس اس تحریک کے دو اہم مرکز تھے۔ترجمے کی یہ تحریک الفانسو ششم کے عہد میں اپنے عروج پر پہنچ گئی تھی۔اس نے پادری ریمونڈ کی نگرانی میں ترجمہ کا ایک بڑا دفتر طلیطلہ میں قائم کیا۔جس میں مترجمین کی کئی کمیٹیاں کام کرتی تھیں۔یہ کمیٹیاں مختلف علوم وفنون سے متعلق ہوتی تھیں۔طلیطلہ کے اس دفتر ترجمہ نے سینکڑوں عربی کتابوں کو اسپینی اور لاطینی میں منتقل کیا'ان کتابوں میں یونانی سے ترجمہ شدہ کتابیں بھی تھیں اور عربی کی طبع زاد کتابیں بھی۔چونکہ طلیطلہ ایک طویل عرصے تک مسلمانوں کے زیر اقتدار رہ چکا تھا لہذا یہاں کے کتب خانوں میں بے حد نایاب علمی کتابوں کا بڑا ذخیرہ موجود تھا۔

سسلی میں بھی ترجمے کے مراکز و مدارس قائم تھے جہاں اسلامی عہد کے علمی کاموں کا لاطینی وغیرہ زبانوں میں ترجمہ کیا گیا۔زیادہ اہتمام ریاضیات ' فلکیات 'طبیعیات ' طب اور فلسفہ کی کتابوں کے ترجمے کا ہوتا تھا۔ بعد میں یہی ترجمہ کردہ کتابیں یوروپ کی جامعات اور مدارس میں تعلیمی نصاب کا حصہ نہیں جہاں سولہویں بلکہ سترہویں صدی تک ان کی تدریس ہوتی رہی۔ترجمے کی یہ تحریک گیارہویں صدی عیسوی سے شروع ہوئی اور تیرہویں صدی کے آخر تک جاری رہی۔اس تحریک کے زیر اثر قرآن کریم کا بھی پہلا ترجمہ ہوا۔یہ ترجمہ انگریز پادری ہرمین نے 1143ء میں کیا تھا'لیکن کلیسا کے خوف سے وہ اپنے اس کام کو ظاہر نہیں کر سکا اور یہ ترجمہ پہلی بار 1543ء میں منصہ شہود

پر آیا۔

اہالیان اسپین

اسپین کے اصل باشندے اسلامی تہذیب و ثقافت اور علوم و فنون سے مستفید ہونے والے تمام اہل یوروپ کے پیشر و تھے۔ کیونکہ ان کی نظروں کے سامنے ہی اسلامی اندلس کی تہذیب کی ابتدا ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ تہذیب دنیا کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ تہذیب بن گئی تھی، اندلس کے قدیم باشندوں پر اس نو ساختہ وپرداختہ تہذیب کے گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ یہاں کے لوگوں کی ایک بڑی تعداد مسلم تہذیب میں رچ بس گئی۔ انہوں نے عربی زبان سیکھی اور عربی علوم و فنون سے استفادہ کیا۔ بلکہ ان میں سے ایک بڑی تعداد بالخصوص نوجوان اپنی بود و باش اور نشست و برخاست میں پوری طرح سے عربوں کے رنگ میں رنگ گئے۔ عربی زبان وادب میں دلچسپی لینے لگے اور عربی شاعری کے دلدادہ ہوگئے۔ کئی پادریوں اور راہبوں نے اسپین کے عیسائی نوجوانوں کے اس طرز عمل کی تنقید و مذمت بھی کی ہے۔ یہ مستعرب طبقہ استشراقی تاریخ کے اس مرحلے کا ایک اہم حصہ ہے۔

1.3.2 دوسرا مرحلہ

یہ مرحلہ اپنے نتائج و آثار کے اعتبار سے سب سے اہم مرحلہ ہے۔ جس کا آغاز صلیبی جنگوں کے بعد ہوتا ہے۔ استشراق کے اس مرحلے پر صلیبی جنگوں کی ہزیمت نے گہرا اثر ڈالا۔ مغرب نے اس عسکری ہزیمت کے بعد فکری حملوں کی تیاری شروع کردی۔ لہذا استشراق کا کردار بے حد اہم ہوگیا اور اسے غیر معمولی اہمیت حاصل ہوگئی۔ مغرب اپنے جن مقاصد کو اسلحوں اور جانبازوں کے ذریعہ حاصل نہیں کرسکا اسے حاصل کرنے کے لیے استشراق کا استعمال کیا اور اس امر کی تائید آٹھویں صلیبی حملے کے قائد شہنشاہ فرانس کی اس وصیت سے ہوتی ہے جس میں اس نے اپنی قوم اور تمام اہل مغرب کو مخاطب کر کے کہا ہے کہ فکر و نظر کے میدان میں مسلمانوں کو شکست دیے بغیر انہیں جنگ و جدل کے میدانوں میں شکست نہیں دی جاسکتی ہے جس کی طرف پہلے بھی اشارہ کیا گیا۔

استشراقی تاریخ کے اس مرحلے کی ایک بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں یوروپ کے اکثر ملکوں میں عربی تعلیم کے مراکز کھولے گئے۔ چنانچہ 1311ء میں پوپ کلیمنٹ پنجم (Clement V) کی قیادت میں ویانا میں ہونے والی کانفرنس میں یہ قرارداد پاس ہوئی کہ پیرس، آکسفورڈ اور دوسرے یوروپین شہروں میں عربی زبان کی تدریس کا انتظام کیا جائے چنانچہ اس کے بموجب یوروپ کے کئی تعلیمی اداروں میں عربی زبان کی چیئرز قائم کی گئیں۔ اس مرحلے میں ان لاطینی کتابوں کی مقبولیت میں اضافہ ہوا جو پچھلے مرحلے میں عربی سے ترجمہ کی گئی تھیں۔ اور عربی زبان سے ترجمے کی تحریک نے مزید زور پکڑا۔ اسلام اور عرب کی مخالفت میں مزید شدت پیدا ہوئی۔

اس مرحلے میں عربی سے ترجمہ کی گئی کئی کتابیں یوروپی جامعات میں مصادر و مراجع کی حیثیت سے داخل ہوئیں۔ اس مرحلے کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اہل مغرب نے اس مرحلے میں مسلمانوں کی علمی اور ثقافتی میراث میں دلچسپی لینا شروع کیا۔

1.3.3 تیسرا مرحلہ

یہ مرحلہ اٹھارویں صدی سے شروع ہوا۔اور یہ مرحلہ عملی تنظیم سے عبارت ہے۔ گزشتہ دو مرحلوں میں استشراق پوری طرح سے کلیسا کی گود میں تھا لیکن اس مرحلے میں یہ کلیسا سے نکل کر نو آبادیاتی طاقتوں کے زیر سرپرستی آگیا۔اور اس مرحلے کے استشراق کی سب سے نمایاں خصوصیت یہی ہے۔اس مرحلے کی ابتداء میں مغرب نے مشرق پر اپنے قبضہً واقتدار کا پروگرام بنایا اور اسے عملی جامہ پہنانے کے لیے استشراقی مطالعات سے خوب خوب استفادہ کیا۔اس مرحلے میں نسل پرستی پر مبنی نظریات وافکار نے بھی عروج پایا۔اور ان میں سب سے مشہور نظریہ مستشرق رینان (Renan)کا تھا۔ رینان کا پورا نام (Joseph Ernest Renan) تھا۔ یہ فرانسیسی نژاد مستشرق 1823ء میں پیدا ہوا۔اور 1892ء میں اس کی وفات ہوئی۔اس کے اس نسل پرستانہ نظریہ کا خلاصہ یہ تھا کہ نسلی خصوصیات طبعی اور حتمی ہوتی ہیں اور آرین نسل سب سے برتر نسل ہے۔ سفید فام کو سیاہ فام اور رنگ دار نسلوں پر فطری تفوق و برتری حاصل ہے۔اس نظریے کے لیے اس کی تنقید بھی ہوئی اور نو آبادیاتی نظام کو اس سے تقویت بھی حاصل ہوئی۔

اس مرحلے کی ایک نمایاں بات یہ بھی ہے کہ اس میں استشراق منظم ہوا۔ چنانچہ مختلف استشراقی اداروں اور تعلیمی مراکز سے استشراقی جرنل اور میگزین نکلنے لگے۔اس مرحلے میں مشرق کے علمی خزانوں اور تہذیبی سرمایوں کی یورپ منتقلی بھی عمل میں آئی۔ یہ سرمایہ بیش قیمتی مخطوطات، دستاویزات، اور دستکاری اور ہنر مندی کے نمونوں کی شکل میں تھا یہ سرمایہ مختلف طریقوں اور وسیلوں سے مغرب کے عوامی اور ذاتی کتب خانوں اور عجائب گھروں کی زینت بن گیا۔اس کے وسائل میں تحفہ، خریداری، چوری، لوٹ کھسوٹ، رشوت اور بلیک میلنگ سبھی شامل تھے۔ مشرق کی یہ علمی و فکری میراث جس بھی صورت میں یوروپ منتقل ہوئی اس نے استشراقی حرکت و نشاط میں غیر معمولی اضافہ کر دیا۔اور اس سرمائے کی منتقلی کے بعد یوروپ میں مشرق کے ماہرین کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہوا۔

اس مرحلے کی ایک بنیادی خصوصیت یہ بھی رہی کہ اس میں پہلی بار استشراقی کانفرنس منعقد ہوئی۔ یہ کانفرنس پیرس میں 1783ء میں ہوئی جس کے بعد استشراقی کانفرنسوں کا ایک سلسلہ چل پڑا۔

اس مرحلے میں استشراق کی تاریخ میں پہلی بار دائرۃ المعارف اور موسوعی نوعیت کی کتابیں ظہور میں آئیں جن میں مشرقی تہذیب و ثقافت کا مختلف گوشوں سے تفصیلی جائزہ لیا گیا۔اس مرحلے میں استشراقی ادب میں ایک بڑی تبدیلی یہ آئی کہ اس میں راست حملوں کا طریقہ چھوڑ کر خفیہ اور غیر ظاہر راستے اختیار کیے گئے جس سے بعض لوگوں کو یہ گماں ہوا کہ استشراق اس مرحلے میں موضوعی اور غیر جانبدار ہو گیا۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ کلیسا کے اقتدار سے نکلنے کے بعد اس میں کسی قدر توازن پیدا ہو گیا لیکن صدیوں کی تعلیمات، مشرق کے بارے میں بالواسطہ معلومات اور نسل پرستی کے نظریات و مذہبی جذبات سے متاثر استشراقی ذہن پوری طرح سے غیر جانبدار ہرگز نہیں رہا، البتہ مستثنیات ضرور ہیں اور ان مستثنیات کو بھی اس مرحلے کی خصوصیت قرار دیا جا سکتا ہے۔

1.3.4 چوتھا مرحلہ

یہ مرحلہ پہلی جنگ عظیم کے خاتمے سے (1918ء) سویت یونین کے سقوط (1991)ء تک پر مشتمل ہے۔اس مرحلے کی دو

عظیم جنگوں کے اثرات نے یوروپ کے سیاسی و اقتصادی ڈھانچے کو یکسر بدل ڈالا اور مغربی نو آبادیات کا خاتمہ بھی اسی مرحلے میں ہوا جس کے سبب استشراق میں بھی بڑی تبدیلیاں آئیں۔ اس مرحلے میں استشراق استعماری ایوانوں سے نکل کر مشرقی ملکوں میں قائم مغربی سفارت خانوں میں منتقل ہو گیا۔ بعض ملکوں میں یہ سفارت خانے اس قدر طاقتور تھے جو عصر استعمار کی ریزیڈنسیوں کی یاد دلاتے تھے اور ان ملکوں میں ہونے والی دہشت گردیوں، خونریزیوں اور انقلابات میں شامل رہتے تھے۔

اس مرحلے میں گزشتہ مرحلے کی سرگرمیوں میں اضافہ ہوا، کانفرنسوں اور جرنلز کی تعداد میں اضافہ ہوا، البتہ موسوعاتی نوعیت کے ضخیم اعمال میں گراوٹ آئی۔ اس مرحلے میں ہمیں مستشرقین کی صفوں میں وہ افراد نہیں ملتے ہیں جنہوں نے بحث و تحقیق اور تصنیف و تالیف کے لیے اپنی عمریں وقف کر دیں۔ اور غالباً یہ تبدیلی زندگی کا طور طریقہ بدلنے کے سبب ہوئی نہ کہ کسی بے توجہی کے سبب۔ اس مرحلے کی ایک بڑی خاص بات یہ ہے کہ اس مرحلے میں استشراقی سرگرمیوں میں صیہونیت کی شمولیت ہوئی ۔ اس ضمن میں برنارڈ لویس (Bernard Lewis) اور مردخای کیدار (Mordecchai Kedar) وغیرہ کے نام پیش کیے جا سکتے ہیں۔

بیسویں صدی کے استشراق کی ایک اور بڑی خصوصیت امریکی استشراق کا ظہور ہے بلکہ دوسری جنگ عظیم کے بعد استشراقی محور یورپ سے امریکہ منتقل ہو گیا اور ہارورڈ یونیورسٹی استشراقی عمل کا سب سے بڑا مرکز بن گئی۔ امریکہ کی متعدد یونیورسٹیوں جیسے پرنسٹن، کولمبیا، پنسلوانیا، بوسٹن اور شکاگو وغیرہ میں استشراقی مطالعات کے سینٹرز قائم ہیں۔

اس مرحلے کی ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ 1973ء میں پیرس میں منعقد استشراقی کانفرنس میں استشراق کے خاتمے کا اعلان کر دیا گیا، اور استشراقی مطالعات کو انسانی علوم و معارف کے زمرے میں داخل کر دیا گیا۔ جب کہ حقیقت صرف اتنی ہے کہ اس اعلان کے ذریعہ لفظ استشراق کے ساتھ وابستہ ظلم و زیادتی، مکر و فریب اور نسل پرستی و فرقہ واریت کے تصورات سے پیچھا چھڑانے کی ایک کوشش تھی تاکہ مستشرقین کے اعمال کی مصداقیت اور اعتباریت کو بحال کیا جا سکے۔ چنانچہ اب استشراقی کانفرنس ایشیا و افریقہ سے متعلق انسانی مطالعاتی عالمی کانفرنس کے نام سے منعقد ہو رہی ہے۔ 1998ء میں یہ کانفرنس ہنگری کی دارالحکومت بوڈاپسٹ اور 2000ء میں کینڈا کے شہر مونٹریال میں منعقد ہوئی۔

اس مرحلے کے اہم مستشرقین میں بعض نام مندرجہ ذیل ہیں:

فرانسیسی مستشرقین لویس ماسینیون متوفی1962 (Massignon L.) ، لیوی پروونسل متوفی (Levi Provencal)، ریجس بلاشیر متوفی 1973 (Blachere R.)، کلودھین متوفی1991 (Cahen Cl) ، مونٹگومری واٹ متوفی2006 (Montegomerry Watt) ، مرگلیوتھ متوفی1940 (Margoleonth D.S) ، رینالڈ نکولسن متوفی1945 (Nicholson R.A)، کرنکوف متوفی1953 (Krenkow Fr.) ، آرتھر آربری متوفی (Arthur Arberry) 1969، ہملٹن جب متوفی 1971، اور برنارڈ لیس (Bernard Lewis)، وغیرہ

برطانوی مستشرقین، کارل بروکلمان متوفی 1956 (Carl Brockelmann) اور جوزف شاخت متوفی 1969

وغیرہ

جرمن مستشرقین۔ جویدی میکلانجلو متوفی 1956 (Geudi Michelangelo)اور فرانسیسکو جابریلی متوفی 1997 (Gabrieli Francesco)وغیرہ اطالوی مستشرقین،روس کے مستشرق کراچکوو سکی متوفی (Kratchkoviski) 1951 ، ہنگری کے عبدالکریم جرمانوس متوفی 1979ء (Germanus J.) ، اور ہالینڈ کے ارنٹ ونسنک متوفی (Arnet Wensink) 1939۔

1.3.5 پانچواں مرحلہ

اس مرحلہ کا آغاز سوویت یونین کے سقوط سے ہوتا ہے اور تادم تحریر جاری ہے۔اس مرحلے کی سب سے نمایاں خصوصیت دنیا کا ایک قطبی ہونا ہے۔استشراق بھی اس تبدیلی سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہا ہے۔اور اس کا مرکز ثقل پوری طرح سے امریکہ منتقل ہو گیا۔فکری طور پر اس مرحلے کی ابتداء تہذیبوں کے تصادم کے نظریے سے ہوئی جسے صمویل ہنٹنگٹن (Samuel Hungtington) نے 1992ءمیں پیش کیا اور 1996ء میں اسے ''تہذیبوں کا تصادم اور عالمی نظام کی تشکیل نو (The Clash of Civilization and the Remaking of New World order)'' کے نام سے پیش کیا، جس کا خلاصہ ہے کہ مستقبل میں انسانی ٹکراؤ آئیڈیالوجی پر مبنی یا اقتصادی نوعیت کے نہیں ہوں گے بلکہ تہذیبی بنیادوں پر ہوں گے۔اسلام اور مغرب کے درمیان تہذیبی ٹکراؤ شروع ہو چکا ہے۔جو مشترک دشمن ''اشتراکیت'' کے خاتمے کے بعد باہمی ٹکراؤ کی شکل میں ظاہر ہوا ہے۔اس نظریہ کا بنیادی مقصد مغرب کی بالا دستی کو برقرار رکھنا ہے اور ''اسلامی خطرہ'' کے حوالے سے بے محابا فوجی خرچ اور تجربات کو جواز فراہم کرنا ہے۔بلاشبہ اس نظریہ نے دنیا میں عداوت کی فضا ساز گاری اور مختلف مذاہب کے پیروکاروں کے درمیان خلیج کو وسیع کیا۔صمویل کو بطور مستشرق نہیں جانا جاتا لیکن چونکہ اس کا اصلی ہدف اسلام اور مسلمان ہیں اور اس کا تمام فکری وعلمی مواد استشراق کا فراہم کردہ ہے لہذا اس عمل کو بھی استشراق کی توسیع ہی مانا جارہا ہے۔

استشراق کا یہ مرحلہ عالمگیریت (Globalization) کا ہے اور مادیت کے ساتھ ساتھ عالم فکر و نظر بھی اس کی زد پر ہے۔ اب استشراق اصرافیت ' (Consumerism) تغریب (Westernization) کے لیے کام کرتا ہے اور فکری و اقتصادی استعمار کی خدمت میں مصروف عمل ہے جسے نو استعماریت (New Colonialism) کہا جاتا ہے۔سویس مستشرق پادری ہانس کنج (Hans Kung) نے عالمگیریت کے اس عہد کے لیے ایک عالمگیر ضابطہ اخلاق کی فکر پیش کی ہے جس کے ذریعہ تہذیبوں کے اس نام نہاد تصادم سے بچا جا سکتا ہے اور دنیا میں امن قائم کیا جا سکتا ہے۔اس عالمگیری ضابطہ اخلاق کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا میں اس وقت تک امن ممکن نہیں ہے جب تک کہ مذاہب کے درمیان امن قائم نہ ہو اور مذاہب کے درمیان گفت وشنید کے بغیر امن قائم نہیں ہو سکتا ہے اور کوئی گفت وشنید نتیجہ خیز اور ثمر بار نہیں ہو سکتی جب تک مشترکہ اخلاقی معیار اور ضابطے قائم نہ کیے جائیں۔اس ضمن میں ہانس نے دنیا کے تمام مذاہب سے مشترکہ اخلاقی قدریں جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔

اس مرحلے میں یورپ وامریکہ میں بسنے والی مسلم اقلیات کا مطالعہ استشراقی مطالعے کے جدید محور کے طور پر ابھر کر آیا ہے۔ اور اس کا چلن تیزی سے سامنے آیا ہے۔ اس مرحلے کی ایک نمایاں بات یہ ہے کہ اس میں علاقائیت پر مبنی استشراقی (اجتماعی) مطالعات کا ظہور ہوا ہے۔ مثلاً کوئی ایک مستشرق اسلامی یا مشرقی ملکوں میں کسی ایک ملک کا ہمہ جہتی مطالعہ کرتا ہے۔

عالمگیریت اور اصرافیت کے عہد میں بین الاقوامی کمپنیاں استشراقی مطالعات اور خود مستشرقین کا استعمال کر رہی ہیں جیسا کہ سو سال پہلے استعماری قوتوں نے کیا تھا۔ اس مرحلے میں استشراق الکٹرانک میڈیا کی طرف متوجہ ہوا ہے چنانچہ بہت سے مستشرقین اب یوروپ اور امریکہ میں بڑے بڑے میڈیا ہاؤسز سے وابستہ ہوگئے ہیں اور بطور پروگرامرز اور اینکرز کام کر رہے ہیں۔ استشراقی رنگ و آہنگ رکھنے والے ٹی وی سیریلیوں، پروگراموں اور فلموں کی ایک طویل فہرست پیش کی جاسکتی ہے۔

اس مرحلے کے استشراق میں گہرائی و گیرائی کے بجائے سطحیت، سنجیدہ بحثوں کے بجائے اکسانے والے بیانات، ریسرچ و تحقیق کے بجائے کذب و افترائ، علمی اعتراضات کے بجائے اہانت آمیز الزامات اور علمیت کے بجائے پروپیگنڈوں پر اعتماد وغیرہ عام طور پر ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ خصوصاً اسلام کے خلاف توہین آمیز مقالوں اور کتابچوں کی بھرمار ہوگئی ہے۔ اس ضمن میں کریگ ون (Craig Wonn) کی کتاب بربادی کا نبی (Prophet of Doom) اور کریسنٹ مون پبلشنگ سے شائع ہونے والے کتابچے ''محمد' مانو ورنہ!'' اور بے شمار مولفوٴں کو پیش کیا جاسکتا ہے۔

1.4 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے :

- استشراق کا لغوی معنی مشرق کی طلب ہے، اصطلاح میں اہل مغرب کی جانب سے مشرقی زبان وادب، تہذیب وثقافت اور مذہب و فلسفہ کے مطالعات کو استشراق کہتے ہیں۔
- استشراق کے آغاز وارتقاء کے بارے میں ماہرین کی آراء مختلف ہیں کوئی اس کے آغاز کو انسان کے ابتدائی تہذیبی عہد سے بتاتا ہے، تو کوئی اس کے آغاز کو اسلام کے آغاز سے مربوط کرتا ہے۔ کسی کے نزدیک استشراق کی شروعات اسپین میں اسلامی حکومت کے قیام سے ہوئی تو کوئی اسے صلیبی جنگوں کے نتیجے میں پیدا ہونے والی تحریک سمجھتا ہے۔ عام رائے یہی ہے کہ مسلمانوں کے ذریعے اندلس کی فتح نے اہل مغرب پر مشرق کے دروازے کھولے، اور اسی کے بعد سے استشراقی تحریک کا آغاز ہوا۔
- علم استشراق کے کئی تاریخی مراحل ہیں اور ہر مرحلے کا استشراق الگ الگ خصوصیات کا حامل ہے۔

1.5 نمونہ امتحانی سوالات

1.5.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. استشراق کے لفظی معنی کیا ہیں؟ ---
2. مستشرقین نے مشرق کو کتنے حصوں میں تقسیم کیا ہے؟ ---
3. کسی دو فرانسیسی مستشرقین کے نام تحریر کیجیے؟ ---
4. "استشراق، مشرق پر تسلط پانے اور اس پر اقتدار حاصل کرنے کے مغربی اسلوب کا نام ہے۔" یہ کس مستشرق کا قول ہے؟

----

5. قرآن کا پہلا ترجمہ کس مستشرق نے کیا تھا؟ ---

1.5.2 مختصر جواب کے حامل سوالات

1. استشراق کے لفظی معنی اور اس کے مفہوم کو بیان کیجئے۔
2. استشراق کے آغاز وارتقاء پر ایک تجزیاتی نوٹ قلمبند کیجیے۔
3. مغرب کے اندلس اسفار پر ایک نوٹ تحریر کیجیے۔
4. استشراق کے دوسرے مرحلے کی امتیازی خصوصیات بیان کیجئے۔
5. تحریک استشراق کے تحریک ترجمہ کی اہمیت پر ایک نوٹ قلمبند کیجیے۔

1.5.3 طویل جواب کے حامل سوالات

1. استشراق کے مفہوم کو واضح کیجئے اور اس کی لفظی و مختلف اصطلاحی تعریفات تحریر کیجیے۔
2. استشراق کے آغاز وارتقا پر ایک جامع نوٹ قلمبند کیجیے۔
3. استشراق کی تاریخ پر ایک جامع نوٹ تحریر کیجئے اور اس کے مختلف ادوار کا جائزہ لیجئے۔

1.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. Edward Said, Orientalism, London: Penguin, 1977.
2. موسوعۃ المستشرقین عبدالرحمان بدوی، دارالعلم للملائین بیروت، بار سوم 1993ء
3. ظاہرۃ الاستشراق وموقف بعض المستشرین منہا کلیۃ الدعوۃ الاسلامیۃ، طرابلس، لیبیا
4. اسلام اور مستشرقین دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ

اکائی 2: استشراق کے اغراض و مقاصد

اکائی کے اجزا:

2.0 تمہید

2.1 مقاصد

2.2 اغراض و مقاصد

2.3 دینی مقاصد

2.4 سیاسی و استعماری مقاصد

2.5 معاشی مقاصد

2.6 علمی مقاصد

2.7 طبعی مقاصد

2.8 مستشرقین کی قسمیں

2.9 اکتسابی نتائج

2.10 نمونہ امتحانی سوالات

2.10.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

2.10.2 مختصر جواب کے حامل سوالات

2.10.3 طویل جواب کے حامل سوالات

2.11 تجویز کردہ اکتسابی مواد

2.0 تمہید

استشراق کا تعارف آپ پچھلی اکائی میں پڑھ چکے ہیں کہ استشراق عربی زبان کے لفظ ''شرق'' سے مشتق اور ماخوذ ہے جس کا مطلب

ہے وہ سمت جہاں سے سورج طلوع ہوتا ہے۔ اصطلاحاً اہل مغرب کی جانب سے مشرقی زبان وادب، تہذیب وثقافت اور مذہب و فلسفہ کے مطالعات استشراق کہلاتے ہیں۔ یہ علم اپنے ارتقا کے دوران کئی مراحل سے گذرا اور ہر مرحلے کا استشراق الگ الگ خصوصیات کا حامل ہے اور ہر دور میں اس کے اغراض ومقاصد بدلتے رہے۔ اس اکائی میں ہم استشراق کے مختلف مقاصد کا تفصیلی جائزہ لیں گے اور مستشرقین کی اقسام پر بھی مختصر گفتگو کریں گے۔

2.1 مقاصد

یہ اکائی کا مقصد یہ ہے کہ آپ استشراق کے محرکات ومقاصد کا تنقیدی مطالعہ کر سکیں اور ان کے اغراض واہداف پر گفتگو کر سکیں۔ اسی طرح اپنے کام کے اعتبار سے مستشرقین کی اقسام سے بھی واقف ہو سکیں گے۔

2.2 اغراض ومقاصد

اس تحریک کا آغاز دراصل ظہور اسلام کے ساتھ ہی ہو گیا تھا اور باقاعدہ ایک تحریک کی شکل اختیار کرنے سے پہلے بھی، اہل مغرب کی طرف سے، اسلام کے خلاف بالعموم اور پیغمبرِ اسلام کے خلاف بالخصوص، بغض وعداوت کا اظہار موقع بہ موقع مختلف ادوار میں ہوتا رہا ہے، اور وفور جذبات سے سرشار، رومی، بازنطینی، لاطینی، مسیحی اور یہودی روایتیں صدیوں سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی رہیں، افواہوں کے دوش پر سفر کرتی رہیں، اور کبھی کبھار تحریر وتصنیف اور وقائع واسفار کے قالب میں ڈھلتی رہیں اور ان کی اپنی آئندہ نسلوں کے لیے قابل فخر بنیں۔

جیسا کہ ہم نے جانا کہ استشراق کا لفظ عموماً ان علمی تحقیقات کے لیے ہوتا ہے جو غیر مسلم خاص طور پر مغربی ممالک کے افراد واقوام نے بالعموم مشرقی علوم وتمدن اور بالخصوص اسلامی مذہب، اس کے ماننے والوں کی تاریخ وتہذیب کے بارے میں انجام دیے ہیں اور کتابیں تالیف کی ہیں۔

مستشرقین کے طریقہ تحقیق اور ان کے محرکات ومقاصد کے ضمن میں چند نکات بیان کیے جاتے ہیں:

- اپنے قوم ومذہب اور افکار ونظریات کو دوسری قوموں اور مذاہب سے بالا تصور کرنا۔
- دوسری اقوام اور ان کے مذاہب، تہذیب وتمدن کو حقیر جاننا اور ایک جامد شئے تصور کرتے ہوئے تحقیق کرنا۔
- تحقیقی کام کو اصل تحقیقی مقاصد سے ہٹ کر مذہبی، سیاسی، ومعاشی مقاصد کے لیے استعمال کرنا۔
- پہلے سے نتیجہ اخذ ومتعین کر کے تحقیق کو اس انداز میں پیش کرنا کہ وہی نتیجہ نکل کر سامنے آئے۔

مثال کے طور پر اگر استعماری دور سے پہلے اور بعد کے استشراقی لٹریچر کو دیکھا جائے تو اسلام اور مسلمانوں کی دو بہت مختلف تصویریں نظر آتی ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ مستشرقین کے مختلف اغراض ومقاصد ہیں جو وقت کے ساتھ ساتھ تبدیل بھی ہوتے رہے۔ ان اغراض ومقاصد کو حاصل کرنے کے لیے اکثر مستشرقین نے عمداً یا سہواً علمی کوتاہیاں کی ہیں۔

آپ کو یہ جان کر حیرت ہو گی کہ مستشرقین کے علمی مصادر، اس تحریک کے آغاز اور اہداف و مقاصد کے متعلق واضح الفاظ میں کچھ بھی نہیں کہتے۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح مستشرقین اپنے مقاصد کو پوشیدہ رکھنے کی حکمتِ عملی پر کاربند ہیں اسی طرح وہ اپنے نام کی بھی تشہیر نہیں چاہتے۔ جیسا کہ آپ نے پچھلی اکائی میں پڑھا کہ یہ تحریک صدیوں مصروفِ عمل رہی لیکن ایک مدت تک اس تحریک کا کوئی باضابطہ نام نہ تھا۔

برطانوی مستشرق آربری کے مطابق ''Orientalist کا لفظ پہلی مرتبہ 1630ء میں مشرقی یا یونانی کلیسا کے ایک پادری کے لیے استعمال ہوا''۔

ایک اور مستشرق روڈنسن نے بیان کیا کہ ''Orientalism یعنی استشراق کا لفظ انگریزی زبان میں 1779ء میں داخل ہوا اور فرانس کے کلاسیکی لغت میں اس کا اندارج 1838ء میں ہوا حالانکہ عملی طور پر تحریکِ استشراق اس سے کئی صدیاں پہلے وجود میں آچکی تھی اور پورے زور و شور سے مصروفِ عمل تھی''

استشراق کی تحریک کو اٹھارویں صدی عیسوی میں کافی شہرت اور مقبولیت حاصل ہوگئی۔ اس شہرت کی وجہ وہ تحقیقی مطالعات تھے جو قرآن اور حدیث دینِ اسلام کے دو بنیادی ماخذ پر مبنی تھے اور مختلف کتابوں، رسالوں اور انسائکلوپیڈیا میں ان مغربی محققین نے پیش کیے تھے۔
جب یہ کتب مسلم دنیا کی دسترس میں پہنچیں تو بعض اسباب کی بنا پر مستشرقین کی ان تحقیقات نے مسلم مفکرین کی توجہ حاصل کر لی۔ اس وقت کے پس منظر میں اگر ہم دیکھیں تو ہمیں یہ ادراک ہو گا کہ مسلم دنیا کا عصر جدید کا طبقہ تہذیبی پس منظر اور فکری رجحانات کے لحاظ سے یکساں نہ تھا۔ اس لیے ان تحقیقات کے بارے میں ملے جلے تاثرات سامنے آئے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے تو مسلمانوں کو اس بات کا اشتیاق ہوا کہ وہ اسلام، پیغمبر اسلام، قرآن اور حدیث کے متعلق مستشرقین کے افکار سے واقف ہو سکیں اور ان میں اکثر ان کے اسلوب تحقیق، طرز استدلال اور پیشہ وارانہ انداز میں کیے گئے کام سے نہایت متاثر ہوئے اور وہ ان کے معتقد ہو گئے اور ان کے ہر کاوش کو صحیح سمجھا اور درست مانا۔ جبکہ دینی حلقوں اور دین اسلام سے واقف علماء نے دفاعی اسٹینڈ لیا اور مستشرقین کے کاموں میں کی گئی تحریفات و اغلاط کی تردید اور علم و تحقیق پر سیاسی اور استعماری مقاصد کی نشاندہی کی اور اسلام و پیغمبر اسلام کی شبیہ کو پہنچائے جانے والے مضرات کو واضح کیا اور اس کے جواب دینے کی کوشش کی۔

اکثر مفکرین اور علما کی تحقیق کے مطابق تحریکِ استشراق کے معرضِ وجود میں آنے کا سب سے بنیادی محرک دینی تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ سیاسی اور اقتصادی محرکات بھی کسی نہ کسی طریقہ سے شامل رہے ہیں۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی نے اس کے چار محرکات کا تذکرہ کیا ہے:

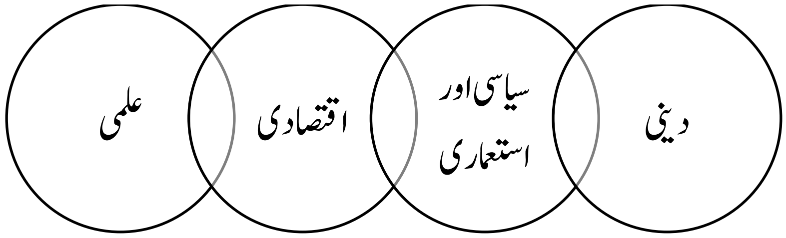

تاریخی طور پر ہم دیکھتے ہیں کہ استشراقی اغراض اس کے ساتھ کام کرنے والی اور اسے تعاون دینے والی قوتوں کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ مثلاً عیسائی مشنری کی غرض اسلام کی نشر و اشاعت کو روکنا ہے تاکہ وہ نصرانیت کے مد مقابل نہ آسکے۔ استعماری قوتوں کا ہدف اسلامی صفوں میں انتشار برپا کرنا ہے تاکہ ان کا اتحاد استعمار کے غلبہ واقتدار کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکے۔ صیہونیت کا مقصد اعلیٰ بھی عرب اور اسلامی وحدت کی بیخ کنی ہے۔ تاکہ امت مسلمہ اپنے افتراق اور شکست خوردگی کے احساس کے ساتھ اس کا مقابلہ نہ کرسکے۔

ان چار بنیادی مقاصد کے علاوہ بھی محققین نے دیگر ذیلی مقاصد بھی ذکر کیے ہیں، تاہم ہم یہاں ان چار بنیادی اہداف واغراض کے بارے میں تفصیل سے جانیں گے۔

ہم یہاں استشراق اور مستشرقین کے اغراض و مقاصد کا تفصیلی مطالعہ کریں گے۔

2.3 دینی مقاصد

استشراق کی تحریک کا آغاز وارتقاء کا بنیادی اور پہلا مقصد دینی تھا۔ اسلام کی آمد سے قبل یہودیت اور عیسائیت دنیا کے مشہور ترین مذاہب تھے۔ ان دونوں مذاہب میں بھی عیسائی مذہب سب سے جدید اور عوام میں مقبول عام تھا۔ ساتویں صدی عیسوی میں اسلام کی آمد کے کچھ ہی عرصے میں اس کی شہرت اور قبولیت عام کی بنا پر یہودی اور عیسائی خطرہ محسوس کرنے لگے اور انہوں نے اسلام پر اعتراضات شروع کیے۔ اس ضمن میں انہوں نے جن پہلوؤں کو مد نظر رکھا وہ یہ ہیں:

* اسلام کی تعلیمات اور تصویر کو مسخ کرنا
* عیسائیت کی تبلیغ واشاعت
* اسلام کے غلبے کا خوف
* اصلاح مذہب عیسائیت

اسلام کی تعلیمات اور تصویر کو مسخ کرنا

آپ نے پچھلی اکائی میں پڑھا کہ چھٹی صدی عیسوی تک اسلام اور مسلمانوں سے اہل مغرب کو کوئی مطلب نہ تھا۔ ان کے اسفار زیادہ تر تجارتی ہوتے تھے۔ ساتویں صدی کے آغاز سے مستشرقین کی اسلام دشمنی کا آغاز ہوتا ہے۔ دین اسلام جب اندلس پھر فرانس تک پہنچا تو یورپ کے اہل کلیسہ بھی اس میں شامل ہوگئے اور انہوں نے بھی اسلام پر اعتراضات شروع کیے۔

تاریخ میں اس سلسلے کا سب سے پہلا نام یوحنا دمشقی (749-675John of Damascus) کا آتا ہے جس نے اسلام کو دقیانوسی (Paganist) مذہب قرار دیا اور اسلام کی مخالفت میں دو کتابیں (محاورة مع المسلم، ارشادات النصارى في جدل

المسلمین) لکھیں جس میں یہ بات کہی کہ مسلمان کعبہ کی عبادت کرتے ہیں۔ جبکہ اسلام کی تعلیمات اس کے یکسر الٹ تھیں اور سوائے ایک اللہ کے کسی اور کی عبادت کی دعوت نہیں دیتا تھا۔

اسلام کی کامیابی اور مسلمانوں کی ترقی کے ساتھ ساتھ یہ سلسلہ دراز ہوتا گیا۔ایک پادری تھیوفانس بزانسی نے نبی ﷺ کی شخصیت پر کتاب لکھی، جس میں اس نے نبی محمد ﷺ کی نبوت کا سرے سے انکار کیا اور وہ کہتا ہے کہ محمد پیغمبر نہیں تھے بلکہ اسلام کی تعلیمات دراصل انہوں نے شام کے عیسائی اور یہودی علما سے حاصل کرکے لوگوں میں پھیلائیں ہیں۔آگے چل کر مستشرقین نے ان ہی کتابوں پر اپنی تحقیقات کی بنیاد رکھی جس کی بناپر اسلام کی منفی منظر کشی اور نبی ﷺ کی ذات قرآن وحی جیسے موضوعات پر تحریفات اور غلط تاویلات سے اسلام کی اصل شبیہ کو دھندلانے کی کوشش کی۔

یہودیوں اور عیسائیوں نے اپنے ہم مذہب لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے روکنے کے لیے پادریوں کی تربیت کی اور کتابوں کو جمع کر ایسے مسائل کو فروغ دیا جس میں اختلاف تھا یا پھر بدلتے وقت کے ساتھ ان کی اقدار بدلتی رہیں۔ جیسے کہ تعدد ازواج، طلاق، نبی ﷺ کی ازواج، غلامی، جہاد وغیرہ۔اس کے ذریعہ سے وہ یہ ثابت کرتے رہے کہ مسلمان ایک وحشی قوم ہے جس میں صرف جسمانی، نفسانی خواہشات پر توجہ دی جاتی ہے۔اور اس کا کوئی روحانی اور اخلاقی نظام نہیں ہے۔

دوسری طرف نزول قرآن اور تدوین قرآن، اقسام وحی، تدوین حدیث سیرت نبی ﷺ اور صحابہ کے بارے میں من گھڑت تاویلات کیں۔ان پر باضابطہ کتابیں تالیف کی گئیں۔مثال کے طور پر فرانسیسی مستشرق کارادووو(Carra de vaux)نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ ایک طویل عرصے تک محمد(ﷺ) مغرب میں بدنام رہے، اور جو بھی بے سروپا حکایت یا برائی ملتی لوگ اسے ان کی طرف منسوب کر دیتے'۔

روڈی پارٹ نے اپنی کتاب میں اس بات کا بھی اعتراف کیا ہے کہ ازمنہ وسطی(Middle Ages)میں عیسائیوں کی ایک بڑی تعداد علوم اسلامیہ کی طرف اس لیے متوجہ ہوئی کہ دین اسلام اور پیغمبر اسلام کی شخصیت کو مسخ کرسکے، کیوں کہ ان کا یہ ذہن بن چکا ہوا تھا کہ جو دین بھی مسیحیت کے خلاف ہے اس میں کوئی خیر نہیں ہو سکتی۔

اس طرح کے استشراقی کام کا تفصیلی ذکر آپ آگے کی اکائیوں میں پڑھیں گے۔

عیسائیت کی تبلیغ واشاعت

اسلام کی مخالفت کا بنیادی مقصد عیسائی مذہب کو کو واحد صحیح دین قرار دینا بھی تھا۔استشراق کی تاریخ میں آپ کو ایسے حضرات نظر آئیں گے جو مذہب عیسائیت کے مشہور مبلغ رہے ہیں۔مثال کے طور پر تحریک استشراق کا ہراول دستہ پادریوں، راہبوں اور دینی شخصیات سے ہی تشکیل پذیر ہوا ہے۔ جیسے یوحنا دمشقی(متوفی749ء)، پیٹر محترم(متوفی 1156ء) پادری جربرٹ(متوفی 1003ء)، پادری جیرارد (متوفی1187ء)، ریکولڈو(متوفی1320ء)اور یوحنا شقوبی(متوفی1456ء)وغیرہ۔

اب دور جدید کے ان مستشرقین کی فہرست پر غور کیجیے جو کلیسا کے تربیت یافتہ راہب ہیں اور نامور مستشرق ہیں۔

پوپ ایو جی (1895)، پوپ کوش (1895)، پوپ مارٹن (1881)، پوپ جولیان (1911) وغیرہ یہ فہرست بہت طویل ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے 'مستشرقین اور تحقیقات اسلامی'۔

یہ سب مبلغ (Missionary) اور پوپ ہیں کلیسا کی تنخواہ پر کس مقصد سے اسلام کی تحقیقات کسی خاص مقصد اور جذبے کے تحت ہی ممکن ہے۔

یوروپ میں مشرقی مطالعات کے بیشتر مراکز وادارے راہبوں اور پادریوں کی کوشش سے قائم ہوئے جیسے: پیرس کا مشرقی زبانوں کی تدریس کا ادارہ' جسے پادری ہونوریوس چہارم نے 1285ء میں قائم کیا۔ جامعہ سوربون جسے پادری روبیر ڈی سوربن (Robert De Sorbon) نے 1253ء میں بنایا اور جس کی تعمیر نو کرڈینال ریشلیو (Duc De Recheieu) نے 1626ء میں کی۔ اسپین کا دفتر مترجمین جس کی بنیاد پادری ریمونڈ اول نے 1130ء میں ڈالی تھی اور مشرقی زبانوں اور علوم کے کئی دوسرے ادارے جن کا قیام عیسائی مذہبی رہنماؤں کی کوشش سے عمل میں آیا۔

جرمن مستشرق روڈلف روڈی پارٹ (Rudolf Rudi Paret) کا کہنا ہے کہ معاصر استشراقی جدوجہد کا مقصود دین اسلام کو باطل دین ثابت کرنا اور مسلمانوں کو دین مسیحیت کی طرف راغب کرنا ہے۔

اسلام کے غلبے کا خوف

مغرب میں اسلام کے پھیلاو کو روکنا اور عیسائی دنیا کو مسلمان ہونے سے بچانا بھی تحریک استشراق کے اہم مقاصد میں سے ہے۔ اس مقصد کے تحت مستشرقین کی ایک بڑی تعداد نے اپنی تحقیقات کے ذریعے مسلمانوں اور اسلام کے بارے میں اہل یورپ کے دلوں میں نفرت بغض اور تعصب کو جنم دیا۔

سابقہ برطانوی وزیراعظم اور سیاسی رہنما ولیم گلاڈسٹن (William Ewart Gladstone) نے 1882ء میں کہا کہ جب تک قرآن موجود ہے یورپ کے لیے مشرق کو مغلوب کرنا ممکن نہیں ہے۔ بلکہ قرآن کی موجودگی میں یورپ کے لیے اپنے آپ کو بھی امن میں محسوس کرنا ممکن نہیں ہے۔

الجزائر میں متعین فرانسیسی گورنر کا کہنا تھا کہ ہمارے لیے لازم ہے کہ ہم ان کے وجود سے قرآن کو اکھاڑ پھینکیں اور ان کی زبانوں سے عربی زبان کو اکھیڑ دیں تو اسی صورت میں ہم صحیح معنوں میں ان سے بدلہ لے سکتے ہیں۔ معاصر امریکی مستشرق برنارڈ لیوس اسلام کو اس وقت مغرب اور تہذیب مغرب کے لیے بڑا خطرہ قرار دیتا ہے۔

عیسائی مذہب کی ترویج واشاعت

''استشراق کا سب سے بڑا مقصد مذہب عیسوی کی اشاعت و تبلیغ اور اسلام کی ایسی تصویر پیش کرنا ہے کہ مسیحیت کی برتری اور ترجیح

خود بخود ثابت ہو اور نئے تعلیم یافتہ اصحاب اور نئی نسل کے لیے مسیحیت میں کشش پیدا ہو۔ چنانچہ اکثر استشراق اور تبلیغِ مسیحیت ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔''

مستشرقین اور عیسائی تبلیغی جماعتوں کے باہمی گہرے روابط و تعلقات بھی اس امر کی غمازی کرتے ہیں کہ استشراقی مقاصد میں دینی مقصد کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے لیے ان کے دین و عقائد میں تشکیک پیدا کرنا بھی تحریک استشراق کا ایک مقصد ہے۔ ماہر استشراق محقق عبد الرحمن میدانی کا کہنا ہے کہ یورپ کی اکثر یونیورسٹیوں میں علوم اسلامیہ اور علوم عربیہ کا تعلیمی نصاب، منہج اور طریق تدریس طے کرنے والے متعصب مستشرقین ہوتے ہیں یا تنصیری عیسائی (Evangelist)۔

جرمن مستشرق یوہن فک (Johann Fuck) نے استشراق کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ کوئی علمی تحریک نہیں ہے بلکہ اس کا مقصود اسلام اور مسلمانوں میں عیسائیت کی ترویج ہے۔

اصلاح مذہب عیسائیت (Protestant Reformation)

مسلم مفکر و فلسفی ابن رشد کے فلسفے کے زیر اثر اہل مغرب میں ایک بڑی تعداد مصلحین کی پیدا ہو چکی تھی، جنہوں نے اپنے مذہب کی اصلاح کے لیے مسلمانوں کے علوم و فنون کی طرف توجہ کی۔ ایسے، صلحین کو مسیحی دنیا میں تنقید کا سامنا کرنا پڑا اور انہیں پسندیدہ نظر سے نہیں دیکھا گیا۔ مثال کے طور پر مارٹن لوتھر کنگ (Martin Luther King) پر اہل روم نے یہ تہمت لگائی کہوہ مسیحی دین کو محمدی دین سے تبدیل کرنا چاہتا ہے۔

استشراق کے پیچھے دینی مقصد کی موجودگی کی ایک بڑی دلیل خود مستشرقین کے اپنے کام ہیں جن پر طائرانہ نظر ڈالنے سے بھی یہ حقیقت روز روشن کی طرح آشکارا ہو جاتی ہے کہ استشراق بالخصوص قدیم استشراق پر دینی مقصد غالب تھا۔ اس کے علاوہ کئی ایسے مستشرقین ہیں جنہوں نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ کاروان استشراق میں ان کی شمولیت کے پس پشت دینی عوامل کارفرما تھے۔

دیگر مشرقی ممالک کے مطالعے میں بھی انہوں نے یہی وطیرہ نظر آتا ہے۔ چنانچہ ہندوستانی معارف کے روشن و تابناک پہلوؤں کے بجائے جنسی فلسفوں، انتہا پسندی پر مبنی افکار اور عقلیت سے خالی رسوم پر زیادہ توجہ دی گئی۔

ان کی تحقیق و تعلیم کا مقصد دین اسلام کا منفی تصور پیش کرنا تھا جس سے وجہ مسلمانوں کو گمراہ کر سکیں اور غیر مسلموں کو قبول اسلام سے روک سکیں۔

2.4 سیاسی و استعماری مقاصد

اکثر مفکرین کے نزدیک استعماری عزائم کا آغاز مسلم سیاسی حکومتوں کے عروج سے ہو گیا تھا۔ اہل مغرب اور مستشرقین نے اسی مقصد سے مذہبی عنوان سے شروع کی جانے والی صلیبی جنگوں کا سہارا لیا اور تقریباً تاریخی ریکارڈ کے مطابق دس صلیبی جنگیں (1464–

1099)ہوئیں جو تقریباً چار سو سالوں پر محیط ہیں۔

مغرب اور عیسائی سیاسی طاقتوں کے بغض و عداوت میں شدت اس وقت آئی جب ہلال و صلیب کی دو قوتیں آپس میں ٹکرائیں اور مسلم مملکتوں نے عیسائی حکومتوں ہر مقام پر شکست دی۔اس کے بارے میں محمد حیاۃ ہیکل اپنی کتاب حیاۃ محمد میں لکھتے ہیں:

''پیروان مسیحیت پر اسلام اور مسلمانوں کی یہ ترقی شاق گزری نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام اور مسیحیت کے درمیان شدید اختلافات کی خلیج حائل ہو گئی اور اس نے باقاعدہ ایک کشمکش کی صورت اختیار کر لی''۔

اس کے آگے کے مرحلے میں انہوں نے ایشیا اور یورپ کے (جن میں اکثر مسلم ممالک تھے) مختلف وسائل سے بھرپور علاقوں پر اپنا تسلط قائم کرنا شروع کیا اور وہاں تجارت کے نام سے یا تحقیق کے نام داخل ہوئے اور ان پر اپنا تسلط قائم کرنے کے لیے سفارت خانے بنوائے اور اپنی سوسائٹی اور کالونی بنائی اور رفتہ اس ملک کے سیاسی امور میں مشاورت کے نام سے مداخلت کرنے لگے۔ان علاقوں پر اپنا قبضہ مظبوط کرنے کے لیے وہاں کے مذہب، کلچر،افکار طبعی اور جغرافیائی احوال کا مطالعہ کیا اور ان کے کمزور پہلوؤں کے بل بوتے پر انہیں نشانہ بنایا اور اپنی تہذیب مذہب اور افکار کی بالادستی قائم کرنے کی بھرپور کوشش کی۔

مستشرقین نے خود اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ انہوں نے استعماری قوتوں کے ساتھ مل کر کام کیا بلکہ مستشرق مارٹینی نے تو یہاں تک اعتراف کیا ہے کہ عصر استعمار میں تمام مستشرقین کسی نہ کسی طرح استعمار سے وابستہ تھے۔یہ اعتراف انہوں نے عربی رسالے ''الموقف الادبی'(عدد:122,1981ء) میں کیا ہے، جس سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ استشراقی مطالعے استعماری رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔اور انہیں محوروں کے گرد گھومتے ہیں جن سے استعمار کو قوت وطاقت حاصل ہوتی ہے۔

استشراقی مطالعوں کے نتائج اور مستشرقین کے اسفار کی روداد کو نوآبادکاری قوتوں نے خوب خوب استعمال کیا اور نوآبادیات بنانے اور اسے قائم رکھنے میں ان کا استعمال کیا۔استعماری افسران کے مطابق ایک فرانسیسی مستشرق کانٹ دی ولنی (Count De Vilny) کے سفر نامہ مصر نے ہی نپولین کو مصر پر حملہ کرنے کی ترغیب دی تھی۔ یہ حملہ 1798ء میں ہوا تھا۔ برطانوی جاسوس ہمفر (Hempher)نے اس بات کا اعتراف اپنی کتاب میں کیا ہے۔

معروف برطانوی مستشرق ایڈورڈ لین(Edward Lane)1825ء میں مصر کا دورہ کیا اور وہاں 10 سال قیام کیا اور اپنے ملک واپسی پر اس نے 1836ء میں ایک کتاب 'اخلاق و عادات المصریین المعاصرہ' شائع کی اور اس کتاب کے اکثر ایڈیشن جرمنی ار انگلینڈ سے شائع ہوئے تاکہ مغرب، مشرقی ممالک جو کہ اس وقت مسلمانوں کے زیر حکومت تھے، پر حملہ آور ہونے سے پہلے اس کے بارے میں ممکنہ جانکاری حاصل کر سکے۔

استعماری ہدف کے پیش نظر کام کرنے والے محقق مستشرقین میں چند اہم نام یہ ہیں:

بلاشر(Regis Blachere)، تھیوڈر نولدکے(Theodor Noldoke)،ولیم،ماکیسون وغیرہ

جرمن مفکر پاؤل اشمٹ (Paul Schmidt) نے اپنی کتاب میں تین چیزوں کو مسلمانوں کی شان و شوکت کا سبب قرار دیتے ہوئے ان پر قابو پانے اور ختم کرنے کی کوششوں پر زور دیا ہے:

- دین اسلام: اس کے عقائد اور اس کے اخلاقی نظام میں مختلف نسلوں، رنگوں اور ثقافتوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو رشتہ اخوت سے استوار کرنے کی صلاحیت کا ہونا۔
- ممالک اسلامیہ کے طبعی وسائل (Natural Resources)
- مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی عددی قوت

اگر یہ تینوں قوتیں جمع ہو گئیں، مسلمان عقیدے کی بنا پر بھائی بھائی بن گئے اور انہوں نے اپنے طبعی وسائل کے صحیح استعمال کرنے لگے تو اسلام ایک ایسی مہیب قوت بن کر ابھرے گا کہ جس سے یورپ کی تباہی اور تمام دنیا کا اقتدار مسلمانوں کے ہاتھوں میں چلے جانے کا خطرہ پیدا ہو جائے گا"۔

اسی خطرہ کے پیش نظر عالمی جنگیں بھی ہوئیں اور سقوط خلافت عثمانیہ بھی اور اس کے بعد مسلمانوں کو چھوٹے چھوٹے ممالک میں تقسیم کر کے یورپ، امریکہ، فرانس اور اٹلی نے مسلم ممالک کے حصے بخرے کر کے آپس میں بانٹ لیے۔ جس میں کئی مستشرقین نے استعماری فوجوں میں عہدہ داروں کی حیثیت سے کام کیا ہے۔ جیسے واٹسن، رچرڈ بورٹن اور جان مالکم وغیرہ۔

گزشتہ صدی کے نصف آخر میں جب ایشیا اور افریقہ کے بہت سے ملکوں نے مغربی استعمار سے آزادی حاصل کر لی اور مغربی ملکوں اور ان نو آباد ملکوں کے درمیان سفارتی تعلقات قائم ہوئے تو ان ملکوں میں قائم سفارت خانوں کو مستشرقین کے حوالے کر دیا گیا جنہیں ان ملکوں اور اس میں بسنے والی قوموں کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات تھیں اور ان مستشرقین نے اپنے اپنے ملکوں کی توقعات کے مطابق اپنا کردار ادا کیا۔ چنانچہ ان ملکوں کو مغرب کی ہمنوائی اور زیردستی میں رکھنے کے لیے ان سفارت کاروں نے اپنے استشراقی مطالعوں سے خوب خوب استفادہ کیا۔ اور ان ملکوں میں جاسوسی' تخریب کاری' گروہی تشدد' مسائل کو پیچیدہ بنانے اور فتنوں کو بھڑکانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ کئی ایشیائی اور افریقی ملکوں میں ہوئے انقلابات اور فکری و گروہی تصادمات میں ان مستشرق سفارت کاروں کا نمایاں طور پر رول رہا ہے جس کے تاریخی شواہد موجود ہیں۔ استشراقی مطالعوں کے نتائج سے استعماری طاقتوں نے فائدہ اٹھایا جیسے برطانوی پالیسی "لڑاؤ اور حکومت کرو" استشراق کے فرقہ وارانہ اور گروہی مطالعات کا ایک نتیجہ ہے۔

مقامی بولیوں کی طرف استشراق کی توجہ کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ ان کے حوالے سے قوموں میں تفریق پیدا کی جاسکے اور سیاسی مقاصد حاصل کیے جاسکیں۔ خاص کر مسلم ملکوں میں اس کا ایک اور سیاسی و دینی مقصد بھی تھا کہ وہ اسلامی وحدت کے شیرازے کو منتشر کریں۔ جس کے لیے وطنیت، سیکیولرزم اور لبرلزم جیسی تحریکات کو فروغ دیا اور جہاں جہاں مسلم حکومتوں والے علاقوں میں اپنی آبادیاں قائم کیں وہاں کے لوگوں میں یہ نظریہ فروغ دیا کہ مسلمانوں نے ان کی تہذیب، تمدن ثقافت، مذہب اور زبان کو بزور شمشیر ختم کرنے کی کوشش کی ہے اس کی بنا پر ان ممالک میں مسلمانوں کے خلاف عدم اعتماد کی فضا پیدا ہو گئی اور اس خلفشار کی بنا پر کئی ممالک کے ٹکڑے ہو گئے۔

استعماری طاقتوں اور حکومت نے استشراق کی حوصلہ افزائی کی تاکہ وہ اپنی محکوم قوموں کو سمجھ سکیں۔اس غرض سے یورپ کے علاوہ خود مشرقی مستعمرات میں کئی استشراقی مراکز اور ادارے قائم کیے گئے جیسے کولکاتا میں قائم فورٹ ولیم کالج اور ایشیاٹک سوسائٹی وغیرہ اور مستشرقین کو بڑے بڑے مناصب پر فائز کیا گیا جیسے ولیم میور، کرد مر اور لارنس وغیرہ۔

استشراق کی غیر معمولی ترقی اور مغرب میں اس کی قبولیت کا ایک سبب استعماری طاقتوں کی جانب سے اس علم کی پذیرائی ہے۔ استعمار و نو آبادی نظام کی زمین ہموار کرنے کا کارنامہ استشراق نے ہی انجام دیا ہے۔استشراق کی پشت پر استعماری مقاصد کا ہونا ایک ثابت شدہ علمی حقیقت ہے۔

استشراق کی یہ تحریک عصر حاضر میں بھی جاری ہے لیکن اس فرق کے ساتھ کہ برطانوی استعمار کے زمانے میں برطانیہ کے مستشرقین اس تحریک کی قیادت کر رہے تھے اور اب امریکی استعمار کے دور میں امریکی مستشرقین دنیا بھر کے مستشرقین کے عالمی ترجمان ہیں۔امریکی استعمار کے نمائندہ مستشرقین میں ہمیں ہاملٹن گب(Sir Hamilton A.R Gibb)، برنارڈ لیوس(Bernard Lewis)وغیرہ کا نام ملتا ہے۔

2.5 معاشی مقاصد

عالم عرب اور امت اسلامیہ ہی کے مانند استشراق کا رویہ دوسری مشرقی قوموں اور امتوں کے ساتھ بھی ہے جس کا بنیادی ہدف مشرق کو سیاسی، اقتصادی اور سماجی طور پر اپنے زیر نگیں رکھنا ہے۔اگر استشراقی اغراض و مقاصد کو بنظر غائر دیکھا جائے تو یہ اپنے تمام تر تنوع اور کثرت کے باوجود دو محوروں کے گرد گھومتے نظر آتے ہیں۔

تعمیری: جس کا تعلق مغربی تہذیب کی تعمیر و ترقی، خوشحالی اور رفاہیت سے ہے۔مشرقی علوم و دولت و ثروت کے ذریعہ مغرب کے عروج واقتدار کو برقرار رکھنے سے ہے۔

تخریبی: جس کا تعلق مشرق کے افکار و عقائد، اخلاق و کردار، اور تہذیب و ثقافت کی تخریب کاری و مخالفت سے ہے۔مشرق کو ہر دو مادی اور معنوی طور پر مغرب کا مرہون منت بنا کر رکھنا ہے۔

جیسا کہ آپ نے اوپر پڑھا کہ جرمن مفکر پاؤل شمٹ(Paul Schmidt)نے اپنی کتاب میں تین چیزوں کو مسلمانوں کی شان و شوکت کا سبب قرار دیتے ہوئے، ان پر قابو پانے اور ختم کرنے کی کوششوں پر زور دیا ہے ان میں دین اسلام اور عددی قوت کے علاوہ ممالک اسلامیہ کے طبعی وسائل پر اپنا تسلط قائم کرنے اور ان کو قابو کرنے پر زور دیا، اس سے یہ بات عیاں ہے کہ مستشرقین کے اہداف میں معیشت اور اقتصادی برتری کا مقصد شامل تھا۔

اس بارے میں مشہور انگریز مستشرق سڈنی لو(Sir Sidney James Mark Low)نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ:
'مغرب کی عیسائی حکومتیں کئی سالوں سے امم شرقیہ کے ساتھ جو سلوک کر رہی ہیں اس کی وجہ سے یہ حکومتیں چوروں کے اس گروہ کے ساتھ

کتنی مشابہت رکھتی ہیں جو پر سکون آبادیوں میں داخل ہو جاتے ہیں، ان آبادیوں کے کم زور مکینوں کو قتل کرتے ہیں اور ان کا مال واسباب لوٹ لیتے ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ یہ حکومتیں ان قوموں کے حقوق پامال کر رہی ہیں جو آگے بڑھنے کی تگ ودو میں مصروف ہیں۔ اس ظلم کی کیا وجہ ہے جو ان کمزوروں کے خلاف روا رکھا جائے۔۔۔۔۔ یہ عیسائی قومیں اپنے اس عمل سے اس دعوی کی تائید کر رہی ہیں کہ طاقتور کو حق پہنچتا ہے کہ وہ کمزوروں کے حقوق غضب کریں"۔

نامور محقق ایڈورڈ سعید کے مطابق آخری دور کے اکثر مستشرقین کی تگ ودو کا مقصد معاشی ہی تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ معاشی مقصد استشراق کے ہر دور میں موجود تھا۔ جو مذہب کا اثر ونفوذ کم ہونے اور نو آبادیاتی دور کے خاتمے کے بعد مزید نمایاں ہو گیا۔ یورپ کی حکومتیں اور وہاں کے ادارے اور کمپنیاں مشرق کے متعلق معلومات کے عوض بھاری معاوضہ پیش کرتی تھیں۔ مشرقی علم میں دسترس پانے والے اور وہاں کی زبانوں میں مہارت رکھنے والوں کو نو آباد دفتروں میں بڑے بڑے مناصب ملتے تھے۔

2.6 علمی مقاصد

استشراق کے جملہ مقاصد میں علمی مقصد بھی ایک اہم اور قابل ذکر مقصد ہے۔ بہت سارے مستشرقین نے محض علمی مقصد سے اس میدان میں قدم رکھا۔ اور قرار واقعی علم کی خدمت کی، ان میں سے بعض حقیقت تک پہنچنے میں کامیاب بھی ہوئے اور بعض علمی وسائل کی کمی کے سبب حقیقت تک رسائی نہیں حاصل کر سکے لیکن ان کا اخلاص ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ ایسے مستشرقین کی تعداد اگرچہ بہت کم ہے مگر ان کے وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔

صلیبی جنگوں میں مسلمان حکومتوں کے ہاتھوں پسپا ہونے کے بعد انہیں اس بات کا یقین ہو گیا کہ مسلم ممالک کو وہ بآسانی شکست نہیں دے سکتے۔ اس لیے انہوں نے مشرقی ممالک کی سائنسی وتکنیکی مہارت حاصل کرنے لیے اسلام اور مسلمانوں کے علوم کی طرف توجہ کی۔

جو مستشرقین خالص علم کی پیاس بجھانے کے لیے مشرقی علوم کی طرف متوجہ ہوئے وہ اگرچہ اپنے کام میں مخلص ہیں لیکن اپنی تحقیقات کے نتائج میں وہ بھی اکثر جگہ گمراہ ہوئے ہیں۔ ایسا عموما اس لیے بھی ہوا کیوں کہ وہ یا تو عربی میں ماہر نہیں تھے یا مغربی معاشرے میں اسلام اور مشرق کے بارے میں پہلے سے رائج تصورات سے متاثر تھے۔ ایسے کچھ مستشرقین میں موریس بکائے (Maurice Bucaille)، اور عبدالکریم جرمانوس (Germanus Gyula) شامل ہیں۔

اس محرک ومقصد کے تحت انہوں نے قرون وسطی (Medieval Era) کے مسلمان علماء کی فلکیات، جغرافیہ، تاریخ، طب، ریاضی، فلسفہ علم کلام، سے متعلق ہزاروں کتابوں کو ایڈٹ کر کے شائع کیا۔ اور ان کے تراجم عربی زبان سے یورپی زبان میں کیے تاکہ ان علوم وفنون کی تابناکی سے یورپ کی جہالت کو دور کیا جا سکے۔

دوسرا پہلو تخریبی ہے کیوں کہ یہ علمی تحقیقات اسلام اور مسلمانوں کے افکار ونظریات کو دھندلانے کی کوشش میں لگ گئے اور

انہوں نے اسلامی موضوعات پر تحقیق کر کے اسلام اور مسلمانوں پر حملے شروع کیے۔

اپنے اس مقصد کی تکمیل کے لیے اپنے اہل علم لوگوں کو مسلمانوں کے علوم سیکھنے پر لگایا اور قرآن مجید، حدیث نبوی ﷺ، سیرت رسول ﷺ، فقہ، تصوف۔ علم کلام اور تاریخ جیسے مضامین کو اپنی زبان میں منتقل کیا۔ ان بنیادی اسلامی کتب میں تحقیق کے نام پر تحریفات اور من گھڑت تشریحات کیں اور انہیں مختلف اخباروں رسائل میں بھی شائع کیا اور مختلف اسلامی انسائیکلوپیڈیا تیار کیں۔ جن میں سے چند کے نام یہاں ذکر کیے جاتے ہیں:

- دی انسائکلوپیڈیا آف اسلام (1913-1938)
- دی شارٹر انسائکلوپیڈیا آف اسلام
- انسائکلوپیڈیا آف ریلیجیس اینتھکس: جیمس ہیسٹنگس (بارہ جلدوں میں ہے) (1908–1927)
- انسائکلوپیڈیا آف سوشل سائنسس (15 جلدوں میں) (1930)

اور یہ سارا کام اسلامک اسٹڈیز کے عنوان سے کیا گیا۔ مستشرقین نے علمی تحقیق کے عنوان سے مختلف کانفرنسوں کو بھی منعقد کیا۔

اس مقصد کے حصول کے لیے حکومتوں کی مدد سے مختلف ممالک میں یونیورسٹیز، ایجوکیشنل سوسائٹیز، کالج اور اسکول قائم کیے۔ جہاں پر اسلامک اسٹڈیز کی تعلیم دی جاتی ہے اور تحقیق و تصنیف کا کام بھی کیا جاتا ہے۔ اس طرح کی سب سے پہلی سوسائٹی ہالینڈ نے اپنے مقبوضہ جزائر (Colonies) میں 1778ء میں 'ایشیاٹک سوسائٹی' قائم کی۔ اس کے بعد انگریزوں نے ان کی تقلید کرتے ہوئے ہندوستان میں 'کلکتہ جنرل ایشیاٹک سوسائٹی سن 1884 میں اور بنگال ایشیاٹک سوسائٹی 1888ء میں قائم کی۔ اس کے بعد لندن میں 'رائل ایشیاٹک سوسائٹی کی بنیاد ڈالی گئی فرانس کی حکومت نے عربی، فارسی اور ترکی، کے لیے 'زندہ السنہ مشرقیہ' کے نام سے درس گاہ قائم کی۔

امریکہ اور یورپ کے دیگر ممالک میں بھی اسلام فہمی اور اسلامک اسٹڈیز کے نام سے مختلف ادارے اور مراکز قائم ہوئے۔ اور مغربی ممالک کی ہر یونیورسٹی میں اسلامک اسٹڈیز کے شعبے قائم ہیں جہاں مستشرقین کے ذریعے تحقیق و تصنیف کا کام ہوتا ہے۔

تحقیق و تالیف کے بعد ان کتابوں کی اشاعت کا کام بھی مستشرقین نے اسی جوش و جذبہ سے کیا۔ ان کتابوں کی نشر و اشاعت میں بھی دو مقاصد تھے ایک تو مسلمانوں کے علوم سے فائدہ اٹھانا جس میں بنیادی طور پر تحقیقی اور سائنسی علوم کی کتابیں شامل تھیں مثال کے طور پر ابن سینا، ابن الہیثم فارابی، رازی وغیرہ کی کتب۔

اس ضمن میں ہم دیکھتے ہیں کہ دو طرح کے پہلو سامنے آئے۔ ایک تو ایجابی یعنی وہ واقعتا اسلام کی تعلیمات کو سمجھنا اور مسلمانوں کے عروج اور ترقی کے بارے میں سنجیدگی سے تحقیق کرنے میں لگ گئے تاکہ وہ بھی ان کی طرح ترقی کر سکیں۔ انہوں نے مسلمانوں کے دور میں ترقی پذیر سائنسی علوم و فلسفہ کی کتابوں کو لاطینی زبان میں ترجمہ کیا اور سولہویں صدی میں ترجمہ کی ایک باقاعدہ تحریک برپا کی اور مسلم ممالک

سے مخطوطات کو یورپ منتقل کیا گیا۔ جس میں آگے چل کر اکثر مستشرقین نے مسلم دور کے سائنسی انکشافات وایجادات کو خود اپنے نام سے معنون کیا۔

دوسرا خالص اسلامی موضوعاتی کتب کی نشر و اشاعت کا مقصد کلیساوؤں اور پادریوں کو اسلام سے متعارف کروانا تھا تاکہ وہ اس میں شکوک و شبہات ڈال سکیں اور اختلافی مسائل پر مختلف نظریوں کو فروغ دے کر مسلمانوں کو آپس میں عناد و فساد ڈال سکیں۔

2.7 طبعی مقاصد

انسان کی یہ فطری خواہش ہوتی ہے کہ وہ دیگر اقوام، ان کے مذاہب اور اقتصادیات کے بارے میں تفصیل سے جانے اور اس کا اپنے طور طریقے اور مذہب و تمدن سے موازنہ کرے اور اس بات کا پتہ لگائے کے بنی نوع انسان میں اتنے جداگانہ مذاہب اور رسم و رواج کیوں ہیں؟ سب انسان ایک ہی فکر و مذہب اور اصول پر عمل پیرا کیوں نہیں ہیں، اس سوال کے جواب کی تلاش میں مستشرقین نے تحقیق و تالیف کا کام کیا۔ اسی طرح ہر انسان کا اپنے مذہب اپنی فکر ار اصول کو صحیح ماننا ایک فطری عنصر ہوتا ہے جس کے نتیجے میں مستشرقین نے بھی اپنے افکار و نظریات کو تسلیم کرانے اور مشرقی اقوام کو اپنے نقش قدم پر گامزن کرنے کے مقصد سے علوم شرقیہ کے مطالعے اور بحث و تحقیق اور تصنیف و تالیف میں زور آزمائی کی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مستشرقین کے مقاصد زیادہ تر منفی ہیں اور یہ لوگ اپنے مقاصد کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کا بنیادی مقصد اسلام اور اس کی تعلیمات کا صرف تحقیقی مطالعہ نہیں ہے بلکہ ان کی تعلیمات کو شکوک و شبہات سے دھندلا کرنا، مسلمانوں کو گمراہ کرنا، مسلمانوں اور اسلام کے خطرہ کا پیش خیمہ قرار دینا اور دیگر اقوام کے سامنے اسلام اور مسلمانوں کی اس طرح تصویر کشی کرنا کہ وہ قبول اسلام سے رک جائیں اور اسلام و مسلمانوں کو اپنے لیے خطرہ سمجھنے لگیں۔

استشراق کے تعمیری اغراض و مقاصد قابل تعریف و ستائش ہیں۔ اور اہل مغرب نے انسانی تاریخ میں یہ کوئی نیا کام نہیں کیا ہے بلکہ یہ عمل سنت الہیٰ کا حصہ ہے دنیا کی تمام قومیں دوسروں سے اخذ و استفادہ کے سہارے ہی آگے بڑھتی ہیں۔ خود مسلمانوں نے یونانی، رومانی، ایرانی اور ہندوستانی تہذیبوں اور ثقافتوں سے اخذ و استفادہ کیا لیکن جس قدر تعمیری مقاصد قابل تعریف و توصیف ہیں اسی قدر تخریبی اغراض لائق تنقید و مذمت ہیں۔

2.8 مستشرقین کی قسمیں

مستشرقین صدیوں سے اسلام اور اس کی تعلیمات پر اپنی تحقیقات میں مشغول ہیں۔ ان کی تعداد ہزاروں میں ہے اور ان کا تعلق مختلف ممالک اور خطوں سے ہے۔ اپنے کام کی نوعیت کے اعتبار سے ان مستشرقین کو مختلف درجے میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

سلیم الفطرت مستشرقین

بعض مستشرقین ایسے تھے جنہوں نے سادہ دل اور صاف نیت سے جب اسلامی علوم کا مطالعہ اور تحقیق کی تو انہیں اسلام کی آفاقی تعلیمات کو فطرت سے قریب پایااور آسمانی ہدایت پر اپناست تسلیم خم کیااور اسلام قبول کر لیا۔اور آگے کی زندگی اسلام کے خلاف کیے جانے والے مستشرقین کے اعتراضات کا دندان شکن جواب دیا۔وہ مستشرقین جنہوں نے اسلام قبول کر لیا،ان میں سے چند نام یہ ہیں:

ولیم ہنری کویلیم (شیخ عبد اللہ)، الیکزینڈر رسل ویب (محمد)، مارٹن لنگس (ابو بکر سراج الدین)، لیوپولڈ سیلویس (محمد اسد)، مار گریٹ مارکس (مریم جمیلہ) وغیرہ۔

تحقیق و تصنیف کے شائق مستشرقین

مستشرقین کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جن کا بنیادی مقصد صرف علمی میدان میں تحقیق و تصنیف کرنااور اس سے عوام کو فائدہ پہنچانا تھا۔ایسے مستشرقین ہمیں تیرھویں صدی کے بعد کے زمانے میں نظر آتے ہیں۔انہوں نے مشرقی علم وادب کے ذخیرہ کو مغربی زبانوں میں ترجمہ کیا۔ان کے پیش نظر اسلام سے دشمنی کے بجائے صرف علم کی پیاس بجھانا تھا۔ایسے مستشرقین نے مشرقی ممالک کا سفر کر کے قرآن، حدیث، فقہ، تصوف،تاریخ اور دیگر علمی کتابوں پر ریسرچ کی اور بہت ساری نادر مخطوطات کو تحقیق و ترجمہ کر کے شایع کیا۔

ان کتابوں میں 'نجوم الفرقان فی اطراف القران (فلوجل) ، المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی (وینسنک) اور کتاب اللمع فی التصوف (نکلسن)، وغیرہ نہایت اہم کام شمار کیے جاتے ہیں۔

تحقیق و تصنیف کے کام سے معروف مستشرقین میں چند اہم نام یہ ہیں:

البرٹ اعظم،ایمنڈ لول، میجل اسکاٹ، گوستاولیبون، تھامس ایڈورڈ،راجر بیکن، نکلسن،مار گریٹ اسمتھ وغیرہ۔

بعض مستشرقین نے مردہ زبانیں اور گمشدہ تاریخ کی چھان بین کی۔آثار قدیمہ کی مدد سے ان کے قدیم رسوم،رواج،زبان وادب کا مطالعہ کیااور قدیم ثقافتوں کو برآمد کیا۔

اسلام دشمن متعصب محققین

مستشرقین کا یہ طبقہ متعصب عیسائی اور یہودی محققین پر مشتمل ہے۔ان لوگوں نے اپنی زندگی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف عقائد و نظریات کے فروغ کے لیے وقف کردی اور مشرق سے جو بھی مفید چیزیں اخذ کیں ان کو علمی دیانت کے برخلاف ان کے ماخذ و مصادر کو پوشیدہ رکھ کر انہیں مغرب سے منسوب کر دیا۔

اس سلسلے میں غلام قادر جیلانی لکھتے ہیں 'یہ ایک حقیقت ہے کہ مسلمان قطب نما،عینک،الکحل اور دیگر بیسیوں اشیا کے موجد تھے۔ لیکن رابرٹ بریفالٹ نے اعتراف کیا کہ عربوں کی ہر ایجاد وانکشاف کا سہرا اس یورپی کے سر باندھ دیا ہے جس نے پہلے پہل س کا ذکر کیا تھا'۔

مثال کے طور ر انسانی جسم میں گردش خون کا نظریہ سب سے پہلے مصری سائنسدان ابن نفیس نے پیش کیا تھا لیکن یہ نظریہ ولیم ہاروے سے منسوب کر دیا گیا۔

مادی مفاد کے شائق محققین

مستشرقین یہ قسم ایسی ہے جن کے پیش نظر اعلی علمی مقصد نہ تھا بلکہ ان لوگوں نے مالی مفاد اور سستی شہرت کی لالاچ میں اس میدان میں قدم رکھا۔ ان مستشرقین کے پیش نظر ہمیشہ ایسی چیزیں رہیں جس سے وہ اہل مغرب سے اپنے مفاد سمیٹ سکیں۔ ان لوگوں کے کی گئی تحقیقات غیر معیاری اور بے بنیاد اور علمی و عقلی لحاظ سے پست ہیں۔

2.9 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے :

- استشراق کے اہداف و مقاصد بھی زمانے کے ساتھ ساتھ بدلتے رہے ہیں، ان میں دینی، استعماری، سیاسی اور علمی مقاصد سر فہرست رہے ہیں۔ استشراقی مطالعات سے مغرب کی کئی طاقتوں اور تحریکوں نے فائدہ اٹھایا ان میں عیسائی مشنریز اور نوآبادیاتی نظام سب سے آگے ہے۔ مشرقی افکار پر استشراقی عمل کا گہرا اثر پڑا ہے، یہ آثار مثبت بھی ہیں اور منفی بھی ہیں، قابل تعریف بھی ہیں اور لائق مذمت بھی۔
- جمہور محققین کی رائے ہے کہ استشراق کا آغاز دینی غرض و غایت سے ہوا لیکن اپنے طویل تاریخی سفر میں استشراق کو کئی ایسے عوامل سے گزرنا پڑا جس نے اس کی غرض و غایت کو متاثر کیا اور اس میں تبدیلیاں پیدا کیں۔ چنانچہ ہمیں استشراق کے دینی، علمی، سیاسی، استعماری، اقتصادی اور نفسیاتی وغیرہ متعدد اغراض و مقاصد کا پتہ چلتا ہے۔ اور تاریخی طور پر ہم دیکھتے ہیں کہ استشراقی اغراض اس کے ساتھ کام کرنے والی اور اسے تعاون دینے والی قوتوں کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ مثلاً عیسائی مشنری کی غرض اسلام کی نشر و اشاعت کو روکنا ہے تاکہ وہ نصرانیت کے مد مقابل نہ آسکے۔ استعماری قوتوں کا ہدف اسلامی صفوں میں انتشار برپا کرنا ہے تاکہ ان کا اتحاد استعمار کے غلبہ و اقتدار کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکے۔ صیہونیت کا مقصد اعلیٰ بھی عرب اور اسلامی وحدت کی بیخ کنی ہے۔ تاکہ امت مسلمہ اپنے افتراق اور شکست خوردگی کے احساس کے ساتھ اس کا مقابلہ نہ کر سکے۔
- جن مشرقی بالخصوص عربی اسلامی علوم و فنون کو استشراق نے مغرب کی تعمیر و ترقی کے لیے استعمال کیا اس کی دو قسمیں ہیں: تجربی، عملی اور میدانی علوم و فنون جیسے کیمیاء، ریاضی، جبر و مقابلہ، طب، فلکیات وغیرہ اور انسانی معارف سے متعلق علوم و فنون جیسے آداب (تعمیری و تخریبی) دینی علوم فلسفے اور زبانیں۔ پہلی قسم کے علوم کو مکمل طور پر یوروپ منتقل کر دیا گیا اور حسب امکان اس سے مشرقیوں یا مسلمانوں کے ناموں کو بھی الگ کر دیا گیا اور اسلامی سنہرے دور کے کارناموں کو دوسرے مغربی مفکرین و محققین کے نام منسوب کر دیا گیا۔ دوسری قسم کے علوم میں استشراق نے سب سے زیادہ توجہ مشرقی زبانوں پر دی۔ اس کے بعد اس کی ترجیح میں فلسفے کا نمبر آتا ہے۔ یہ بات قابل توجہ ہے کہ ادب (Literature) کی طرف استشراق کی توجہ کم ہی رہی سوائے تخریبی ادب کے جو مشرق اور اسلام کی صورت مسخ کرنے والا ہے۔
- خالص دینی علوم کو بھی استشراقی مطالعے میں خاص اہمیت حاصل تھی، ان میں قرآن اور حدیث کے ساتھ ساتھ تصوف، فقہ اور کلام

استشراق کا خاص محور رہے ہیں۔ لیکن ان علوم کے روشن اور تعمیری پہلوؤں کے بجائے تاریک اور تخریبی پہلو استشراق کے پیش نظر رہے ہیں، قرآن کے حوالے سے دعوی کیا کہ یہ نبی ﷺ کا کلام ہے اور یہودی اور عیسائی علما کی تعلیمات سے ماخوذ بتاتے ہیں۔ حدیث مستشرقین کے نزدیک ایک بالکل نئ چیز تھی اکثر نے پورے ذخیرہ حدیث ہی کو مشکوک قرار دیا۔ تصوف کے حوالے سے اجنبی اور فلسفیانہ افکار، کلام کے نام پر فرقہ وارانہ جدل ومشاجرات، فقہ میں ابواب حیل وغیرہ استشراق کے مرغوب موضوعات رہے ہیں۔

- تحریک استشراق کے اغراض ومقاصد اور اہداف کے بدلنے کے ساتھ ساتھ کام کے اعتبار سے مستشرقین کی بھی کئی اقسام ہیں۔

2.10 نمونہ امتحانی سوالات

2.10.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. استشراق کے مقاصد وقت اور زمانے کے ساتھ بدلتے رہے؟
(a) صحیح (b)غلط

2. کس مستشرق کی کتاب نے نیپولین کو مصر پر حملے کی ترغیب دی؟
(a) کانٹ دی ولنی (b)ایڈورڈ لین (c)ولیم ہاوے (d)پال اسمتھ

3. اسلام کے خلاف سب سے پہلے کتاب کس نے تصنیف کی؟
(a)پیٹر مقدس (b)یوحنا دمشقی (c)پادری ایونجی (d)ونسنک

4. نامور محقق ایڈورڈ سعید کے مطابق آخری دور کے اکثر مستشرقین کی تگ ودو کا مقصد کیا تھا؟
(a)دینی (b)علمی (c)معاشی (d)سب صحیح

5. سب سے پہلیے کس نے اپنے مقبوضہ جزائر (Colonies) میں 'ایشیاٹک سوسائٹی' قائم کی؟
(a)برطانیہ (b)فرانس (c)ہالینڈ (d)روس

6. جرمن مفکر پاؤل شمٹ نے کتنی کو مسلمانوں کی شان وشوکت اور قوت قرار دیا؟
(a)دو (b)تین (c)پانچ (d)سات

7. میجل اسکاٹ، گوستاولیبون، تھامس ایڈورڈ، راجر بیکن وغیرہ۔ کا شمار کس قسم کے مسترقین میں ہوتا ہے؟
(a)متعصب (b)تحقیق کے شائق (c)مفاد پرست (d)سلیم الفطرت

8. جمہور محققین کی رائے ہے کہ استشراق کا آغاز کس غرض وغایت سے ہوا؟
(a)دینی (b)استعماری (c)سیاسی (d)معاشی

9. تاریخی ریکارڈ کے مطابق کتنی صلیبی جنگیں ہوئیں؟

(a) دو (b) پانچ (c) آٹھ (d) دس

10. کس مسلم مفکر کے فلسفے سے مغرب میں بہت سے مصلحین پیدا ہو گئے تھے؟

(a) ابن سینا (b) ابن رشد (c) فارابی (d) سب صحیح

2.10.2 مختصر جواب کے حامل سوالات

1. استشراقی مطالعات کے معاشی مقاصد کا ذکر کیجئے۔
2. استشراق کے تخریبی مقاصد سے کیا مراد ہے۔
3. مستشرقین کی اقسام پر ایک نوٹ تحریر کیجیے۔
4. استشراق کا آغاز دینی مقصد کے تحت ہوا، واضح کیجیے۔
5. استشراق کے سیاسی اہداف کا خلاصہ پیش کیجیے۔

2.10.3 طویل جواب کے حامل سوالات

1. استشراق کے مختلف اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالئے اور اس کے استعماری مقاصد کو شواہد کے ساتھ بیان کیجئے۔
2. تحریک استشراق میں دینی مقصد کے وجود کو مدلل طور پر ذکر کیجئے۔
3. استشراق کے علمی مقاصد پر مختصر نوٹ لکھئے۔

2.11 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. موسوعۃ المستشرقین : عبدالرحمان بدوی، دار العلم للملائین بیروت، بار سوم 1993ء
2. ظاہرۃ الاستشراق و موقف بعض المستشرین منہا : کلیۃ الدعوۃ الاسلامیۃ، طرابلس، لیبیا
3. اسلام اور مستشرقین : دار المصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ
4. شرق شناسی : ایڈورڈ سعید
5. اسلام اور مستشترقین : محمد زبیر
6. استشراق اور مستشرقین آغاز وارتقاء : اسامہ شعیب علیگ
7. Islam & Orientalism : Mariam Jamila

اکائی 3: قرآن کے میدان میں مستشرقین کی علمی خدمات (حصہ اول)

اکائی کے اجزا:

3.0 تمہید

3.1 مقاصد

3.2 استشراق: تعریف اور تاریخی ارتقاء

3.3 سرمایۂ تفسیر کے بارے میں مستشرقین کا موقف

3.4 انسائیکلوپیڈیا آف دی قرآن

3.5 مستشرقین کی فتنہ پروری کی تردید

3.6 متن قرآن کی صحت کا سائنسی ثبوت

3.7 کورپس قرآنکیم: قرآنیات سے متعلق مستشرقین کا تازہ علمی منصوبہ

3.8 ترمیم پسند (Revisionist) مستشرقین کا قرآن کے بارے میں موقف

3.9 اکتسابی نتائج

3.10 کلیدی الفاظ

3.11 نمونہ امتحانی سوالات

3.11.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

3.11.2 مختصر جوابی سوالات

3.11.3 طویل جوابی سوالات

3.12 تجویز کردہ اکتسابی مواد

3.0 تمہید

آٹھویں صدی میں اہل مغرب مسلم دنیا میں مقیم عیسائی راہبوں کے مراسلوں کے ذریعے اسلام سے واقف ہوئے۔ رفتہ رفتہ مطالعۂ اسلام کی روایت مغرب میں پختہ ہوگئی جو کہ استشراق سے موسوم ہے۔ مطالعۂ اسلام کے پس پشت اہل مغرب کے مقاصد متعدد تھے: مذہبی، سیاسی، عسکری، تجارتی، سفارت کاری، ثقافتی اور تہذیبی۔ ابتداء سے مغرب میں اسلام دشمنی کا رویہ رہا۔ صلیبی جنگوں، مسلم اسپین، ترکی میں سلطنت عثمانیہ کا قیام، استعماریت، تبشیری مہم اور مغرب کی توسیع پسندی اور برتری کے احساس نے اس خلیج کو اور عمیق کردیا۔ ہر دور میں مغربی فضلاء کی ایک بڑی جماعت مطالعۂ اسلام میں مصروف رہی لیکن ان کا مقصود اسلام کی بیخ کنی تھا۔ ہمارے دور میں اسلام سے نفرت (Islamophobia) ایک تلخ حقیقت ہے۔ اسلام دشمنی کی اس روایت میں مستشرقین نے نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ ذیل میں ان کی علمی خدمات کا جائزہ پیش ہے۔ بیسویں اور اکیسویں صدی کے مستشرقین پر نسبۃً توجہ زیادہ مرکوز ہے۔

3.1 مقاصد

☆ استشراق کی روایت کا تعارف۔

☆ استشراق کی صدی بہ صدی تاریخ۔

☆ ممتاز مستشرقین کے منہج کا جائزہ۔

☆ مسلم سرمایۂ تفسیر کے بارے میں مستشرقین کی آراء۔

☆ مسلم فضلاء کی جانب سے مستشرقین کا علمی تعاقب۔

☆ مستشرقین کا حالیہ علمی محاذ: کورپس قرانکیم۔

☆ ترمیم پسند (Revisionist) مستشرقین کا محاکمہ۔

3.2 استشراق: تعریف اور تاریخی ارتقاء

استشراق (Orientalism) اصطلاحاً وہ شعبۂ علم ہے جو مغربی فضلاء کے مطالعۂ شرق کا نام ہے۔ استشراق لفظ "شرق" (Orient) سے مشتق ہے۔ لفظی اعتبار سے اس سے مراد مشرق کی جغرافیائی سمت ہے۔ جغرافیائی لحاظ سے دنیا مشرق (Orient) اور مغرب (Occident) میں تقسیم ہے۔ استعارۃً مشرقی اقوام اور ممالک کے طرز زندگی، مذہب، تاریخ و ثقافت اور جملہ شعبۂ حیات کا جو مطالعہ کوئی مغربی فاضل کرتا ہے، وہ مستشرق ہے اور اس کا مطالعہ استشراق سے موسوم ہے۔ تاریخی لحاظ سے مشرق اور مغرب میں بُعد رہا ہے یہاں مذکور صرف فاصلہ یا مسافت نہیں ہے بلکہ اپنے تصور جہاں، عقائد، طرز حیات، تہذیب و تمدن، رسم و رواج، لباس اور زبان غرضیکہ ہر اعتبار سے دونوں میں نمایاں فرق رہا ہے۔ یہاں ہمارے پیش نظر عیسوی عہد کے گزشتہ دو ہزار سال ہیں۔ مغرب کا مذہب

عیسائیت رہا ہے جب کہ مشرق میں اس دوران یہ مذاہب نمایاں رہے ہیں:شنٹو(Shinto)جاپان اور مشرق بعید میں، کنفیوشنزم(Confucianism)اور ٹاؤازم(Taoism)چین میں،زرتشتی مذہب(Zoroastrianism) ایران میں،بدھ مت، جین مت اور ہندومت(Buddhism,Jainism and Hinduism)ہندوستان اور ایشیا کے مختلف ممالک میں اور اسلام مشرق وسطیٰ،وسطی اور جنوبی ایشیا اور افریقہ اور دیگر ممالک میں۔

ہمارا موضوعِ بحث البتہ صرف مطالعۂ اسلام ہے جس میں مغربی مستشرقین ساتویں صدی سے اب تک مشغول ہیں جس کی مختصر تاریخ ذیل میں پیش ہے:

آٹھویں نویں صدی تک اسلام بطور فاتح یوروپ کے عین قلب میں پہنچ چکا تھا نیز ایشیا اور افریقہ کی متعدد عیسائی سلطنتیں اسلام کے آگے سرنگوں ہو چکی تھیں۔اسلام کے منظر عام پر آنے سے قبل عیسائیت ہی دنیا کا ایسا برسر اقتدار مذہب تھا جو یوروپ،ایشیا اور افریقہ کے بڑے حصے پر قابض تھا۔فروغِ اسلام عیسائیت کے لیے قدرۃً خوف اور خطرے کا باعث بنا۔لہٰذا روزِ اول سے کلیسا نے اسلام کی مخالفت کی راہ اپنائی اور یہ حکمت عملی وضع کی کہ اہل مغرب کو بالخصوص اور دیگر افراد کو بالعموم اسلام سے انتہائی متنفر کیا جائے اور کسی کے لیے اسلام میں کوئی کشش نہ رہے۔صلیبی جنگوں(1291 – 1095) نے اسلام کے خلاف مغرب۔کلیسا کے بغض و عناد میں اضافہ کیا۔بارہویں۔تیرہویں صدی میں کلیسا کے زیر سرپرستی عربی زبان سیکھنے ،قرآن کے یوروپی زبانوں میں ترجمہ کرنے اور مطالعۂ اسلام کے متعدد ادارے انگلستان،صقلیہ، جرمنی اور فرانس میں قائم ہوئے۔پہلا لاطینی میں ترجمۂ قرآن Marracci کا شائع ہوا۔اس ترجمے کے حواشی اور مقدمہ اور ان کی ایک اور تصنیف Prodromus Ad Refutationem Alcoran(1691ء)قرآن کی تغلیط اور تردید پر مشتمل ہے۔(تفصیل کے لیے 'مستشرقین کے تراجم قرآن کا تنقیدی جائزہ)اس اکائی کے حصہ دوم میں دیکھئے)۔

قرون وسطی کے مستشرقین کے لیے مطالعۂ اسلام اس لیے بھی باعث کشش تھا کہ تیرہویں صدی تک مسلم دنیا علم و حکمت کا مرکز تھی جب کہ مغرب دور ظلمت میں غرق تھا۔ان فضلاء نے عربی سرمایۂ علم و فن کو لاطینی میں منتقل کیا اور ترجمے کی اسی روایت سے یوروپ میں سولہویں صدی میں نشاۃ ثانیہ(Renaissance)کی راہ ہموار ہوئی۔

ان مغربی مترجمین میں نمایاں نام ان فضلاء کے ہیں: جیرارڈ کریمون،رابرٹ آف چیسٹر،ایڈلرڈ آف باتھ،مائیکل اسکاٹ،اور راجر بیکن۔

ان مستشرقین کی خدمات یہ رہیں: مسلم دنیا کے علمی اور سائنسی شہ پاروں کا لاطینی میں ترجمہ اور نشرواشاعت،مسلم دنیا سے مخطوطات یوروپ کے کتب خانوں میں محفوظ کرنا اور اسلامی علوم و فنون اور ثقافت و تہذیب کے مطالعے کے لیے تحقیقی مراکز کا قیام،کتبوں کو محفوظ رکھنا،عربی کے درس وتدریس کا اہتمام۔بعد کی صدیوں میں مستشرقین کی یہ سرگرمیاں محاضرات،ایشیاٹک سوسائٹی اور دیگر انجمنوں اور مجلات اور مطبوعات کی شکل میں سامنے آئیں اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔سولہویں صدی میں استشراق میں دینی پہلو کے علاوہ سیاسی عنصر بھی شامل ہو گیا۔عیسائی بازنطینی سلطنت بشمول قسطنطنیہ پر مسلمانوں کی فتح اور ترک عثمانی حکومت کی سیاسی اور عسکری قوت نے اہل مغرب

کے دل ودماغ میں اسلام کے خلاف ہیبت اور نفرت کو دوآتشہ کردیا۔ میدان جنگ میں ہزیمت اٹھانے کے بعد اہل مغرب اسلام کی بیخ کنی میں مصروف ہوگئے۔اس کے بعد استعماری اور نوآبادیاتی دور یعنی سترہویں صدی سے بیسویں صدی تک استشراق کی روایت میں عیسائی تبشیری(Missionary)مہم بھی شامل ہوگئی اور جارح اور منظم انداز میں مفتوحہ مسلم ممالک میں مسلمانوں کو بالجبر عیسائی بنانے کی تحریک برپاہوئی،اس کے زیراثر اسلام دشمن مناظرہ بازی کا تقریری اور تحریری طور پر رواج ہوا۔آٹھویں صدی سے اٹھارویں صدی تک اسلام، سیرت اور قرآن کو مطعون کرنے کے مقصد سے مستشرقین کی تصانیف تواتر کے ساتھ منصۂ شہود پرآتی رہیں اور قارئین کے قلب اور ذہن کو مسموم کرتی رہیں البتہ یہ تصانیف زیادہ تر سطحی اور سیرت رسول اللہ کو داغدار کرنے سے عبارت ہیں۔کسی بھی شخص کو متہم کرنا نسبۃً آسان فعل ہے کہ اس کے لیے محض مفسدانہ زرخیز ذہن کافی ہے جو تخیل کی بنیاد پر انتہائی لائق نفریں افعال اور اقوال کسی بھی شخص کی جانب منسوب کرسکتاہے۔یہ نکتہ سیرت پر مستشرقین کی تصانیف پر صادق آتاہے۔قرآن پر تصانیف تاخیر سے انیسویں صدی میں سامنے آئیں کہ اس کے لیے عربی زبان،علوم القرآن،تاریخ ادیان وغیرہ کا علم ضروری تھا۔بہرکیف انیسویں صدی میں قرآن سے متعلق مستشرقین کی یہ رجحان ساز تصانیف شائع ہوئیں۔یہودی عالم دین Abraham Geiger کی تصنیف کا عنوان ہے: Was hat Mohammed aus dem judenthume 1833ء، یہ لاطینی میں ہے، مستشرقین نے اس کی بڑی پذیرائی کی ہے کہ اس کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ اسلام،قرآن یہودیت سے مستعار ہے۔عیسائی اہل قلم بھی پیچھے نہیں رہے اور ایک سلسلۂ مطبوعات اس موضوع پر شائع ہواکہ اسلام درحقیقت عیسائیت سے ماخوذ ہے،اس میں سرفہرست برطانوی مستشرق رچرڈ بیل (Richard Bell) کی یہ کتاب ہے: The Origin of Islam in Its Christian Environment 1925ء قرآنیات پر ایک ممتاز نظریاتی مستشرق جرمن نژاد تھیوڈر نولدیکی Theodor Noldeke ہیں اور ان کی اساسی تصنیف ہے: Geschichte des Qurans 1859ء جو کہ جمع اور تدوین قرآن کے بارے میں ہے۔ایک اور نظریہ ساز مستشرق انگلستان نژاد آرتھر جیفری Arthur Jeffrey ہوئے ہیں،ان کی تحقیق کے مطابق الفاظ قرآن دیگر زبانوں کے ہیں۔یہی عنوان ان کی کتاب کا ہے: The Foreign Vocabulary of the Quran۔اس دور کے دیگراہم مستشرقین یہ ہیں:

☆ Arthur N. Wollaston ☆ Clair Tisdall
☆ Alpnonse Mingana ☆ David S. Margoliouth
☆ Edward Sell ☆ Ignaz Goldziher
☆ D.B.Mac Donald ☆ Regis Blachere
☆ W.M.Watt

قرآن کے خلاف مستشرقین کے اعتراضات

☆ قرآن یہودیت اور عیسائیت کا ناقص چربہ ہے۔ ☆ قرآن محمد کی تصنیف ہے،وحیٔ الٰہی کی کوئی حقیقت نہیں۔

☆ قرآن کا تصور آخرت (دوزخ اور جنت وغیرہ) زرتشتی عقائد کی نقل ہیں۔

☆ قرآن کی کتابت، جمع اور تدوین کی تاریخ غیر معتبر ہے۔ اس کا متن محفوظ نہیں ہے۔ اس میں الحاقی مواد کثرت سے ہے اور اصل متن کا خاصا حصہ ہمیشہ کے لیے تلف ہو چکا ہے۔

☆ قرآن کی ترتیب غیر منطقی ہے۔ اسے نزولی۔ تاریخی ترتیب کے مطابق ہونا چاہیئے۔

☆ قرآن میں ناسخ و منسوخ کا معاملہ پیچیدہ ہے، اسی لیے موجودہ متن مستند نہیں ہے۔

☆ متن قرآن میں صرفی اور نحوی اسقام ہیں۔ ☆ قرآن مجید کا لوازمہ غیر مسلم مخبرین نے فراہم کیا ہے۔

☆ قرآن میں معرب الفاظ کی کثرت ہے۔ ☆ قرآن میں حروف مقطعات کے معنی کا عدم تعین اس کا نقص ہے۔

☆ قرآن جاہلی ادب سے متاثر ہے۔ ☆ قرآن کے متعدد مصاحف اور ان میں فرق۔

☆ قرآنی عقائد اور تعلیمات پر اعتراض۔ ☆ قرآن کی مختلف قراءتیں۔ ☆ قرآن میں معوذتین کی شمولیت۔

3.3 سرمایۂ تفسیر کے بارے میں مستشرقین کا موقف

مستشرقین کا یہ عام وطیرہ ہے کہ وہ اپنے تعصبات اور مزعومات کی بنیاد پر قرآن کے خلاف ہر طرح کے اعتراض عائد کرتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ مذکورہ بالا صفحات سے ان کے قرآن کے خلاف طویل فرد جرم سے آشکار ہے۔ وہ ایک ستم یہ کرتے ہیں کہ مسلم اہل قلم خواہ متقدمین ہوں یا معاصرین، ان کے مطالعہ قرآنیات کو مطلق قابل اعتناء تصور نہیں کرتے ہیں حتی کہ انھوں نے سیرت اور حدیث پر اولین مسلم تصانیف کو بھی یکسر مسترد کر دیا ہے اور تفسیری سرمایے کو وہ لائق توجہ نہیں گردانتے۔ حالانکہ یہ امر واقعہ ہے کہ مسلم ذخیرۂ تفسیر میں علم وفضل اور نکتہ سنجی ان کی متعدد غلط فہمیوں کے ازالے کے لیے شافی اور کافی ہے لیکن وہ متن قرآن کے پہلو بہ پہلو تفاسیر کے اسقام تلاش کرنے کے درپے رہتے ہیں اور ان کی بے توقیری کے ارتکاب میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔

اس علمی خیانت کی ایک متعین دستاویزی مثال ذیل میں پیش ہے:

ایک موقر مغربی ناشر Routledge، لندن ہے۔ اس نے چار ضخیم جلدوں پر مشتمل مستشرقین کے تفاسیر پر مقالات کا مجموعہ اس عنوان سے شائع کیا ہے:

Tafsir: Interpreting the Qur'an (2012ء)۔ اس کے مرتب مسلمان نام کے حامل مصطفی شاہ، استاد اسکول آف اورینٹل اینڈ افریقن اسٹڈیز، لندن یونیورسٹی ہیں۔ یہ مجموعہ 1967ء سے 2012ء تک مغربی جرائد میں تفسیر کے موضوع پر شائع مستشرقین کے ۸۱، مقالات کے انتخاب پر مشتمل ہے۔ ان مقالات کے عمومی دائرۂ بحث یہ موضوعات ہیں: تفسیر کی تاریخ، ارتقاء، مختلف اور متعدد تفاسیر کے منہج، نقطہ ہائے نظر، اقسام اور امتیازات وغیرہ۔ زیادہ تر مقالات انیسویں اور بیسویں صدی کے معروف مستشرقین مثلاً اگناز گولڈزیہر (Ignaz Goldziher)، تھیوڈر نولدیکی (Theodor Noldeke) اور ان کے معنوی جانشینوں جان

وانسبرا(John Wansbrough)، جین ڈیمن میک آلف(Jane Dammen McAuliffe)،اور اینڈر یو رپن(Andrew Rippin) وغیرہ کے ہیں۔ان کے نظریات کی تکرار اور توسیع سے یہ پورا مجموعہ عبارت ہے اور کسی راسخ العقیدہ مسلم مفسر کے بارے میں کوئی کلمۂ خیر نہیں البتہ تجدد مآب اور گمراہ مسلم اہل قلم کی شان میں قصیدے افراط سے ہیں۔ یہ امر واقعہ ہے کہ زیادہ تر تفاسیر اہل سنت والجماعت کے علماء کی کاوش ہیں البتہ مستشرقین نے ان کے بجائے زیادہ اہمیت صوفی، شیعہ، معتزلہ، اسماعیلی حتیٰ کہ بابی اور بہائی مذاہب کی تفاسیر کو دی ہے۔اس کا ثبوت یہ امر ہے کہ اس مجموعے کی جلد ۳ میں شامل تفسیر پر 21ء مقالات میں سے 15ء مقالے متذکرہ بالا گروہوں اور مذاہب کی نمائندہ تفاسیر پر مرکوز ہیں۔ مسلم مفسرین کے بارے میں مستشرقین کے تحفظات ذہنی یہ ہیں:

ان کے بعض مصنف اور ان کا سن تحریر مشکوک ہیں، تفسیر کی تحریر کے پس پشت ان کے نظریاتی ومادی مفادات تھے اور خدمت قرآن سے زیادہ ان کو دلچسپی اپنے نفع سے تھی۔

ذیل میں بعض متعین تفاسیر کے بارے میں مستشرقین کی آراء پیش ہیں:

اینڈر یو رپن کی تحقیق کے مطابق اولین مفسر عبداللہ ابن عباس ایک فرضی شخصیت ہیں، ان سے منسوب تمام روایات بعد میں وضع کر کے ان سے منسوب کر دی گئیں اور اس طرح ان کو تاریخی استناد فراہم کرنے کی کوشش کی گئی۔(1،456)۔

ہر برٹ برگ(Herbert Berg) نے اس پر اضافہ یہ کیا ہے کہ دور عباسی میں ابن عباس کی شخصیت کو نمایاں بلکہ مرکزی مقام دیا گیا اور ان کو عظیم مفسر کے طور پر پیش کیا گیا۔(1،501)۔

اس الزام کی تکرار ہیر لڈ موٹزکی(Harlad Motzaki) کے مقالے میں بھی ہے۔ان کے بقول ابن عباس سے منسوب تمام اسانید جعلی ہیں بلکہ ان کی رائے میں کل سرمایۂ تفسیر ناقابل اعتبار ہے۔(1،510)۔

ان مستشرقین کے ساختہ پرداختہ شاگرد ترک نژاد محمت عاکف کاک کی دانست میں مقاتل کی تفسیر مسخ صورت میں پائی جاتی ہے، اس میں کثرت سے حذف وترمیم اور الحاقی اضافے ہوئے ہیں۔(2،63-66)

Kees Versteegh نے ضحاک کی تفسیر کی مقبولیت کی یہ توجیہ بیان کی ہے کہ چونکہ اس تفسیر میں جہاد اور قتال کی تشویق ہے، اس کی عوامی سطح پر بہت پذیرائی ہوئی۔(3،75)۔

Ulrika Martensson نے برطانوی مستشرق John Wansbrough کے اس موقف کی تائید کی ہے کہ قرآن در حقیقت نویں صدی کے علماء کی اجتماعی تصنیف ہے۔(3،82-132)۔

Claude Gilliot نے پورے جزم کے ساتھ دعوی یہ کیا ہے کہ کاتبین رسول اللہ بائبل، یہودی، عیسائی روایات کے علاوہ دیگر زبانوں اور سیاست اور خطابت سے متعلق ارسطو کے افکار سے بھی بخوبی واقف تھے۔ان کاتبین کا رسول اللہ سے علمی تبادلۂ خیال رہتا اور ان سب کی مشترکہ تصنیف قرآن کی شکل میں سامنے آئی۔(3،84-122)۔

سویڈن نژاد مستشرق فاضلہ Ulrika Martensson کی مضحکہ خیز تحقیق کا خلاصہ یہ ہے: ''سنی نظریہ ریاست اور دور جدید کی اسلامی بنیاد پرستی کی رو سے شارع اللہ نہیں بلکہ رسول ہے، یہی وجہ ہے کہ دور جدید کے بنیاد پرستوں مثلاً حسن البناء، سید قطب، اور سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اسلامی فکری اور علمی میراث کو یکسر مسترد کر دیا''۔(3،123)۔

نارمن کالڈر کی تحقیق انیق یہ ہے: ''اسلامی بنیاد پرستی کی داغ بیل ڈالنے کے مجرم ابن کثیر اور ابن تیمیہ ہیں۔ وہ علمی روایت کا کوئی احترام نہیں کرتے۔ وہ صرف اپنے اور ایک صحیح معنی پر مصر رہتے ہیں۔ ابن کثیر تخیل کے قائل نہیں اور ابن تیمیہ سخت گیر نظریات کے حامل ہیں''۔(3،181-182)۔

سورہ النور کے اپنے تجزیے میں جی۔آر۔ہاٹنگ رقم طراز ہیں کہ اس سورۃ کی بہترین تفسیر ان صوفیاء نے کی ہے: السلمی، القشیری، اور الدیلمی اس کی آیات 34 سے 56 اس سورت کے مرکزی موضوع سے ہم آہنگ نہیں ہیں۔ تدوین مصحف کے مرحلے میں ان کو بعد میں اس سورۃ میں شامل کر دیا گیا، ان کی شمولیت مرتبین مصحف کی پراگندہ ذہنی کی غماز ہے''۔(4،175)۔

جین میک آلف ان قرآنی آیات پر سخت معترض ہیں جن میں شرک آمیز عیسائی عقائد کی قرآن نے نفی کی ہے۔(4،271)

سورہ المائدہ آیت ۵۱ میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ یہود اور عیسائیوں کو اپنا ولی نہ بنائیں۔ مفسرین نے اس کی یہ تشریح کی ہے کہ ان سے قرب خصوصی یا جنگی راز میں شریک نہیں کرنا چاہئے۔ اس حکم سے مراد ان سے عام معاشرتی، تجارتی تعلقات، حسن سلوک سے احتراز اور عدل وانصاف سے انحراف نہیں ہے لیکن اس فاضلہ نے ایران نژاد شیعہ مفسر طباطبائی کی سند پر اس کے معنی مکمل مقاطعہ کے بیان کیے ہیں اور یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ طباطبائی کی تفسیر مسلمانوں میں مقبول ہے۔(4،288)۔

مسلم سرمایۂ تفسیر پر مستشرقین کے ان تبصروں سے یہ بالکل واضح ہے کہ ان کی نظر میں اس کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ اپنے اظہار خیال میں انھوں نے غلط بیانی اور شدید بے احتیاطی کا مظاہرہ کیا ہے اور مفسرین کا متوازن، معروضی محاکمہ پیش کرنے میں وہ ناکام رہے ہیں۔

3.4 انسائیکلوپیڈیا آف دی قرآن

حال میں قرآن پر مغرب سے ۶ ضخیم جلدوں پر مشتمل قاموسی تصنیف The Encyclopaedia of the Qur'an (لائیڈن، ہالینڈ، ب 2001ء-2006ء) شائع ہوئی ہے۔ اس میں قرآنیات سے متعلق نو ہزار اندراجات شامل ہیں۔ حوالے کی یہ کتاب آئندہ عرصے تک مغرب میں کثرت سے استعمال ہو گی۔ اس کے بیشتر مقالات مستشرقین کے قلم سے ہیں۔ چند فروعی موضوعات پر مسلمان اہل قلم کے مختصر شذرات ہیں۔ البتہ یہ مسلمان مصنفین بھی ان ہی مستشرقین کے شاگرد اور بڑی حد تک ان ہی کی ذہنیت سے متاثر ہیں۔ تفسیر پر اس تصنیف میں شامل مقالے پر محاکمہ ذیل میں پیش ہے کہ یہ مستشرقین کے تازہ ترین رجحانات اور آراء کا عکاس ہے۔ زیر گفتگو مقالے کا عنوان ہے: ''جدید اور معاصر مسلم ذخیرۂ تفسیر''۔ مقالہ نگار جرمن نژاد مستشرق روٹراڈ وائیلینڈٹ Rotraud Wielandt، پروفیسر اسلامیات، بامبرگ یونیورسٹی، جرمنی ہیں۔ ان کے حیرت انگیز بلکہ عبرتناک مشاہدات اور نتائج کی تلخیص پیش ہے:

☆ جدید معاصر مسلم تفاسیر (آخر انیسویں صدی سے بیسویں صدی تک) بیش از بیش زمخشری، رازی، اور ابن کثیر کی تکرار اور نقل پر مشتمل ہیں۔ان میں کوئی جودت طبع، فکر نو یا ابتکاریت کا گزر نہیں۔

☆ زیادہ تر تفاسیر مصر کے اہل قلم کی ہیں۔

☆ گزشتہ دو صدیوں سے بعض مسلم ممالک میں مغرب کے نفوذ کے باعث اور ان کے خلاف رد عمل کے طور پر چند نئے نکات ضرور ملتے ہیں جن کا تعلق ان کے اپنے سیاسی، ثقافتی اور معاشرتی منظر نامے سے ہے۔

☆ یہ مفسر، قرآنی تصور جہاں اور جدید سائنسی نظریات کے درمیان تطابق میں کوشاں اور ناکام رہے ہیں۔ان کا ایک اور مخمصہ یہ ہے کہ مغربیت سے متاثر اپنے مسلم معاشرے کے لیے قرآنی اصولوں اور تعلیمات پر مبنی نظام حیات کیسے پیش کریں۔ان کو درپیش ایک بڑا مسئلہ یہ ہے کہ دور حاضر میں صنفی مساوات ایک مسلمہ حقیقت ہے، اس صورت میں وہ عورتوں سے متعلق قرآنی احکام کی مناسب توجیہ کیسے کریں۔

☆ ان تفاسیر کے مخاطب علماء ہیں، عوام نہیں۔صرف سید مودودی کی تفسیر تفہیم القرآن عربی اور علوم القرآن سے ناواقف بر صغیر ہندو پاک کے متوسط درجے کے تعلیم یافتہ مسلمانوں میں مقبول ہے۔

☆ روشن خیالی، عقلیت پسندی اور کلی اصلاح کے علمبردار صرف دو مفسرین ہوئے ہیں: ہندوستان نژاد سر سید احمد خاں اور مصر نژاد محمد عبدہ دونوں مغرب کی برکات سے استفادے کے پُرجوش وکیل ہیں۔سر سید نے قرآن میں مذکور تمام معجزات اور امور غیب کا انکار کیا ہے کیونکہ وہ سائنس سے متصادم ہیں۔محمد عبدہ کا بھی یہی موقف تھا کہ سائنس ہی وہ معیار ہے جس کی بنیاد پر قرآن کے معنی اور مطلب متعین کرنا چاہئے۔

☆ ایک اور مصر نژاد مفسر محمد ابوزید کی تفسیر ''الھدایۃ والعرفان فی تفسیر القرآن'' مغربی روشن خیالی سے متاثر ہے۔اس کی اشاعت پر مصر میں احتجاج اور اس پر پابندی عائد کردی گئی۔جامعہ ازہر کے اشارے پر یہ تعزیری کارروائی ہوئی۔بہر کیف ابوزید اجتہاد کے مناد ہیں اور قرآن میں مذکور معجزات اور فوق الفطری عناصر کے قائل نہیں۔

☆ ہندوستان نژاد ابوالکلام آزاد کی تفسیر ''ترجمان القرآن'' اور الجیریا نژاد عبدالحمید ابن بادیس کی تفسیر ''مجالس التذکیر'' بھی عقلیت پسندی کی نمائندہ ہیں۔

☆ محمد عبدہ کی تفسیر نام نہاد سائنسی تفسیر کے زمرے میں آتی ہے کہ ان کے بقول جن (Jinn) سے مراد جراثیم ہیں، سورہ الفیل کی ان کی تشریح یہ ہے کہ جراثیم زدہ مکھیوں نے ابرہہ کی فوج کو ایک وبائی مرض میں مبتلا کر دیا تھا۔ان بیانات سے محمد عبدہ قارئین کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ کوئی بھی قرآنی جزو سائنس۔عقل مخالف نہیں ہے۔اس نقطۂ نظر کی اولین تصنیف مصر نژاد طبیب محمد ابن احمد الاسکندرانی کی ''کشف الاسرار النورانیہ القرآنیہ'' (1879ء) ہے۔باقاعدہ تفسیر کی شکل میں اس کی مثال مصر نژاد شیخ طنطاوی جوہری کی

''الجواہر فی تفسیر القرآن الکریم''(1922ء) ہے۔ طنطاوی نے قارئین سے مطالعۂ سائنس کا مطالبہ کیا ہے کہ یہی سیاسی اور عسکری قوت کی کلید ہے۔ البتہ بعض معاصر مفسرین مثلاً رشید رضا، امین الخولی، محمود شلتوت اور سید قطب اس سائنسی نقطۂ نظر کے مخالف ہیں۔

مصر نژاد امین الخولی(1967ء) نے اپنی تفسیر میں ادبی منہج کو استعمال کیا۔ ان کے ہم عصر ادیب طٰہٰ حسین بھی اس موقف کے حامی ہیں کہ بطور ادبی شہ پارہ قرآن کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ البتہ جب الخولی کے شاگرد محمد احمد خلف اللہ نے اس ادبی منہج کو اپنے تحقیقی مقالے میں قرآن پر منطبق کیا تو علمائے ازہر نے محمد احمد خلف اللہ کی تکفیر کی کیوں کہ انھوں نے بعض قرآنی بیانات کے تاریخی استناد کے بارے میں شکوک وشبہات ظاہر کیے تھے۔

پاکستان نژاد فاضل داؤد رہبر نے تاریخ پر مبنی منہج کو متعارف کیا، وہ تصور ناسخ اور منسوخ کے اس طور پر قائل ہیں کہ رسول اللہ کے دور میں خود خدا نے اپنے احکام میں تبدیلی کی، اسی کی روشنی میں مفسرین کو آج اپنی تفاسیر میں دور جدید کے حالات کی رعایت کرنا چاہیے۔

مصر نژاد فاضل نصر حامد ابوزید نے اپنی تصنیف ''مفہوم النص''(1990ء) میں اس نکتے پر اصرار کیا کہ قرآن اصلاً ادب پارہ ہے لہذا اس کا مطالعہ اسی حوالے سے ہونا چاہیے۔ علمائے ازہر نے ان کے نقطۂ نظر کی مخالفت کی اور ان پر اسلام دشمن ہونے کا الزام عائد کیا۔

الجزائر نژاد اور عرصے سے فرانس میں مقیم ماہر اسلامیات محمد ارکون نے حامد ابوزید کے مسلک کا اتباع کیا۔ وہ علماء کی تفسیر سے مطمئن نہیں اور قرآن کی نئی تشریح کے علم بردار ہیں۔ وہ مصحف عثمانی کی صحت کے قائل نہیں ہیں۔

☆ معاصر مفسرین میں یہ تاثر عام ہے کہ ساتویں صدی کے قرآن اور آج کے منظر نامے میں بہت بُعد ہے۔ البتہ اسلام پسند مفسرین مثلاً سید قطب، سید ابوالاعلیٰ مودودی اور سعید حوی قرون اولیٰ کی جانب مراجعت پر اصرار کرتے ہیں۔ ان سب کے یہاں نظام اسلامی کا تصور مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ البتہ ان معاملات سے وہ برائے نام سروکار رکھتے ہیں جن میں قرآن دور جدید کے نظریات سے متصادم ہے۔

مصر نژاد فلسفی حسن حنفی نے 1993ء میں اپنی موضوعی تفسیر پیش کی، وہ وحیٔ الٰہی کے تصور کو اہمیت نہیں دیتے، ان کی دانست میں آج ضرورت اس کی ہے کہ متن قرآن کی انقلابی خطوط پر تشریح اور تعبیر کی جائے تاکہ سیاسی اور معاشرتی مسائل کا حل سامنے آئے۔

غرضیکہ مسلم تفسیر میں کوئی نمایاں تبدیلی نہیں ہے اور صدیوں قدیم منہج اب بھی مستعمل ہے۔ علماء اپنے اقتدار کو بدستور قائم رکھنا چاہتے ہیں اور نئی تشریح یا کوئی جدت ان کو قبول نہیں۔ مسلم ممالک کی حکومتوں اور علماء کے درمیان یہ غیر رسمی معاہدہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کی پشت پناہی کرتے ہیں۔ علماء کو غیر مسلم مطالعۂ قرآن بھی قابل قبول نہیں، تفسیر کے میدان میں روشن مثالیں صرف ان کی ہیں: داؤد رہبر، امین الخولی، حامد ابوزید اور فضل الرحمن کہ یہ فضلاء فکر مغرب سے استفادے میں پیش پیش ہیں۔

(اصل مقالے کے لیے دیکھیے: Rotraud Wielandt,"Exegesis of the Quran:Early Modern and Contemporary"in The Encyclopaedia of the Quran,2,124-142)

☆ اس مقالے سے مستشرقین کے بارے میں برآمد اہم نکات یہ ہیں:

(1)ایسے مفسرین کی قصیدہ گوئی جو تفردات اور تفسیری اصول اور روایات سے انحراف کے حامل ہیں۔

(2)علمائے ازہر کی تنگ نظری اور قدامت پرستی کی مذمت۔

(3)اسلام پسند مفسرین کی تنقیص۔

(4)داؤد رہبر جیسے مرتد کی ستائش۔

مسلم سرمایۂ تفسیر کے محاکے میں بھی مستشرقین کی اسلام دشمن ذہنیت آشکار ہوتی ہے۔ان کی شدید خواہش ہے کہ مسلمان اپنی تفسیری روایت کو ترک کر کے جدید رنگ میں رنگ جائیں۔

3.5 مستشرقین کی فتنہ پروری کی تردید

یہ امر باعث طمانیت ہے کہ بعض مسلم فضلاء نے انگریزی میں مستشرقین کے زائیدہ فتنے کا علمی تعاقب کیا ہے اور ان کے الزامات کا مسکت جواب دیا ہے۔ اس ضمن میں اولیت کا شرف عرب فاضل عبداللطیف طباوی کو حاصل ہے۔اپنی تصنیف English Speaking Orientalists(1946ء)میں انھوں نے مستشرقین کے اس صدیوں قدیم اعتراض کا دفاع کیا ہے کہ اسلام،قرآن بائبل سے ماخوذ اور مستعار ہے۔

بائبل کا علمی تجزیہ کرتے ہوئے انھوں نے اس حقیقت کو بے نقاب کیا ہے کہ بائبل میں بھی اس کے ماقبل کے بعض قصے اور روایات مذکور ہیں جو اصلاً قدیم مذاہب اور ثقافتوں سے مخصوص ہیں لہذا قرآن میں ماقبل کی روایات کا درآنا فی نفسہ کوئی قابل اعتراض عیب نہیں ہے۔مزید برآں،قرآنی قصص ماقبل کی روایات کی بڑی حد تک تقلیب سے عبارت ہیں کہ ان میں نمایاں روحانی،دینی اور اخلاقی پہلو اصل ماخذ میں ندارد ہیں مثلاً بائبل میں قصہ آدم اور حوا قرآنی بیانیے کی اس باعث نقل نہیں قرار دیا جاسکتا کہ ان دونوں کے واقعات، مقصود اور ان سے برآمد پندو موعظت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔قرآنی قصہ میں جو آفاقیت اور اخلاقی رفعت ہے،اس کا عشر عشیر بھی بائبل میں مفقود ہے۔

علمی تعاقب کی ایک ابتدائی، گو کہ ایک حد تک سرسری اور سطحی کاوش محمد خلیفۃاللہ کی The Sublime Quran and Orientalism(1983ء)ہے۔اس میں مستشرقین کے انگریزی تراجم قرآن اور مطالعہ قرآنیات کا جائزہ ہے۔تاریخی لحاظ سے اس کی اہمیت اپنی جگہ پر لیکن اس کی علمی اور تحقیقی سطح اور نقد و نظر کا معیار پست ہے۔

حال میں مستشرقین کی تردید میں دو گراں قدر تصانیف منظر عام پر آئی ہیں: ا) محمد مصطفی الاعظمی،شاہ سعود یونیورسٹی،ریاض، سعودی عرب میں اسلامیات کے پروفیسر کی مفصل اور تہہ رس تصنیف کا عنوان ہے: The History of the Qur'anic Text from Revelation to Compilation(Leicester, Islamic Academy,2003)۔اس میں وحی الٰہی کی تنزیل اور اس کی کتابت کا نظام، منصب رسالت، متن قرآن کی جمع وتدوین اور قرآن کی صحت اور حفاظت جیسے امور کو واضح کیا گیا ہے اور اس باب میں مستشرقین کے اعتراضات اور شبہات کا ازالہ کیا گیا ہے۔ تحقیقی منہج کے لحاظ سے یہ تصنیف قابل رشک ہے۔اس کے مطالعے

سے مصحف کی تاریخ بے غبار طور پر سامنے آتی ہے اور اس ضمن میں کسی شک اور تردد کی گنجائش نہیں رہتی۔

اس تصنیف کے لائق مطالعہ پہلو یہ ہیں: نزول قرآن کی مکمل تاریخ، کاتبین قرآن اور رسول اللہ کا متن کی صحت کے بارے میں غیر معمولی اہتمام، متن قرآن کی ترتیب، مصحف کی شکل میں جمع اور تدوین، فن کتابت کا تذکرہ، قراء ت سبعہ، ناسخ اور منسوخ کی کیفیت، غرضیکہ مصحف سے متعلق تمام امور کو یہ تصنیف محیط ہے۔ انداز بحث خالصۃً علمی اور مدلل ہے۔ مآخذ سے استفادے اور ان کے مکمل حوالے اور ان سے منطقی استنباط اس تصنیف کی دیگر خصوصیات ہیں۔

دوسری اہم تصنیف اس موضوع پر پروفیسر مہر علی کی یہ تصنیف ہے: The Quran and the Orientalists,Norwich,UK,2004

فاضل مصنف نے مستشرقین کے ان گمراہ کن بیانات کا قابل داد علمی تعاقب کیا ہے: قرآن کی تصنیف اور رسول اللہ، قرآن کے یہودی اور عیسائی مآخذ، ولیم میور، ڈیوڈ مارگولیتھ، رچرڈ بیل، منٹگمری واٹ، نولدیکی، آرتھر جیفرے، جان برٹن، مستشرقین، لکسن برگ اور ترمیم پسند مکتبۂ فکر (Revisionist School) کے فتنہ پرور مفروضات کی موثر اور مکمل تردید۔

3.6 متن قرآن کی صحت کا سائنسی ثبوت

مستشرقین کے یہ مسلمات میں داخل ہے کہ متن قرآن اپنی اصل شکل میں محفوظ نہیں ہے۔ نزول قرآن اور پھر بطور مصحف اس کے جمع اور تدوین میں طویل درمیانی وقفہ رہا اور رسول اللہ کے دور میں جو متن قرآن تھا، اس میں مسلسل ترمیم، حذف اور اضافے ہوتے رہے۔ وہ مصحف عثمان کی صحت کے بھی قائل نہیں بلکہ اس کے وجود کے بارے میں بھی شک وشبہ کا اظہار کرتے ہیں۔ ترمیم پسند (Revisionist) مستشرقین یہ مضحکہ خیز اور انتہائی مفسدانہ دعوی کرتے ہیں کہ وسط نویں صدی میں اسلام، قرآن، رسول اللہ اور صحابہ کی شخصیات، مکی اور مدنی دور، اسلامی ریاست، غیر مسلموں سے اولین مسلمانوں کے غزوات، حدیث اور سنت، غرضیکہ تمام اسلامی مظاہر اور شعائر وضع کیے گئے ورنہ یہ سب محض افسانہ ہیں۔ مستشرقین کے ان فتنہ پرور اعتراضات کا مسکت جواب مصطفی الاعظمی نے اپنی تحقیقی تصنیف The History of the Quranic Text میں بخوبی دیا ہے۔

حال میں سائنسی تحقیق سے یہ بے غبار طور پر ثابت ہو گیا کہ لائیڈن یونیورسٹی، ہالینڈ میں محفوظ ایک قدیم قرآنی مخطوطے کے سن کتابت کا تعین ہوا ہے۔ قرآنی مخطوطات کا تجزیہ کتبہ خوانی اور علم قدیم نگارشات کی روشنی میں مغربی فضلاء عرصے سے کرتے آئے ہیں۔ ان کا مقصود بلکہ دلی خواہش یہی رہتی ہے کہ کسی ضعیف بنیاد پر بھی وہ متن قرآن کی صحت کو مجروح کر سکیں اور مصحف کی تاریخی حیثیت کو باطل قرار دیں۔ اس شعبہ میں فعال مستشرقین Jacob George، اور Michele Amari ہوئے ہیں۔ عصر حاضر میں اس ضمن میں نمایاں نام Francois Deorche کا ہے۔ قرآن کے قدیم مخطوطات کثرت سے مغربی کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔ مثلاً جرمنی اور انگلستان کی متعدد جامعات میں۔ لائیڈن یونیورسٹی، ہالینڈ میں پارچوں پر مشتمل قرآن کا ایک مخطوطہ ہے۔ ماہر آثار قدیمہ

M.G.Guesdon کی سائنسی تحقیق کے مطابق یہ نسخہ رسول اللہ کی وفات کے صرف تیس سال بعد ضبط تحریر میں آیا تھا۔اسی سائنسی تجزیے میں پیرس، برلن اور آکسفورڈ کے ماہرین بھی شامل تھے۔20، اپریل 2015ء کو مفتی اعظم مصر، ڈاکٹر شوقی علام نے اس نسخے کا معائنہ کیا۔اصلاً یہ نسخہ فسطاط شہر میں تھا جو قاہرہ سے قبل مصر کا دارالخلافہ تھا۔اس نسخے کے بعض پارچے قومی لائبریری، پیرس اور قومی لائبریری، سنیٹ پیٹرز برگ، روس میں بھی موجود ہیں۔اس مصحف کا خط حجازی ہے جو ساتویں اور آٹھویں صدی میں مروج تھا۔حاشیہ پر اللہ کی حمد و ثنا ہے کہ اس نے کاتب کو اس کو تیار کرنے کی سعادت بخشی۔مغربی محققین نے کاتب کے خط کا بھی سائنسی تجزیہ کیا ہے اور اس کے لیے کمپیوٹر کی جدید، اعلی ترین تکنیک استعمال کی ہے۔ان کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ تمام پارچے ایک ہی کاتب کے خط میں ہیں اور خط میں کہیں کوئی تغیر نہیں۔

چونکہ قدیم خط میں ترقیمہ کا رواج نہیں تھا جس سے سن کتابت، کاتب کا نام اور مقام کا علم ہو، اس لیے ان مغربی ماہرین سے قرآن کے اس مخطوطے کا معائنہ Carbon Dating کے ذریعے کیا گیا، یہ وہ معروضی، تکنیکی طریقہ کار ہے جس سے کسی شے کا سن متعین ہوتا ہے۔اس مخطوطے کا سن کتابت یہ برآمد ہوا: 43ھ، 122ھ مطابق 652ء-763ء یعنی رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بیس سال بعد یا اس سے کچھ زائد۔اس مغربی معروضی تحقیق سے مسلمانوں کا یہ موقف ثابت ہو گیا کہ رسول اللہ کی حیات میں نازل قرآن کو آپ کاتبین کو املا کرا دیتے تھے بعد میں ان پارچوں پر مشتمل مصحف کی شکل میں جمع اور مدون ہوا اور یہی اولین مصحف روز اول سے آج تک مسلمانوں میں رائج ہے جس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے۔

3.7 کورپس قرآنکیم: قرآنیات سے متعلق مستشرقین کا تازہ علمی منصوبہ

2007ء سے اکیڈمی برائے سائنسی اور بشریاتی علوم، برلن، جرمنی میں قرآنیات پر مستشرقین کا تازہ ترین علمی منصوبہ کورپس قرآنکیم Corpus Coranicum انتہائی وسیع پیمانے پر جاری ہے۔اس منصوبہ کے تحت بعض قرآنی سورتوں کی تفسیر منظر عام پر آچکی ہے ، اسی پر محاکمہ ذیل میں پیش ہے ۔منصوبے کی تکمیل میں ابھی کئی اور سال درکار ہیں، اس کا اصل ہدف قرآن کا تحقیقی اور تنقیدی (Critical) ایڈیشن مرتب کرنا ہے جو آئندہ مغرب میں مصحف کے طور پر علمی حلقوں میں استعمال ہو گا۔اس منصوبے کا ایک مقصد قرآنیات سے متعلق کل سرمایۂ علم کو جمع کرنا ہے اور اس میں ترجیح قرآنی مخطوطات کے حصول کی ہے۔

مستشرقین کے لیے ذرائع اور وسائل کی کوئی کمی نہیں لہذا یہ مقصود آسانی سے حاصل ہو جائے گا۔ان کے پیش نظر ما قبل اسلام اور اوائل اسلام کے دور کے تمام لوازموں کا حصول بھی شامل ہے مثلاً جاہلیہ دور، یہودی، عیسائی، زرتشتی اور بحیرہ روم کی مذہبی، اسطوری، ثقافتی اور معاشرتی روایات اور عوامی داستانوں اور نغموں اور شعر و ادب کے ذخیرے کو جمع کرنا اور ان کا اس نقطۂ نظر سے تحقیقی مطالعہ اور تجزیہ کرنا ہے کہ اسلام کہاں تک ان مآخذ سے مستعار ہے۔مخطوطات اور قدیم دستاویزات اور اشیاء کا سن تاریخ متعین کرنے کے لیے ان کو جدید ترین سائنسی آلے اور تکنیک بھی دستیاب ہیں۔اس ضمن میں Carbon dating بطور خاص اہم ہے کہ اس سائنسی طریقہ کار سے کسی شے، کاغذ، کھال، روشنائی وغیرہ کے سن تاریخ کا تیقن کے ساتھ علم ہو جاتا ہے۔

اس منصوبہ کے تحت 14 ہزار مخطوطات کا عمیق اور دقیق مطالعہ جاری ہے، اس کے پس پشت ان ماہرین کا کیا مقصد ہے، اس ذہنیت کا اندازہ منصوبے کے ڈائرکٹر مائیکل کلارکس کے اس بیان سے بخوبی ہوتا ہے: ''قرآن از خود وجود میں نہیں آیا۔ ساتویں صدی کے عرب پر یہ اثرات نمایاں تھے: بازنطینی اور ایرانی سلطنت اور ان کی ثقافت اور تمدن، عیسائی ادریت، عرفانیت، قدیم عربی شاعری پر مستولی عینیت پرستی، عیسائی اور یہودی مذہبی عقائد اور روایات۔ ان اثرات کے حوالے سے ہی قرآن کی تفہیم ممکن ہے''۔

یہ منصوبہ درحقیقت بیسویں صدی کے جرمن استشراق کی توسیع ہے اور اس کا منہج متنی تنقید ہے۔ اس منصوبے کے بنیاد گزار یہودی عالم دین اور مستشرق Abraham Geiger ہیں، ان کی یہ تصنیف اس منصوبے کی اساس ہے: Was hat Mohammed aus dem judenthume aufgenommen (1833ء) ہے۔ اس جرمن کتاب کے عنوان کا ترجمہ یہ ہے: ''محمد نے یہودیت سے کیا کیا مستعار لیا؟''۔ اس منصوبے کا دوسرا ستون ان مستشرقین کی تصانیف ہیں جن کی تحقیق کا ماحصل یہ ہے کہ اسلام، قرآن عیسائیت سے ماخوذ ہے۔ اس میں سرفہرست انگریزی مترجم قرآن Richard Bell کی یہ تصنیف ہے: The Origin Of Islam In Its Christian Environment 1925ء یعنی ''عیسائی پس منظر میں اسلام کی اصلیت''۔

اس منصوبے کے ایک اور نظریاتی بانی جرمن مستشرق Theodor Noldeke اور ان کی اہم تصنیف Geschichte des Qorans 1859ء ہے۔ اس کے عنوان کا ترجمہ یہ ہے: ''تاریخ قرآن''۔ اس منصوبے کے ایک اور نظریہ ساز آسٹریلیائی مستشرق Arthur Jeffrey ہیں۔ ان کی تحقیق کا لب لباب یہ ہے کہ کثرت سے قرآنی الفاظ دیگر زبانوں سے مستعار ہیں، اسی باعث ان کی تصنیف کا عنوان ہے: The Foreign Vocabulary of the Quran 1938ء ہر چند کہ اس کا عنوان ہے: ''غیر ملکی زبانوں سے مستعار قرآن کا ذخیرۂ لفظیات''۔ موصوف قرآن کے لاکھوں الفاظ میں صرف 318، غیر عربی الفاظ کی نشاندہی کر پائے ہیں۔ موصوف فعال مشنری اور مغربی جامعات میں اسلامیات کے استاد تھے۔

اس منصوبے کی سربراہ فری یونیورسٹی، برلن، جرمنی میں شعبۂ عربی کی خاتون پروفیسر Angelika Neuwirth ہیں۔ اس منصوبے کے محتویات یہ ہیں: اولین قرآنی مخطوطات اور پارچوں کی تاریخ کتابت کا تعین، ان میں مستعمل روشنائی کا کیمائی تجزیہ، قراءت اور رسم الخط (املا وغیرہ) میں اختلاف کے عکاس نسخوں کا خصوصی مطالعہ اور عربی سے متعلقہ زبانوں مثلاً عبرانی، سُریانی، جنوبی عرب کی قدیم زبان اور حبشی دستاویزات سے موازنہ۔ اس منصوبے کا ایک اہم جزو قرآن پر ایک نئی جامع تفسیر کی تصنیف ہے، اس کے لیے منہج متنی، ادبی تنقید کا منتخب کیا گیا ہے اور اس تفسیر میں ہر سورت کے ان پہلوؤں پر توجہ مرکوز ہے: اس کی وحدت، اس کا بتدریج ارتقاء، اور اس کی ساخت، ہیئت اور دیگر خصوصیات۔

مختصراً اس منصوبے کے تحت حسب ذیل چار شعبے ہیں:

1) قرآنی مخطوطات کا بالاستیعاب تنقیدی مطالعہ
2) اولین مصاحف میں اختلافات کی نشاندہی
3) قرآن کے دور کے دیگر متون سے قرآن کا موازنہ
4) متن قرآن پر مبسوط تفسیری حواشی۔

2023ء تک انٹرنیٹ پر دس سورتوں پر تفسیر منظر عام پر آئی ہے، اس کے اہم نکات کی تلخیص ذیل میں پیش ہے:

سورہ الفاتحہ: ہر چند کی اس کی ابتداء ''بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ'' سے ہوتی ہے لیکن اس آیت کا اضافہ بہت بعد میں کیا گیا۔ اس میں تین اسمائے الٰہی مذکور ہیں، یہ اس لحاظ سے عیسائی کلمۂ تثلیث سے مماثل ہیں کہ اس میں بھی تین اسمائے خداوندی استعمال ہوئے ہیں۔ چوتھی سے چھٹی صدی کے کتبوں میں ''رحمان'' نام کا رواج عام ہے۔ اس کی آیت میں ''رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ'' کی ترکیب عبرانی سے ماخوذ ہے۔ ''یَوۡمِ الدِّیۡنِ'' سُریانی زبان کی ترکیب ہے۔ آیت 5 میں یک بہ یک خطاب اہل ایمان کی جانب سے ہے: ''اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ''۔ جب کہ عام قاعدہ یہ ہے کہ خطاب خدا کرتا ہے اور پیغمبر اور انسان اس کے مخاطب ہوتے ہیں۔ یہ مناجات عیسائی مراسم عبادت کے مشابہ ہے۔ آیت 6 میں ''صراط مستقیم'' کا تصور عیسائیت سے مستعار ہے۔ (دیکھئے زبور: 27:11)۔ چونکہ عیسائیت کا ذکر قرآن میں تحسین کے ساتھ آیا ہے ''اَلۡمَغۡضُوۡبِ'' یا ''اَلضَّآلِّیۡنَ'' کا اطلاق ان پر نہیں ہوتا۔ یہود کا مغضوب الٰہی ہونا مدنی سورتوں میں مذکور ہے جبکہ الفاتحہ مکی دور کی ہے لہذا اس سے مراد یہود بھی نہیں ہیں۔ مختصراً سورہ الفاتحہ Christian Lord's Prayer (متی 6:9-13 اور لوقا 11:2-14) کا چربہ ہے۔ اس میں مذکور خدا کی رحمت اور غضب کے تصورات کا مرجع یہودی مذہبی روایت ہے۔

سورہ الفجر: آیت 2 میں ''دس راتوں'' کا ذکر ہے۔ ماقبل اسلام کے عرب معاشرہ میں ان کو مقدس متصور کیا جاتا تھا۔ اسی طرح عاد اور ثمود کا تذکرہ بھی جاہلی ادب مثلاً ابن ابی الصلت کی شاعری میں ملتا ہے۔ زہیر کے معلقہ میں بھی یہ تلمیح موجود ہے لہذا یہی اس سورہ کے ماخذ ہیں۔ آیت 16 میں لفظ ''رزق'' آرامائی زبان کا لفظ ہے۔ آیت 22 میں قیامت کے دن صف در صف فرشتوں کی حاضری کا پیکر بائبل (متی 25:31) پر مبنی ہے۔ آیات 17 تا 20 میں معذب قوموں کا بیان بھی بائبل کی کتب سے مشابہ ہے۔

سورہ البلد: آیت 10 میں خیر وشر کے دو مختلف راستوں کا خیال بائبل (متی 7:13-14) کی بازگشت ہے۔ اسی طرح آیات 13 تا 16 ہیں جو کار خیر مندرج ہیں وہ بائبل کی کتاب Isaiah(58:6-7) کی نقل ہیں۔ ''اَصۡحٰبُ الۡمَیۡمَنَةِ'' اور ''اَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَةِ'' کی تراکیب بھی بائبل سے اخذ کی گئی ہیں۔

سورہ الشمس: آیت 13 کا مفہوم یہ ہے کہ قوم ثمود کے جس شخص نے اونٹنی کو قتل کیا، اسے اپنے فعل کے عواقب کی کوئی پرواہ نہ تھی، وہ اپنے آپ کو کسی کے سامنے جواب دہ نہیں سمجھتا تھا۔ اس صفت کو خدا پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے۔

سورہ اللیل: اس سورت میں خوف خدا کا مضمون تواتر سے ہے اور یہ مضمون بائبل سے اخذ کیا گیا ہے۔ اسی طرح تکذیب حق قرآنی اصطلاح نہیں ہے، زبور میں اس سے خبردار کیا گیا ہے۔ اللہ کی رضا کا طالب کا تصور بھی بائبل کی دین ہے۔ اس میں قرآن کی کوئی ندرت نہیں ہے۔ آخرت پر ایمان اور خوف خدا کے تصورات کا مرجع بھی بائبل ہی ہے، یہ عیسائی خانقاہی نظام میں معروف ہیں۔

سورہ الضحی: مستشرق Arne Ambros کی دانست میں الرحمان کا رحمت الٰہی سے کوئی معنوی تعلق نہیں ہے، اس کا

مفہوم انذار ہے۔اس سورت کی آیت 5 میں رسول اللہ ﷺ کو یقین دہانی کرائی گئی ہے کہ ان کی آخرت ''اَلْاُوْلٰی''(اس دنیا) سے بہتر ہو گی۔ دو دنیاؤں کا تصور یہودی اور عیسائی مذہبی روایت میں پہلے ہی سے موجود تھا۔آیت 6 میں آپ سے انعام الٰہی کا وعدہ ہے۔زبور میں بھی ایسا ہی وعدہ ایک پیغمبر الٰہی سے کیا گیا ہے۔(20:5)۔آیت ۷ کے مطابق خدا نے پیغمبر کو ہدایت بخشی۔یہ مضمون بائبل میں بہ کثرت آیا ہے۔سورہ الضحیٰ زبور باب 13 سے مستعار ہے۔

سورہ الشرح:اس سورہ میں شرح صدر اور بوجھ اتارنے کے تصورات زبور سے ماخوذ ہیں۔اس سورہ میں مذکور انعامات الٰہی کو محمد سے مخصوص سمجھا جاتا ہے، درحقیقت یہ خطاب عام ہر انسان کے لیے ہے۔

سورہ التین:اس سورہ کے مندرجات پر یہودی مذہبی روایات اور سُریانی، یونانی اور عبرانی ذخیرۂ الفاظ کا اثر نمایاں ہے۔

سورہ العلق: ''اِقْرَء''عبرانی اور ''اَلزَّبَانِیَۃ'' سُریانی زبان کے الفاظ ہیں۔یہ روایت بعد میں وضع کی گئی کہ اس سورہ کی آیات 1 تا 5 اولین وحیٔ الٰہی ہیں۔اگر یہ اولین سورت ہے تو اس میں اسلام کے مخالفین کا ذکر کیوں ہے۔

سورہ القدر: تنزیل کا تصور قدیم عربی شاعری اور بائبل میں پہلے ہی سے موجود تھا۔اس سورت میں مستعمل ''اَنْزَلْنٰہُ'' کے ضمیر کو قرآن یا حدیث پر منطبق نہیں کیا جاسکتا ہے کہ اس وقت ان کا وجود ہی نہیں تھا۔القدر عیسی کے یوم پیدائش کے لیے سُریانی،آرامائی اصطلاح ہے ۔مستشرق Luxenberg کی رائے میں اس سورت میں عیسی کی شب پیدائش کی جانب تلمیح ہے ۔''لَیْلَۃُ الْقَدْرِ''مستشرق Wagtendonk کی دانست میں 27، رجب ہے جو اہل مکہ کے لیے یوم عید تھا۔بعد میں اسے رمضان کی شب سے مختص کر دیا گیا۔آیت 4 میں نزول ملائکہ کا تصور بائبل (پیدائش 28:12-13) سے ماخوذ ہے۔

سورہ الزلزال: یوم قیامت فنا کن زلزلے کا بیان بائبل کی کتاب Apocalypse of John (13:11) میں ہے لہذا نزول قرآن کے وقت یہ تصور اہل عرب میں معروف تھا۔Jacob Van Asrug کی سُریانی نظم کا مرکزی موضوع بھی اس عالم کی تباہی اور ایک نئے عالم کی ابتداء ہے۔

ابھی تک اس کورپس قرآن کیم منصوبے کے زیر اہتمام صرف مذکورہ بالا سورتوں کی تفسیر پیش کی گئی ہے۔ان کی تلخیص سے یہ واضح ہے کہ مقصود صرف قرآن کی بے وقعتی ہے۔جابجا قرآنی مضامین اور تراکیب کا مرجع متعدد مصادر کو قرار دیا گیا ہے اور قرآن میں کسی ابتکاریت یا اس کے وحیٔ الٰہی ہونے کی شدومد کے ساتھ تردید کی گئی ہے۔یہ تحقیق حالیہ برسوں میں اور اپنے معروضی، غیر جانبدارانہ موقف اختیار کرنے کے باوصف ہے۔ان بے بنیاد الزامات کی تردید مسکت طور پر ان کتب میں ہے، ان کے مطالعے سے اس ضمن میں کوئی غلط فہمی نہیں باقی رہے گی:

1) M.Mohar Ali,The Quran and the Orientalists

2) M.Mustafa Azmi,History of the Quranic Text

3) عبدالرحیم قدوائی، اسلام اہل مغرب کی نظر میں، مرتبہ: رفیق احمد رئیس سلفی، علی گڑھ، ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی، 2023ء

4) محمد شہباز منج، فکر استشراق اور عالم اسلام میں اس کا اثر و نفوذ، پاریکھ بک ڈپو، لکھنؤ، 2024ء

3.8 ترمیم پسند (Revisionist) مستشرقین کا قرآن کے بارے میں موقف

بیسویں صدی میں 1980ء کے عشرے سے قرآن سے متعلق مستشرقین کا ایک نیا شر انگیز موقف مقبول ہوا ہے بلکہ یہ دور حاضر کا معروف نقطۂ نظر ہے کہ اسی مکتب فکر کے نمائندہ اساتذہ مغربی جامعات میں بطور استاد مقرر ہیں اور ان کے زیر اثر ہر سال درجنوں تحقیقی مقالوں پر دکتوریت کی سند عطا کی جاتی ہے اور جرائد میں متواتر اسی نوع کی تحقیقات جرائد کی زینت بنتی رہتی ہیں گویا چہار سو غلغلہ اسی مکتب فکر کا ہے جس کا بنیادی موقف یہ ہے کہ اسلام کے بارے میں کسی قدیم مسلمان ماخذ پر قطعاً اعتبار نہ کیا جائے بالفاظ دیگر سیرۃ، حدیث اور تفسیر کا سارا سرمایہ ناقابل اعتناء ہے بلکہ آثاریات، علم کتبہ شناسی، خطاطی، علم مسکوکات اور معاصر غیر عربی، اسلامی مآخذ کی شہادتوں کی بنیاد پر اسلام کے بارے میں کوئی رائے قائم کی جائے۔

اس مکتب فکر کے مطابق مسلم مآخذ کو سرے سے درکنار کر دینا چاہئے کہ وہ ان کے مصنفین اور راویوں کو مشکوک بلکہ مجہول قرار دیتے ہیں۔ اس گروہ کے سرخیل لندن یونیورسٹی کے استاد جان وانسبرا ہیں جن کی یہ دو تصانیف اس ضمن میں کلیدی حیثیت کی حامل ہیں:

1. Quranic Studies: Sources and Methods of Scriptural Interpretation(1977)
2. The Sectarian Milieu: Content and Composition of Islamic Salvation History(1978)

ان کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ صرف غیر اسلامی مآخذ پر انحصار کیا جائے کیونکہ مسلم مآخذ مبالغہ آمیز تقدیس سے پُر ہیں اور یہ وضع کردہ ہیں۔ یہ فکر درحقیقت انیسویں صدی کے مستشرق Ignaz Goldziher اور وسط بیسویں صدی کے Joseph Schacht کے اس نقطۂ نظر کی توسیع ہے کہ کل سرمایۂ حدیث فرضی ہے جسے آغاز اسلام کے کئی سو سال بعد وضع کیا گیا اور اسے اوائل اسلام کی مبینہ شخصیات سے منسوب کر دیا گیا۔ محمد مصطفی اعظمی نے اپنی مبسوط تصنیف Studies in Early Hadith Literature(Beirut,1968) میں اس الزام کی مسکت تردید کی ہے۔

ترمیم پسند مکتبہ فکر کے ایک انتہائی فعال فاضل اینڈریو رپن Andrew Rippin نے اپنے استاد جان وانسبرا John Wansbrough کے نقطۂ نظر کی یہ صراحت کی ہے: ''وانسبرا نے اسلام سے متعلق ثبوت کے بارے میں بنیادی سوال اٹھائے۔ کیا کسی غیر مسلم مآخذ سے اسلام، قرآن کے وجود کی تصدیق ہوتی ہے؟ اس امر کا کیا ثبوت ہے کہ قرآن کی تدوین محمد کی وفات کے بعد جلد ہی عمل میں

آگئی جب کہ آٹھویں صدی کے غیر مسلم مآخذ سے قرآن کے وجود کا سراغ لگتا ہے؟ خارجی شواہد سے ظاہر ہے کہ قرآن کی تدوین اوائل نویں صدی سے قبل نہیں ہوئی‘‘۔ قرآن کے بارے میں وانسبرا کی تحقیق انیق یہ ہے:

1) قرآن کے مختلف اجزاء کی اصل حجاز نہیں بلکہ عراق اور شام کی قوموں کی تاریخ ہے۔ قرآن کے اجزاء زبانی روایات پر مشتمل تھے، ان کو آٹھویں صدی کے آخر میں مرتب اور مدون کیا گیا۔

2) ان مذہبی روایات کے صرف ایک قلیل جزو کو مصحف قرآن میں شامل کیا گیا بقیہ کو احادیث کی شکل میں مرتب کر لیا گیا۔

3) بعد کے دور میں جب کلاسیکی عربی اور اس کے اصول صرف و نحو متعارف ہوئے، مصحف قرآن اور تفاسیر وجود میں آئیں۔

4) یہودیوں سے مخالفت کے باعث مصحف قرآن منظر عام پر آیا کہ اس کا بیشتر حصہ یہودیوں کے خلاف مناظرے سے عبارت ہے۔

5) اسلام کا تصور جہاں اور اس کے مختلف نظام بعد کی صدیوں میں مرتب ہوئے لیکن ان کو محمد کے دور سے منسلک کر دیا گیا تا کہ ان کو تقدس اور مذہبی حیثیت حاصل ہو۔

6) پہلی صدی ہجری، ساتویں صدی کا کوئی مسلم ماخذ نہیں ملتا، اس طرح اس دور کے مبینہ واقعات کی تصدیق کسی غیر مسلم ماخذ سے بھی نہیں ہوتی۔

وانسبرا کی اس فکر کو مندرجہ ذیل مستشرقین نے مستحکم تر کیا:

(1) ڈنمارک نژاد پیٹریشیا کرون Patricia Crone کی اہم تصنیف The Making of the Islamic World (1977ء) ان کے شریک مصنف مائیکل کک Michael Cook ہیں۔ اس کا موضوع اسلام کی اصلیت اور اس کی تاریخ ہے۔ اس کے اہم نکات یہ ہیں: قرآن ساتویں صدی، محمد کے عہد کے بہت بعد میں وجود میں آیا۔ مکہ کی کوئی امتیازی حیثیت نہیں ہے بلکہ ایک مقدس مقام شمال مغرب عرب میں کسی جگہ واقع تھا۔ جنگی فتوحات کے بعد ہی اسلام کے خدوخال طے ہوئے۔ محمد کی ہجرت مدینہ محض ایک افسانہ ہے۔ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں مسلم کی اصطلاح بھی مستعمل نہیں تھی۔

(2) مائیکل کک Michael Cook برطانوی مستشرق ہیں اور امریکی جامعہ پرنسٹن میں استاد ہیں۔ ان کی اہم تصانیف یہ ہیں:
Studies in the Origins of Early Islamic Culture and Tradition 2004ء

اور سیرۃ پر ان کی تصنیف 1996ء ان کی دانست میں قرآن کی کوئی حیثیت یا انفرادیت نہیں ہے صرف مسلمانوں نے بربنائے عقیدہ اسے ایک مقدس کتاب فرض کر لیا ہے۔ قرآن میں غیر عرب لوازمہ کثرت سے ہے اور یہودیت کا اثر سب سے زیادہ نمایاں ہے، البتہ اس میں عیسائی عناصر بھی کارفرما ہیں۔

(3) جرمن نژاد کرسٹوف لگزنبرگ (Christoph Luxenberg)، اس قلمی نام سے قرآن کو اپنے اعتراضات کا ہدف

بنائے ہوئے ہیں۔ان کی تصنیفThe Syro-Aramaic Reading of the Koran(2007ء)کالب لباب یہ ہے کہ قرآن اصلاً سریانی اور آرامائی زبان میں تحریر ایک عیسائی صحیفے کا چربہ ہے، قرآن کا اپنا کوئی وجود نہیں،ان کے بقول قرآن کے مبینہ دور میں عربی زبان ہی منظر عام پر نہیں آئی تھی۔اس کا کوئی تحریری سرمایہ بھی نہیں تھا۔اس دور کی ترقی یافتہ زبان سریانی تھی۔قرآن سریانی اور آرامائی زبانوں میں عیسائی صحائف سے ماخوذ ہے،اسی کی بنیاد پر قرآن تیار ہوا۔مہر علی نے بجا طور پر یہ نشاندہی کی ہے کہ لگزنبرگ کی نام نہاد تحقیق کی اساس قرآن کے چند معرب الفاظ پر ہے۔مثال کے طور پر جنت بلا شبہ آرامائی لفظ ہے لیکن قرآن نے جنت کا جو تصور پیش کیا ہے،وہ بے نظیر ہے۔

(4)یہودا نیووYehuda D.Nevo یہودی،اسرائیلی ماہر آثاریات بھی اس مکتب فکر سے متعلق ہیں۔آثاریات کے حوالے سے انھوں نے یہ دعوی کیا ہے کہ نویں صدی سے قبل اسلام،قرآن اور مسلمانوں کی کوئی آثاریاتی شہادت نہیں ملتی۔اس لیے پہلی اور دوسری صدی ہجری سے منسوب اسلامی تفصیلات فرضی ہیں۔مغربی فاضلہEstelle Whelan نے نیوو کے مذکورہ بالا دعوی کی قلعی اس طرح کھولی ہے کہ انھوں نے ان آثاریاتی شہادتوں کی جانب توجہ مبذول کرائی ہے: قبۃ الصخرہ پر اموی دور کا کتبہ،مسجد نبوی پر کندہ خلیفہ الولید کا کتبہ اور پہلی صدی ہجری میں مدینہ میں کاتبین قرآن کی موجودگی کا ثبوت۔(تفصیل کے لیے دیکھئے: Journal of American Oriental Society،118:4،ص ص1تا14)۔

مزید برآں،اس بدیہی حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ بائبل میں محض زبانی روایات یا اجتماعی حافظے پر مبنی ایسے متعدد قصے درج ہیں جو کہ ہزاروں سال بعد ضبط تحریر میں آئے اور جن کی شہادت آثاریات سے نہیں ملتی۔

(5)ابن وراقIbn Warraq کے فرضی نام سے یہ مصنف اسلام کو منہدم کرنے کے مقصود سے تصانیف تحریر اور مرتب کرنے میں انتہائی سرگرم ہیں۔سوقیانہ لب ولہجے اور تحقیق سے عاری اس کی درجنوں تصانیف منظر عام پر آچکی ہیں جن کا ہدف اسلام،قرآن،سیرۃ،صحابہ،اسلامی تاریخ کو مطعون اور مردود قرار دینا ہے۔ترمیم پسند مکتب فکر سے اسے بہت تقویت ملی ہے۔اس مکتب فکر کے نمائندہ دیگر مستشرقین یہ ہیں:

Norman Calder☆ Martin Hinds☆ Andrew Rippin☆

Gerd-Rudiger Puin☆G.R.Hawting☆ G.Hoylant☆

Hans Jansen☆Gunter Luling☆

ان اہل قلم کے ہاں تحقیق کے یہ نکات مشترک ہیں: قرآن اور سرمایۂ حدیث کی کوئی تاریخی حیثیت نہیں ہے۔ابتداء میں اسلام ایسا موحدانہ نظام تھا جس میں یہودی اور مسلمان شانہ بشانہ شریک تھے۔اسلام کا آغاز مکہ میں نہیں بلکہ بازنطینی اور رومی سلطنتوں کے نزد واقع کسی مقام پر ہوا۔محمد، علی وغیرہ افسانوی شخصیات ہیں۔اموی دور حکومت میں جنگی فتوحات کے بعد اسلام کو عرب تشخص حاصل ہوا۔علماء منظر عام پر بہت بعد میں آئے۔اردن میں واقع پیٹرا(Petra) شہر میں اسلام کا آغاز ہوا نہ کہ مکہ میں۔عباسی دور حکومت میں علوم اسلامی مدون

ہوئے،اس سے قبل کا کوئی اسلامی ماخذ دستیاب نہیں ہے۔ شریعت کے قوانین رسول اللہ نے نہیں وضع کیے۔ یہ مشرق قریب کے خطے میں رائج قوانین کی نقل ہیں۔ مسلمان من حیث القوم ناخواندہ تھے، علماء کا تعلق زرتشتی اور یہودی مذہبی روایات سے تھا۔ قرآن کے متن میں ترمیم اور اضافے محمد کی وفات کے بعد بھی ہوتے رہے۔ قرآن کے مبہم اور مغلق ہونے کا سبب اس پر سُریانی زبان کا غیر معمولی اثر ہے جس کے باعث اس کا مفہوم بیشتر مقامات پر واضح نہیں ہے، چونکہ احادیث محمد کی وفات کے ڈیڑھ دو سو برس بعد ضبط تحریر میں آئیں، ان پر قطعاً اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ آٹھویں اور نویں صدی میں وضع حدیث کا رواج عام تھا۔ ساتویں صدی کے اسلام اور ما قبل اسلام کی عجمی اور بازنطینی روایات اور تہذیبوں میں کوئی نمایاں فرق نہ تھا۔ اسلامی تشخص کا تصور بہت بعد میں مقبول ہوا۔

اپنی گراں قدر تصنیف میں مہر علی نے اس مکتب فکر کے مزعومات کا مدلل ابطال کیا ہے۔ اس مکتب فکر کے بیانات نئی طلسم ہوش ربا سے کم نہیں، ان کے دعووں پر عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ ان کے بقول ساتویں صدی میں اسلام، قرآن، رسول اللہ، مکہ اور مدینہ، اسلامی ریاست، غزوات، حدیث، سیرۃ طیبہ، صحابہ، شریعت اور کسی بھی اسلامی مظہر یا ادارے کا وجود ثابت نہیں کہ ان فضلاء کا اصرار ہے کہ یہ سب افسانے تقریباً دوسو سال بعد نویں صدی میں وضع کیے گئے۔ بہر کیف چونکہ یہ مکتب فکر مغرب میں رائج ہے، اس کے تنقیدی مطالعے اور علمی تعاقب مسلم فضلاء اور محققین کا فرض ہے۔

3.9 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- مستشرقین کے مطالعۂ اسلام کی تاریخ۔
- مستشرقین کا اسلامی سرمایۂ علم کے بارے میں موقف۔
- قرآن پر مستشرقین کے اعتراضات کی نوعیت۔
- مستشرقین کی تنقید کی تردید۔
- قرآن کے بارے میں مستشرقین کی حالیہ مطبوعات اور رجحانات۔

3.10 کلیدی الفاظ

مستشرق	کلیسا	استعماریت
تبشیری مہم	انسائیکلوپیڈیا آف دی قرآن	کورپس قرانکیم منصوبہ
ترمیم پسند مستشرقین		

3.11 نمونہ امتحانی سوالات

3.11.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. صلیبی جنگوں کے ذریعے مغرب کا کیا ہدف تھا؟

(a). یروشلم پر قبضہ (b). عالم اسلام کی شکست (c) مکہ اور مدینہ کی تباہی (d) عرب اور افریقہ پر حکمرانی

2. نشاۃ ثانیہ تحریک نے کس کو سب سے زیادہ متاثر کیا؟

(a). کلیسا (b) نظام حکومت (c) مصوری (d) تمام شعبہ ہائے حیات

3. سلطنت عثمانیہ کہاں قائم ہوئی؟

(a) ایران (b) عراق (c) نائیجیریا (d) ترکی

4. کس مستشرق نے قرآن کے یہودیت سے ماخوذ ہونے کا نکتہ پیش کیا؟

(a) گولڈزیہر (b) ولیم میور (c) ابراہم گیگر (d) رچرڈ بیل

5. مستشرق تھیوڈر نولدیکی کا تعلق کس ملک سے تھا؟

(a) ہالینڈ (b) جرمنی c) فرانس (d) انگلستان

6. مستشرقین کے مطابق قرآن کب وجود میں آیا؟

(a) ساتویں صدی (b) آٹھویں صدی (c) نویں صدی (d) دسویں صدی

7. انسائیکلوپیڈیا آف دی قرآن کتنی جلدوں پر مشتمل ہے؟

5(a) 6 (b) 7(c) 8(d)

8. مستشرقین کے موقف کی سب سے زیادہ مبسوط اور مسکت تردید کس مسلم فاضل نے کی ہے؟

(a) محمد خلیفۃ اللہ (b) مہر علی (c) امیر علی (d) ابوالکلام آزاد

9. ترمیم پسند مکتب فکر کا بنیاد گزار مستشرق کون ہے؟

(a) نولدیکی (b) بیل (c) وانسبرا (d) رپن

10. کورپس قرآنکیم منصوبے کا سربراہ کون ہے؟

(a)جین میک آف (b)اینجلاکا نیوورتھ (c)نارمن کالڈر (d)ہربرٹ برگ

3.11.2 مختصر جوابی سوالات

1. استشراق کی روایت میں کلیسا کے کردار کی وضاحت کیجئے۔
2. مسلم مفسرین کے بارے میں مستشرقین کی کیا آراء ہیں؟
3. کن مسلم فضلاء نے مستشرقین کا علمی تعاقب کیا ہے؟
4. آرتھر جیفرے نے قرآن پر کیا تنقید کی ہے؟
5. جان وانسبرا کی قرآن کے بارے میں کیا تحقیق ہے؟

3.11.3 طویل جوابی سوالات

1. انسائیکلوپیڈیا آف دی قرآن پر نقد و نظر کیجئے۔
2. کورپس قرآنکیم منصوبے کے کیا نمایاں پہلو ہیں؟
3. قرآن پر مستشرقین کے اعتراضات کا محاکمہ کیجئے۔

3.12 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. Baljon, J. , Modern Muslim Koran Interpretation , Leiden, 1961
2. Blachere, R. , Introduction au Coran, Paris, 1947.
3. Burton, J. , The Collection of the Quran, Cambridge, 1977.
4. Hirschfeld, H., New Researches into the Composition and Exegesis of the Quran, London, 1902.
5. Goldziher, Die Richtungender Islamischen Koranauslegung, Leiden,1920.
6. Jeffrey, A., The Foreign Vocabulary of the Quran, Baroda, 1938.
7. Jonsier, J., The Bible and the Quran, New York, 1964.
8. Katsh, A. I., Judaism in Islam, New York, 1954.
9. Muir, W., The Coran, its composition and teaching, London, 1878.
10. عبدالرحیم قدوائی، اسلام اہل مغرب کی نظر میں، ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی، علی گڑھ 2023ء، مرتبہ رفیق احمد رئیس سلفی۔

اکائی4: قرآن کے میدان میں مستشرقین کی خدمات (حصہ دوم)

اکائی کے اجزا:

4.0 تمہید

4.1 مقاصد

4.2 انگریزی تراجم قرآن

4.2.1 الیگزنڈر راس(Alexander Ross)

4.2.2 جارج سیل(George Sale)

4.2.3 جان میڈوز راڈویل(John Meadows Rodwell)

4.2.4 ایڈورڈ ہنری پالمر(Edward Henry Palmer)

4.2.5 رچرڈ بیل(Richard Bell)

4.2.6 آرتھر جان آربیری(Arthur John Arberry)

4.2.7 نیسم جوزف داؤد(Nessim Joseph Dawood)

4.2.8 ایلن جونز(Alan Jones)

4.2.9 آرتھر جے ڈروج(Arthur J.Droge)

4.2.10 جین ڈیمین میک آلف(Jane Dammen McAuliffe)

4.2.11 گبریل سعید رینالڈس(Gabriel Said Reynolds)

4.2.12 ٹامس کلیری(Thomas Cleary)

4.2.13 صفی کسکس اور ڈیوڈ ہنگر فورڈ(Safi Kaskas and David Hungerford)

4.3 اکتسابی نتائج

4.4 کلیدی الفاظ

4.5 نمونہ امتحانی سوالات
4.5.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
4.5.2 مختصر جوابی سوالات
4.5.3 طویل جوابی سوالات
4.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

4.0 تمہید

دیگر مذاہب، تہذیب و تمدن اور ثقافت کا مطالعہ انسانی فطرت میں داخل ہے۔ بارہویں صدی میں جب مغرب میں استشراق کی روایت پختہ ہو گئی تو اسلام اور قرآن کے مطالعے کی ابتداء ہوئی۔ مستشرقین کا اولین قلمی ترجمۂ قرآن لاطینی زبان میں Robert of Ketton نے 1143ء میں کیا۔ سولہویں صدی میں طباعت کی سہولت میسر آنے کے بعد فرانسیسی، انگریزی اور دیگر مغربی زبانوں میں قرآن کے تراجم تواتر سے شائع ہوتے رہے۔ اہم مغربی زبانوں میں اولین مکمل تراجم کی فہرست ذیل میں ہے:

شمار نمبر	زبان	مترجم	سن اشاعت
.1	لاطینی	Robertus Ketensis	1543ء
.2	اطالوی	Andrea Arrivabene	1574ء
.3	جرمن	Saloman Schweigger	1616
.4	فرانسیسی	Andre Du Ryer	1647ء
.5	انگریزی	Alexander Ross	1649ء
.6	ڈچ (ولندیزی)	Jan Hendrik Glazemaker	1657ء
.7	روسی	Alexey Vasily Kolmakor	1790ء

اس اکائی میں توجہ صرف انگریزی تراجم قرآن پر مرکوز ہے، لہذا 1649ء سے 2017ء تک شائع مکمل انگریزی تراجم کا تاریخی جائزہ پیش ہے۔

4.1 مقاصد

☆ انگریزی تراجم قرآن کی علمی روایت کا تعارف۔

☆انگریزی مترجمین قرآن کے زاویۂ نظر، محاسن اور معائب پر محاکمہ۔

☆مستشرقین کے رویوں سے واقفیت اور معیاری انگریزی ترجمے کی ضرورت اور افادیت۔

4.2 انگریزی تراجم قرآن

ذیل میں تاریخی ترتیب کے مطابق ہر مغربی انگریزی ترجمۂ قرآن پر نقد و نظر ہے:

4.2.1 الیگزنڈر راس(Alexander Ross)

عنوان:The Alcoran of Mahomet سن اشاعت:1649ء

اولین انگریزی مترجم قرآن الیگزنڈر راس(1592-1654ء) برطانوی بادشاہ چارلس کے دربار میں پادری تھے۔مذاہب عالم کا مطالعہ ان کا اختصاص تھا لیکن ان کا نقطۂ نظر مناظرانہ تھا جو صرف عیسائیت کو حق اور دیگر مذاہب کو باطل ثابت کرنے سے مخصوص تھا، اسی کا اظہار ان کے ترجمۂ قرآن کے عنوان اور ان کے ذیلی عنوان سے بھی ہوتا ہے۔انھوں نے قرآن کو محمدؐ رسول اللہ کی تصنیف قرار دیا ہے۔ان کے مطابق اسلام صرف ترکوں، سلطنت عثمانیہ کا مذہب ہے۔ان کا مقصد تالیف قارئین کو اسلام کے خطرے سے خبردار کرنا اور قرآن کے جعل وفریب سے آگاہ کرنا ہے۔اپنے ترجمے کے مقدمے میں انھوں نے اسلام پر متعدد اعتراض کیے ہیں۔

اسلام اور اس کی تاریخ سے راس کی ناقابل دفاع لاعلمی کا مظہر ان کے ترجمۂ قرآن کا یہ ذیلی عنوان ہے جو کہ سرورق کی زینت ہے:

Translated out of Arabic for the Satisfaction of All That Desire to Looking into Turkish Vanities(یہ ترجمہ عربی زبان سے ان قارئین کے لیے جو ترکوں کے مزعومات کے بارے میں تسلی بخش جواب کے خواہش مند ہیں)۔یہاں دو نکات قابل توجہ ہیں: راس کے مطابق قرآن صرف ترکوں کی مذہبی کتاب ہے۔سترہویں صدی میں جب راس نے یہ ترجمہ پیش کیا، ترکوں کی سلطنت عثمانیہ اس دور کی عظیم ترین عسکری، سیاسی اور ثقافتی قوت تھی۔اس کی کیفیت اس زمانے میں Super Power کی تھی اور پورا یورپ ترکوں سے خوف زدہ تھا چونکہ ترک اسلام کے پیرو تھے، راس نے اسلام کو صرف ترکوں تک محدود سمجھا، اس کو اسلام کی عرب میں جائے پیدائش اور وہاں اس کی صدیوں قدیم تاریخ، تمدن اور علمی سرمائے کا مطلق علم نہ تھا۔مزید برآں، اس نے اسلام کو مذہب نہیں بلکہ ترکوں کے مغالطات اور مزعومات کا مجموعہ متصور کیا۔وہ تاریخ مذاہب عالم سے بے خبر تھا۔اس کی دانست میں دنیا میں عیسائیت ہی واحد مذہب ہے اور دیگر مذاہب سرتاسر باطل ہیں۔یہ ذیلی عنوان جہالت، عصبیت اور احساس برتری کا آئینہ دار ہے۔

حالانکہ راس بادشاہ چارلس اول کے درباری پادری تھے اور بطور مورخ اور ادیب انگلستان کی ایک معروف شخصیت تھے۔سترہویں

صدی کے مغرب بشمول انگلستان میں اسلام کے خلاف ایسے شدید عوامی جذبات خوف اور نفرت کے تھے۔(جس کے لیے حال میں اصطلاح Islamophobia کی مستعمل ہے)۔جب حکام کو راس کے ترجمے کی عنقریب اشاعت کا علم ہوا، انھیں خدشہ ہوا کہ قرآن سے متاثر ہو کر اہل انگلستان اسلام قبول کر لیں گے۔لہذا کابینہ (Councilof State) نے اشاعت سے قبل 2،مارچ 1649ء اس کے منظر عام پر آنے پر پابندی عائد کر دی۔ان کے خدشے کو رفع کرنے کے لیے راس نے اپنے ترجمے میں ان دو دیباچوں کا اضافہ کیا: اسلام یعنی ترکوں کے مذہب کا مختصر تعارف اور قارئین کے لیے مترجم کا پیغام۔ان دونوں دیباچوں کا مرکزی نکتہ یہی ہے کہ اسلام محض ایک گمراہ فرقے کے باطل عقائد کا نام ہے لہذا انگلستان کے عیسائیوں کے لیے اس میں کشش کا کوئی امکان نہیں ہے اور اس ترجمے کا واحد مقصد قارئین کو اسلام اور اس کے پیغمبر کے خلاف خبردار کرنا تھا۔اسی غرض سے اس نے رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا بھی احاطہ کرتے ہوئے انھیں انتہائی قابل نفریں اور بدکردار شخص کے طور پر پیش کیا۔تاریخ کے موضوع پر راس کی تصانیف اسی اسلام مخالف رویے سے عبارت ہے، اس کو واقعات اور دلائل سے کوئی واسطہ نہیں ہے بلکہ محض بغض و عناد کی بنیاد پر اسلام، قرآن اور سیرت کے خلاف کذب وافتراء ہے۔

اس مناظرہ بازی سے قطع نظر اس ترجمے کی علمی حیثیت بہت پست ہے کیوں کہ راس عربی زبان سے ناواقف تھے، انھوں نے 1647 میں Andre Du Ryer کے فرانسیسی ترجمۂ قرآن کو انگریزی میں منتقل کر دیا ہے۔ان کی اس علمی خیانت کی مذمت ان مستشرقین نے کی ہے: ہنری سٹب، جارج سیل اور سموئل زویمر۔راس نے رسول اللہ سے ایسے اقوال منسوب کر دیے ہیں جو حدیث نہیں ہیں، اس کا مقصود صرف اسلام کو مطعون کرنا تھا۔مستشرقین کی نمائندہ تصنیف کے طور پر اس ترجمے میں یہ عیب نمایاں ہیں: اسلامی ماخذ سے ناواقفیت، اسلام، قرآن، سیرۃ کو مسخ کر کے پیش کرنا اور قارئین کو اسلام سے متنفر کرنے کی ہر ممکن کوشش۔

4.2.2 جارج سیل (George Sale)

عنوان: The Koran سن اشاعت: 1734ء

سیل عربی داں تھے اور اسلامی ماخذ سے واقف تھے۔انجمن برائے فروغ عیسائیت، لندن نے ان کو بائبل کے عربی ترجمے کی خدمت تفویض کی تھی تا کہ اہل عرب کو عیسائیت کی جانب راغب کیا جائے۔قرآن کے ترجمے کے پس پشت ان کا مقصود مناظرانہ بازی ہے۔اپنے ترجمے کے دیباچے میں وہ رقم طراز ہیں: ''جو لوگ عیسائیت کے دشمن ہیں یا اس کی تعلیمات سے بالکل بے خبر ہیں، وہی اسلام جیسے صریح جعل سے متاثر ہو سکتے ہیں لہذا یہ نہایت ضروری ہے کہ اسلام کے جعل وفریب کو فاش کیا جائے۔یہ امتیاز عیسائی پروٹسٹنٹ (Protestant) فرقے کو حاصل ہے کہ اس نے قرآن کی تردید کی۔خدا نے یہ شرف اس فرقے کو بخشا ہے''۔سیل نے اس حکمت عملی کو بھی بیان کیا ہے جس کے ذریعے عیسائی مشنری مسلمانوں کو عیسائی بنا سکتے ہیں۔یہ ترجمہ نہایت مقبول ہوا۔اس کے 160 سے زائد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور اس کا ترجمہ متعدد یوروپی زبانوں میں بھی ہوا۔

سیل نے قرآن کے معنی اور مفہوم کی دانستہ بالکل غلط ترجمانی کی ہے۔"یا أیھا الناس" (اے لوگو) کا ترجمہ انھوں نے اہل مکہ کیا ہے تا کہ قارئین پر یہ تاثر قائم ہو کہ قرآن صرف اپنے دور کے اہل مکہ کے لیے تھا۔سورہ البقرہ آیت: 91 میں آیا ہے کہ فتنہ قتل سے بھی زیادہ

شدید ہے۔انھوں نے فتنہ کا ترجمہ بت پرستی کیا ہے تاکہ یہ پیغام عام ہو کہ اسلام بت پرستوں اور غیر مسلموں کے وجود کو برداشت نہیں کرتا اور ان کو قتل کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ سورہ المائدہ آیت:12 میں مسلمانوں کو اللہ کو قرض حسنہ دینے کی ہدایت کی گئی ہے تاکہ سماج میں غریب افراد کی مالی مدد بڑے پیانے پر ہو۔انھوں نے اسے سودی کاروبار سے تعبیر کیا ہے۔

سورہ الحج آیت 52 کا صریحاً شر انگیز ترجمہ یہ کیا ہے کہ ''شیطان پیغمبر کی تلاوت قرآن میں اپنی مرضی کے مضامین داخل کر دیتا ہے''۔ سیل کے اس مفسدانہ ترجمے کی بنیاد پر متعدد مغربی اہل علم نے یہ تاثر قارئین کے دل و دماغ پر نقش کیا کہ خود قرآن کے مطابق قرآن میں شیطان کے بیانات شامل ہیں۔''بسم الله الرحمن الرحیم'' کے ترجمے میں سیل نے صرف ایک صفت الٰہی کا ذکر کیا ہے۔بحیثیت عربی داں اس پر ''الرحمن''اور''الرحیم'' کے درمیان معنوی فرق خوب روشن تھا لیکن رحمت الٰہی کے تاثر کو زائل کرنے کے لیے اس نے دانستہ صرف ایک ہی کا ترجمہ پیش کیا۔

اپنی گراں قدر تصنیف The Quran and the Orientalists میں مسلم فاضل پروفیسر مہر علی نے مستشرقین کے الزامات اور اتہامات کا مسکت علمی تعاقب کیا ہے۔ سیل کے ترجمے کے بارے میں وہ رقم طراز ہیں:''سیل کے ترجمے میں وہ تمام اسقام موجود ہیں جو اس سے قبل کے لاطینی مترجم قرآن Marracci کے 1697ء کے ترجمے اور حواشی میں پائے جاتے ہیں۔دونوں کا مقصود قرآن کی بے وقعتی تھا۔ سیل نے پیغام قرآنی کو مسخ کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی ہے۔اس نے غلط ترجمانی کے یہ انداز اختیار کیے ہیں:''قرآن کے مفہوم کی غلط ترجمانی اپنے الفاظ میں،نہ کہ متن قرآنی کا مستند اور حقیقی ترجمہ،دانستہ قرآنی الفاظ اور تراکیب کو حذف کر کے قارئین کو قرآن کے مندرجات کے بارے میں گمراہ کرنا،متن قرآن کے ترجمے میں ایسے الفاظ اور معنی زبردستی داخل کرنا جن کا اصل متن سے کوئی تعلق نہیں اور اپنے گمراہ کن تفسیری حواشی کے توسط سے قارئین کو قرآن سے زیادہ سے زیادہ بدظن کرنے کی کوشش کی ہے''۔

سیل کے ترجمے کی نمایاں خامیاں یہ ہیں:اپنی ذاتی رائے کو قرآن کے پیغام کے طور پر پیش کرنا،قرآن کے معنی کی غلط تعبیر اور تشریح،متعدد قرآنی الفاظ، تراکیب اور جزو آیات کا ترجمہ ساقط کر دینا،اسلامی اصطلاحات کے لیے عیسائی اصطلاحات کا استعمال تاکہ یہ تاثر قائم ہو کہ اسلام عیسائیت کا چربہ ہے اور اپنے ترجمے میں غیر قرآنی لوازمے کو شامل کرنا۔ان کا زاویۂ نظر عیسائی مبلغ،مشنری کا ہے جس کا مقصود اسلام،قرآن کی مخالفت ہے۔

4.2.3 جان میڈوز راڈویل(John Meadows Rodwell)

عنوان:The Koran,The Surahs Arranged in Chronological Order سن

اشاعت:1861ء

راڈویل(1808-1900ء)سنیٹ ایتھل برگ کلیسا،لندن کے ناظم اعلی تھے۔ قارئین کے ذہن کو اسلام،قرآن کے خلاف مسموم کرنے کے لیے انھوں نے یہ دعوی کیا کہ قرآن کی اپنی کوئی اصلیت نہیں ہے بلکہ یہ یہودی اور عیسائی مذہبی روایات کا ایک ناقص ملغوبہ ہے۔انھوں نے مصحف قرآن کی توقیفی ترتیب کو بھی اپنا ہدف بنایا اور متن قرآن کو اپنے مفروضہ نزولی،تاریخی ترتیب کے مطابق از سر نو مرتب

کیا۔ وہ اس حقیقت سے بخوبی واقف تھے کہ سورتوں کی آیات مختلف مواقع پر اور وقفے کے بعد نازل ہوئی ہیں لہذا ان کی تاریخ وار ترتیب ایک فعل عبث ہے۔ مثال کے طور پر انھوں نے سورہ العلق کو قرآن کی اولین سورہ قرار دیا ہے۔ اس سورہ کی ابتدائی پانچ آیات بلاشبہ سب سے پہلے نازل ہوئیں لیکن یہ حقیقت بھی مسلم اور معروف ہے کہ اس کی بقیہ آیات 6تا19 خاصے عرصے بعد نازل ہوئیں لہذا یہ قرآن کی پہلی سورہ تاریخی ترتیب کے لحاظ سے نہیں ہے۔ انھوں نے قرآن کے مندرجات کو بھی مضحکہ خیز قرار دیا ہے مثلاً سورہ الروم کی پہلی آیت کے اعراب پر انھوں نے اعتراض کیے ہیں کہ اس سے رومیوں کے مغلوب ہونے کا مفہوم برآمد نہیں ہوتا۔ قرآنی لفظ ''عبد'' کے انھوں نے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ چونکہ اسلام پر چند غلام ہی ایمان لائے تھے لہذا قرآن میں یہ لفظ بہ کثرت آیا ہے۔ مغرب میں قرآن سے قارئین کو متنفر کرنے میں اس ترجمے کا اہم کردار ہے۔ ان کے زاویۂ نظر میں کلیدی مقام قرآن کی معروف اور متواتر ترتیب کی تردید ہے۔ ان کے اس نقطۂ نظر سے مستشرقین متاثر ہوئے اور ان کا یہ اعتراض استشراقی فکر کا حصہ بنا۔

4.2.4 ایڈورڈ ہنری پالمر (Edward Henry Palmer)

عنوان: THe Quran سن اشاعت: 1880ء

پالمر (1840–1882ء) کیمبرج یونیورسٹی کے شعبۂ عربی میں استاد تھے۔ اپنے ترجمۂ قرآن میں انھوں نے قرآنی عربی کو غیر معیاری قرار دیا ہے۔ ان کے مطابق یہ سلاست اور فصاحت سے عاری ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ ان کو عربی پر مطلق عبور نہیں تھا۔ ایک مستشرق A.R.Nykl نے پالمر کے ترجمے میں 70 سے زائد ایسی سنگین غلطیوں کی نشاندہی کی ہے جن سے ان کے عربی سے ناواقف ہونے اور ترجمے کے باب میں شدید بے احتیاطی ثابت ہوتی ہے۔ مثلاً اپنے ترجمے میں انھوں نے ''ا ل'' اور ''فا'' کا ترجمہ نہیں کیا ہے۔ وہ قرآنی ضمائر کے تعین میں بھی ناکام نظر آتے ہیں۔ جن قرآنی آیات میں خطاب صریحاً مسلمانوں سے ہے، ان کے مخاطب ان کے مطابق یہودی اور عیسائی ہیں۔ بعض آیات کا انھوں نے ترجمہ ہی نہیں کیا ہے اور بعض آیات کا مطلب خبط ہو گیا ہے مثلاً سورہ القصص 28:46 اور صٓ 38: 29۔ علمی معیار کے لحاظ سے یہ ترجمہ پست اور غیر تسلی بخش ہے۔

یوروپی ملک چیکوسلواکیہ کی قومی زبان چیک میں قرآن کے مترجم مستشرق نکل (A.R.Nykl) نے پالمر کے ترجمے پر یہ نقد و نظر کیا ہے: ''چیک زبان میں قرآن کا ترجمہ کرتے ہوئے میں نے پالمر اور دیگر مترجمین کے تراجم کو پیش نظر رکھا۔ متعدد مقامات پر مجھے پالمر کے ترجمے میں سنگین غلطیاں نظر آئیں۔ ہر چند کہ اس کے کئی ایڈیشن طبع ہو چکے ہیں، ان غلطیوں کی کوئی اصلاح نہیں کی گئی ہے۔ پروفیسر نکلسن (R.A.Nicholson) نے مجھے مطلع کیا کہ ناشر نے ان سے پالمر کے نئے ایڈیشن پر پیش لفظ تحریر کرنے کی فرمائش اس شرط کے ساتھ کی کہ وہ ترجمے میں درآئی غلطیوں کو درست نہ کریں''۔

اپنی زبان و بیان اور غلطیوں کی کثرت کے لحاظ سے پالمر کا ترجمہ اپنے پیش رو مترجمین سیل اور راڈویل کے تراجم سے بھی بدتر ہے جبکہ بالعموم یہ توقع ہوتی ہے کہ متاخر تصنیف بہتر ہوگی۔ پالمر کا متعدد آیات کا ترجمہ معنی اور مطلب سے عاری ہے۔ سورہ البقرہ آیت 273 کا اس کا ترجمہ سوقیانہ ہے، اپنے حاشیے میں اس نے اپنے عامیانہ ترجمے کے لیے ذمہ دار متن قرآنی کو قرار دیا ہے کہ اصل عبارت ہی اس کی رائے

میں غیر معیاری ہے۔

حالانکہ پالمر کا ترجمہ آکسفورڈ کے موقر ناشر نے ممتاز جرمن مستشرق میکس ملر(Max Muller)کے اہل شرق کے صحف کے سلسلۂ تراجم کے تحت شائع کیا۔ فاش غلطیوں اور ناقص پیش کش کے سبب اس ترجمے کی مطلق پذیرائی نہیں ہوئی اور اس کے 2006 تک کل 23 ایڈیشن شائع ہوئے جبکہ دیگر تراجم کے ایڈیشن کی تعداد اس سے کہیں زائد ہے۔

4.2.5 رچرڈ بیل(Richard Bell)

عنوان: The Quran Translated with a Critical Rearrangement of the Surahs

سن اشاعت: 1937–1939ء

بیل(1876ء-1952ء)اسکاٹ لینڈ میں کلیسا میں پادری کے فرائض انجام دیتے تھے، پھر ایڈنبرا (Edinburgh)یونیورسٹی میں عربی کے استاد مقرر ہو گئے۔ اسلام اور قرآن پر ان کی تصانیف The Origin of Islam in its Christian Environment اور Introduction to the Quran میں ان کا بنیادی موقف یہ ہے کہ اسلام عیسائیت کی ناکام نقل ہے۔ انھوں نے رسول اللہ (ﷺ) پر یہ الزام بھی لگایا ہے کہ وہ اپنے عقائد میں تبدیلی کرتے رہتے تھے، اس کا عکس ان کو قرآن میں نظر آتا ہے۔ مکی اور مدنی سورتوں میں فرق کو انھوں نے اسی انداز میں پیش کیا ہے۔ اسی طرح قرآن میں شیطان کے لیے لفظ ابلیس بھی آیا ہے۔ بیل نے اس کی گمراہ کن توجیہ کی ہے کہ رسول اللہ کے پیش نظر مختلف ماخذ تھے لہذا یہ اختلاف ہے۔ ان کی رائے میں قرآن کا متن غیر مربوط اور غیر منظم ہے، ان کے مطابق اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ؐ کے اقوال مختلف افراد نے نقل کیے لہذا ان میں خلط ملط ہو گیا ہے اور آپ ؐ کی بعض یادداشتیں جو صرف وقتی استعمال کے لیے تھیں، مصحف قرآن میں غلطی سے شامل ہو گئی ہیں۔ بیل نے ترتیب اور تدوین قرآن کے بارے میں راڈویل کا اتباع کیا ہے اور ہر قرآنی آیت کی تاریخ نزول اپنے محدود اور ناقص علم کی بنیاد پر طے کی ہے۔ ان کی رائے میں قرآن کی معروف توقیفی ترتیب صریحاً غلط ہے۔ ان کی تحقیق کے مطابق سورہ البقرہ کی آیات 206۔207 اور 208 غلط فہمی کی بنیاد پر داخل متن ہو گئی ہیں، وہ زیادہ تر قرآنی آیات کی صحت کے قائل نہیں ہیں اور اپنے طور سے متن قرآن میں بڑے پیمانے پر حذف اور ترمیم کی ہے۔ ان کے ہم عصر مستشرق الفریڈ گیوم(Alfred Guillame) نے بجاطور پر ان کی گرفت ان الفاظ میں کی ہے: ''مجھے اس اعتراف میں کوئی باک نہیں کہ بیل نے متن قرآن کو اس بری طرح مجروح کیا ہے کہ میں ان کا ترجمہ استعمال نہیں کر سکتا۔ محض اپنی ذاتی رائے کی بنیاد پر اور انتہائی موضوعی انداز میں آیات کی قطع و برید کرنا اور بعض آیات کے نصف کو ساقط کر دینا اور قرانی فقروں کو متن سے خارج کر دینا، متن کی تحلیل اور تنقید کے زمرے میں نہیں آتے۔ قارئین اس تاثر میں حق بجانب ہوں گے کہ اس شخص (بیل) کے ہاں اعتدال اور توازن بالکل ہی مفقود ہیں''۔ غرضیکہ بیل کے زاویۂ نظر کے اہم نکات یہ ہیں: اسلام اور قرآن کو عیسائیت سے ماخوذ قرار دینا، متن قرآن کی ترتیب اور تدوین پر شدید اعتراضات اور اپنے مزعومات کے مطابق متن قرآن میں حذف۔

4.2.6 آرتھر جان آربیری(Arthur John Arberry)

عنوان:THe Koran Interpreted سن اشاعت:1955ء

آربیری(1905–1969ء)اسلامیات اور عربی وفارسی زبان وادب کے فاضل تھے۔عام مستشرقین کے برخلاف آربیری کے ہاں اسلام کے خلاف بغض وعناد کا رنگ نہیں ہے۔ان کا تعلق کلیسا سے نہیں تھالہذا مناظرہ بازی بھی نہیں ملتی۔اپنے ترجمۂ قرآن کے دیباچے میں انھوں نے قرآن کی اثرآفرینی کا اعتراف کیا ہے البتہ چونکہ ان کے ترجمے میں حواشی نہیں ہیں،اس لیے اسلام،قرآن کے بارے میں ان کی رائے کا کچھ اندازہ نہیں ہوتا۔یہ امر البتہ عجیب اور حیرت انگیز ہے کہ برطانوی جامعات میں عربی اور فارسی کے پروفیسر کے منصب پر فائز ہونے کے باوصف ان کے ترجمے میں زبان وبیان کی فاش غلطیاں ہیں۔بعض آیات کا انھوں نے نامعلوم وجوہ کی بنیاد پر صرف جزوی ترجمہ کیا ہے۔حالانکہ ان کا ترجمہ 1955ءمیں شائع ہوا،اپنے ترجمے میں انھوں نے ایک صدی قبل کی متروک انگریزی استعمال کی ہے جو کہ قارئین کے لیے مناسب اور مفید نہیں ہے۔سورہ آل عمران 3:43.الذاریات51:4 اورالممتحنہ 12:60کاان کا ترجمہ غلطیوں سے پُر ہے۔بعض مقامات پر انھوں نے قرآنی الفاظ مثلاً''الامّی''اور''علیم''کا بالکل عامیانہ ترجمہ کیا ہے جس سے قرآنی مفہوم کی ترجمانی نہیں ہوتی۔ان کے ترجمے میں عیسائی مذہبی اصطلاحات کے استعمال سے بھی قارئین گمراہ ہو سکتے ہیں۔

عربی،فارسی اور سرمایۂ اسلامیات کے شناور ہونے کے علاوہ آربیری مصر میں بھی کچھ عرصہ مقیم رہے تھے۔قدرتاً اس سے ان کو اسلامی عقائد اور طرز حیات سے براہ راست واقفیت کا موقع ملا۔یہ امر خوش کن ہے کہ انھوں نے اس کا خوشگوار اثر قبول کیا اور اپنے ترجمے کے دیباچے میں اس حقیقت کا ذکر کیا ہے کہ مسلمان قرآن کو کلام اللہ سمجھتے ہیں جو بذریعہ وحی رسول اللہ پر نازل ہوا۔ان کے اس قول کی اہمیت اس لحاظ سے ہے کہ مستشرقین کی تمام تصانیف میں سرے سے اسلامی عقائد کو نقل تک نہیں کیا جاتا بلکہ وہ اسلام،قرآن کے بارے میں اپنی رائے پیش کرنے تک ہی محدود رہتے ہیں۔انھوں نے اپنے پیش رو انگریزی مترجمین قرآن راس، سیل،

راڈویل اور بیل پر تنقید کی ہے کہ ان مترجمین نے مطالعۂ قرآن میں معروضی،علمی اور دیانتدارانہ موقف نہیں اختیار کیا بلکہ وہ متن قرآن کی صحت اور استناد کو منہدم کرنے ہی میں منہمک رہے۔وہ قرآن کی بلاغت،اعجاز،ایجاز اور لطافت کے قائل ہیں اور اس کو اپنے دیباچے میں خراج تحسین پیش کیا ہے۔

ان محاسن کے باوصف آربیری کے ترجمے میں متعدد نقائص ہیں۔ہر چند کہ ان کا مبسوط دیباچہ ۱۳ صفحات کو محیط ہے،انھوں نے قرآن سے ناواقف اپنے مغربی قارئین کو قرآن سے متعارف نہیں کیا ہے اور اس کے پیغام اور موضوعات پر کوئی روشنی نہیں ڈالی ہے۔چونکہ ان کے ترجمے میں کوئی وضاحتی حاشیہ یا فرہنگ بھی نہیں ہے،قرآن کے محتویات کا تعارف قارئین کے لیے ضروری تھا۔انھوں نے قرآنی سورتوں کے قرآنی،عربی اسماء کے بجائے محض ان کا انگریزی ترجمہ درج کیا ہے جو کہ بعض مقامات پر صریحاً غلط ہے مثلاً سورہ الروم کا ترجمہ یونانی(Greeks)،الاعراف کا فصیل(Battlement)،فاطر کا ملائکہ (Angels)،الفرقان کا نجات(Salvation)اور الواقعہ کا دہشت(Terror)،سورہ المومن اور المومنون دونوں کا یکساں ترجمہ جمع کے صیغے میں(The Believers) کیا ہے اور واحد اور جمع

کے بدیہی فرق کو ملحوظ نہیں رکھا ہے۔دیگر آیات میں بھی ان کا ترجمہ متن کی عبارت کے مطابق نہیں ہے مثلاً

التوبہ 9:64، **الانفال** 8:59، **الفرقان**25:26، **السجدہ**32:33، **التوبہ**9:70 ، **آل عمران**3:15، **الشوری** 26:107، **الواقعہ**56:11، **النساء**:4:157، **یونس**10:88، **ہود**11:30 اور 46

مذکورہ بالا آیات کے ترجمے میں آربیری قرآنی مفہوم کی ترجمانی میں ناکام رہے ہیں۔متعدد مقامات پر آربیری نے لفظی ترجمہ اختیار کیا ہے۔لفظی ترجمہ قارئین کے لیے تسلی بخش نہیں ہوتا بالخصوص اگر وضاحتی حواشی موجود نہ ہوں۔چونکہ قرآن کی بنیادی حیثیت انسانیت کے لیے پیغام کی ہے لہذا اس کی بھرپور ترجمانی کے بغیر محض اس کا لفظی ترجمہ کسی قدر و قیمت کا حامل نہیں۔

پروفیسر مہر علی نے اپنے گراں قدر تبصرے میں آربیری کے ترجمے میں ان معائب کی نشاندہی کی ہے:

1)عیسائی دینی اصطلاحات کا استعمال جس سے مفہوم قرآن کی تاثیر اور انفرادیت مسخ ہو گئی ہے۔

2)قرآن کے معنی اور مطلب کی غلط ترجمانی۔

3)متن کے ترجمے میں غیر ضروری اور نامناسب حذف اور اضافے۔

4)قرآنی تصورات،اصطلاحات اور تلمیحات سے عدم واقفیت اور 5)ترجمے کے ضمن میں غیر سنجیدگی اور بے احتیاطی۔

مہر علی نے ان آیات کے ترجمے میں اسقام کی مثالیں بھی بطور ثبوت فراہم کی ہیں:**ابراہیم** 14:27،**النحل** 16:102،**البقرہ**2:58،**التوبہ**9:29 ،**ہود**11:25 اور **الروم**20:22۔

مختصراً دیگر مستشرقین کے برخلاف آربیری کا رویہ اسلام مخالف نہیں ہے۔اپنے ترجمے میں انھوں نے اسلام، قرآن کی بیخ کنی نہیں کی ہے۔البتہ ترجمے میں شدید بے احتیاطی ہے اور اس پر پوری طرح سے اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

4.2.7 نیسم جوزف داؤد(Nessim Joseph Dawood)

عنوان:The Koran سن اشاعت:1956ء

داؤد(1927–2014) عراق نژاد یہودی تھے۔ان کے ترجمۂ قرآن میں اسلام، سیرۃ اور قرآن کے بارے میں مفصل تعارف ہے۔اس میں انھوں نے اسلام کو داغدار کرنے کی ہر کوشش کی ہے۔ان کی رائے میں قرآن بائبل کی سطحی نقل ہے۔یہودی ہونے کے باعث ان کے غیظ و غضب کا اصل نشانہ محمدؐ رسول اللہ ہیں جو ان کے بقول مدینہ کے یہودیوں کے قتل عام کے ذمہ دار تھے۔ان کے مطابق اسلام تشدد اور غارت گری کا مذہب ہے۔انھوں نے اسلام اور سیرۃ رسول اللہ کی تصویر کشی قتل و غارت گری کے حوالے سے کی ہے۔ان کا ترجمہ متعدد مقامات پر متن قرآن کے مطابق نہیں ہے۔اپنے 1991 کے نئے ایڈیشن میں انھوں نے نظر ثانی کا دعوی کیا ہے۔امر واقعہ یہ ہے کہ اسلام دشمنی کا رویہ اصل اور نظر ثانی دونوں ایڈیشن میں مشترک ہے۔تبدیلی صرف علامتی اور برائے نام ہے۔مثلاً God کی جگہ لفظ Allah کا استعمال۔ترجمے کے متن میں معمولی اور سطحی نظر ثانی ہے، گو بعض الفاظ کی تصحیح کر دی گئی ہے البتہ ان آیات کا ترجمہ ہنوز غلط ہونے

کے باعث اصلاح طلب ہے: الاعراف 7:90، مریم 19:17 اور 80، طہ 93،20:92 123اور الفرقان 25:46۔

داؤد نے اپنے ترجمے میں غیر قرآنی لوازمے کا اضافہ کیا ہے جو کہ ناقابل قبول ہے۔ ترجمے میں وضاحت کے لیے ایک حد تک اضافہ ناگزیر ہوتا ہے کہ اس سے ترجمے کی عبارت میں روانی اور فصاحت کی جلوہ گری اور ترسیل مفہوم میں سہولت ہو۔ البتہ ان اضافوں کو قوسین میں درج کرنے کا قرآن کے مترجمین خاص اہتمام کرتے ہیں تاکہ متن قرآن کا خالص کلام اللہ بشری اضافوں سے ممیز رہے۔ داؤد نے مندرجہ ذیل ترجمے میں قابل اعتراض آزادی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی عبارت کو متن قرآن سے خلط ملط کر دیا ہے: آل عمران 3: 15اور 16، الاعراف 7:49، مریم 19:8، طہ 20:44اور 73۔

داؤد کی دانست میں محمد رسول اللہ یہودی اور عیسائی مذہبی روایات سے بہت متاثر ہوئے (دیباچہ، ص:۱)۔ ان کا ایک اور قابل اعتراض موقف یہ ہے کہ قرآن مجید صرف عرب طرز معاشرت تک محدود ہے (سرورق کے پشت کے صفحے پر)۔ آج جب کہ غیر عرب مسلمانوں کی تعداد عرب مسلمانوں سے کہیں زیادہ ہے، یہ بیان امر واقعہ نہیں کیوں کہ غیر عرب مسلمانوں کے لیے بھی قرآن مشعل راہ ہے اور اس کا اتباع وہ اپنے لیے باعث سعادت اور نجات سمجھتے ہیں۔

1955 سے 1990ء تک ان کے ترجمے کے شائع شدہ ایڈیشن میں سورتوں کی نزولی ترتیب ہے البتہ 1991ء میں اپنے نظر ثانی ایڈیشن میں انھوں نے قرآن کی توقیفی ترتیب بحال کر دی، گو اس کی کوئی وجہ بیان نہیں کی ہے۔ ان کے ترجمے میں شامل حواشی قرآن کے بارے میں مغالطے پیش کرتے ہیں۔ وہ اسلام کو صرف عرب قوم اور تمدن تک محدود رکھتے ہیں۔ چونکہ یہ ترجمہ انگریزی کے مقبول ناشر پینگوئن ،لندن نے ارزاں قیمت پر شائع کیا ہے، یہ اسلام دشمن ترجمہ مغرب میں ہر جگہ دستیاب ہے۔ داؤد کا نقطۂ نظر واضح طور پر یہودی موقف کا نمائندہ ہے اور اسی کے زیر اثر اس میں اسلام، قرآن اور سیرۃ کو مسخ کر کے پیش کیا گیا ہے۔ یہ ایک ناقابل اعتبار انگریزی ترجمہ ہے۔

4.2.8 ایلن جونز (Alan Jones)

عنوان: THe Quran Translated into English سن اشاعت: 2007

جونز (1933—2021ء) چالیس سال سے زائد آکسفورڈ یونیورسٹی میں عربی کے پروفیسر رہے۔ ان کا ترجمۂ قرآن اسلام، قرآن کے خلاف انتہائی معاندانہ رویے کا مظہر ہے۔ دیگر مستشرقین کی طرح ان کا عقیدہ ہے کہ قرآن بائبل سے مستعار ہے اور اس میں کوئی خوبی نہیں۔ ان کو عربی زبان وادب کے حوالے سے بھی قرآن میں کوئی حسن نظر نہیں آتا۔ وہ متن قرآن کو نظم و ترتیب حتی کہ معنی اور مطلب سے بھی عاری قرار دیتے ہیں۔ ان کا اصرار ہے کہ قرآن سرتاسر مناظرہ ہے اور یہ یہودیوں اور عیسائیوں کا دشمن ہے۔ ان کو ہر قرآنی سورہ میں یہ مخالفت نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ قرآن کے بارے میں ان کی رائے ہے: ''قرآن میں درج وہ قصے ہیں جو آپ کو بائبل اور دیگر حوالوں سے سنائے گئے تھے۔ اس لوازمے پر محمد نے غور و خوض کیا اور پھر اسی بنیاد پر اپنا کلام پیش کر دیا''۔ ان کے مطابق بائبل کے علاوہ قرآن پورے مشرق وسطی اور بحیرۂ روم میں مقبول افسانوں اور روایتوں سے ماخوذ ہے۔ وہ مصحف قرآن کی صحت کے بھی قائل نہیں اور قرآن کی جمع و تدوین کے بارے میں انھوں نے شدید شکوک اور تحفظات ذہنی کا اظہار کیا ہے۔ وہ قرآن کے نزول کی تاریخ اور اس کی توقیفی ترتیب سے بھی اتفاق نہیں

رکھتے۔ سورہ الفاتحہ کے بارے میں انھوں نے یہ شر انگیز اظہار خیال کیا ہے کہ اس سورہ کا زمانۂ نزول نامعلوم ہے اور اس کی آخری آیت میں بہت بعد میں ترمیم کی گئی۔ یہ موقف اس لحاظ سے بالکل ناقابل توجہ ہے کہ سورہ الفاتحہ کی تلاوت روزانہ جہری نمازوں میں بلند آواز میں ہزاروں، لاکھوں مسلمانوں کی نماز باجماعت میں جاتی تھی۔ رسول اللہ (ﷺ) کی وفات کے بعد اس میں کوئی تبدیلی کیسے ممکن تھی۔ ان کے تجزیہ کے مطابق بیشتر قرآنی آیات گنجلک اور بے معنی ہیں۔ اس ضمن میں انھوں نے قرآن کے بے مثل اعجاز کو مطلق نظرانداز کر دیا ہے۔

ہر چند کہ جونز کا ترجمہ اکیسویں صدی کا ہے اور آربیری کے ترجمے (1955ء) کے پچاس سال بعد شائع ہوا، اس لیے قدرتاً توقع تھی کہ یہ اپنے پیش رو مستشرقین کے اسلام دشمن موقف سے مختلف ہوگا اور کثیر المذہبی معاشرے میں بہتر عیسائی مسلم تعلقات کو فروغ دے گا لیکن در حقیقت اس نے قرآن پر بے بنیاد اور

شنیع الزامات کی طول طویل فہرست جرم عائد کی ہے۔ جونز عرصے تک عربی زبان وادب کے استاد کے منصب پر فائز ہونے کے باوصف قرآن میں کسی ادبی، فنی حسن کے منکر ہیں۔ ان کی رائے میں قرآن محض ایک معاندانہ تصنیف ہے جس کا واحد مقصد مسلمانوں کو یہودیوں اور عیسائیوں کے قتل وخون پر آمادہ کرنا ہے۔ ان کے بقول: ''مناظرے بازی قرآن کا ایک مستقل اور مسلسل موضوع ہے''۔ (ص:13)۔ ان کے مطابق قرآن کی سیکڑوں آیات بغض وعناد سے عبارت ہیں۔ سورہ البقرہ کے

صرف ایک صفحے کے تعارف میں چھ مرتبہ انھوں نے اس کو مناظرے بازی پر مشتمل سورہ سے تعبیر کیا ہے۔ ان کے مطابق قرآن میں عیسائیت سے متعلق تمام آیات متنازعہ ہیں، وہ کافروں کے بارے میں بھی قرآنی آیات پر سخت معترض ہیں۔ سورہ الانعام کا انھوں نے یہ تعارف پیش کیا ہے: ''یہ سورہ اپنے مناظرانہ اور معاندانہ مندرجات کے اعتبار سے قابل ذکر ہے۔ اس میں غیر مسلموں کی محض مذمت ہے''۔ (ص:128)۔ اسی طرح انھوں نے سورہ التوبہ پر نکتہ چینی کی ہے کہ اس کی متعدد آیات ان کی دانست میں غیر مسلموں کے خلاف مخاصمت سے پُر ہیں۔ انھوں نے اسلام، قرآن اور مسلمانوں کی تصویر کشی ایسے خون آشام مذہب اور اس کے متبعین کے طور پر کی ہے جن کا واحد مقصد حیات غیر مسلموں کا قتل اور تباہ کاری ہے۔ قرآن یہودی اور عیسائی مذہبی روایات سے مستعار ہے، اس کی زبان مغلق اور ناقابل فہم ہے اور اس کی ترتیب غیر منظم اور غیر منطقی ہے۔

المختصر جونز کا قرآن کے بارے میں زاویۂ نظر قطعاً منفی ہے۔ وہ اس میں کسی خوبی حتی کہ معنی اور مطلب سے بھی انکار کرتے ہیں اور قرآن کو ایسی یہودی اور عیسائی دشمن تصنیف تعبیر کرتے ہیں جس سے بڑا فتنہ پیدا ہوا۔

4.2.9 آرتھر جے ڈروج (Arthur J.Droge)

عنوان: The Quran: A New Annotated Translation سن اشاعت: 2014

ڈروج (پ: 1953ء) شعبۂ الٰہیات، شکاگو یونیورسٹی امریکہ میں استاد اور قرآن کی تدریس پر مامور ہیں۔ غیر جانبداری کے اپنے دعوی کے برعکس ان کا یہ ترجمہ قرآن اسلام مخالف مہم کا حصہ نظر آتا ہے کیونکہ قرآن کے بارے میں ان کی رائے یہ ہے: ''قرآن ایک مبہم اور مشکل کتاب ہے جو اغلاط سے پُر ہے، اس کے معنی اور مفہوم برآمد کرنا ممکن نہیں۔ اس کے جمع اور تدوین کے بعد بھی اس میں اضافے کیے

جاتے رہے۔اس کی آیات ایسے مقامات پر درج ہیں جہاں ان کا کوئی موقع محل نہیں ہے۔اس کی متعدد آیات حذف کر دی گئی ہیں۔ مصحف قرآن پر بارہا نظر ثانی اور ترمیم ہوئی،اس کے متن میں اختلافات کثرت سے ہیں''۔ان کے بعض دیگر بیانات کسی عجوبے سے کم نہیں۔ مثلاً: ''یہ امر متعین نہیں کہ قرآن 23 سال کی مدت میں بتدریج نازل ہوا''۔(ص:184،414اور442) بلکہ سورہ الدخان 46:3 سے عیاں ہے کہ مکمل قرآن بیک وقت نازل ہوا''۔(ص:334اور414)116ء قرانی آیات ان کے قول فیصل کے مطابق مغلق اور بے معنی ہیں۔ ان کے تفسیری حواشی ان کے ذہنی افلاس اور لاعلمی کے غماز ہیں مثلاً:

☆عدت کی کل مدت 4ماہ اور دس یعنی 14 ماہ ہے(ص:25)

☆قرآن کے مطابق اہل ایمان کا حرام اشیاء کھانا پینا کوئی سنگین معاملہ نہیں ہے۔(ص:72)

☆یہ مشکوک ہے کہ یثرب سے مراد مدینہ،سعودی عرب ہے۔(ص:121)

☆سورہ یونس 10:37 میں عبارت ''ہذاالقرآن'' سے ظاہر ہوتا ہے کہ مختلف زبانوں میں دیگر قرآن بھی موجود تھے۔(یہ مفروضہ انھوں نے اپنے ترجمے میں 10 مختلف مقامات پر بیان کیا ہے۔)

☆اسراء،معراج کا واقعہ موسٰی کے ساتھ پیش آیا تھا،اسے پیغمبر اسلام سے غلط منسوب کر دیا گیا ہے۔(ص:175)

☆اسلام میں شراب نوشی عین حلال اور جائز ہے(ص:50)

متعدد قرانی آیات ان کے مطابق بعد میں مصحف میں داخل کی گئی ہیں یا غلط مقامات پر چسپاں ہو گئی ہیں مثلاًالمائدہ 2:5،الأنفال 8:5،ہود 10:17اور 35،الرعد 13:39،النور 35:24،الشعرائَ 26:18-22اور التکویر 81:20-21۔

چند مقامات پر البتہ ڈروج نے حق گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے قرآنی بیانات کی تحسین وتائید کی ہے مثلاعیسائی تصور شفاعت کا انکار(ص ص:16اور 287)،عیسیٰؑ کی بشریت اور ان کی الوہیت کی تردید(ص:38)،ازلی گناہ کے تصور کا انکار(ص:204)،جانوروں کی قربانی میں اللہ کا کوئی حصہ نہیں ہونا(ص:217)۔

بحیثیت مجموعی،ڈروج قرآن کو بائبل کا ناقص عکس قرار دیتے ہیں۔اس کے متن کی صحت کے قائل نہیں اور اپنے حواشی میں انھوں نے قرآن کی صریحاً غلط ترجمانی کی ہے۔

4.2.10 جین ڈیمین میک آلف(Jane Dammen McAuliffe)

عنوان:The Quran:Norton Critical Edition سن اشاعت:2017ء

میک آلف(پ:1944ء جارج ٹاؤن یونیورسٹی،امریکہ میں اسلامیات،قرآنیات کی استاد ہیں۔اس خاتون کا شمار اکیسویں صدی کے ممتاز ترین مستشرقین میں ہوتا ہے کہ انھوں نے ہی The Encyclopaedia of the Quran(لائیڈن،ہالینڈ،برل،2006،6جلدوں میں)کو مرتب کیا ہے۔قرآن پر ان کا مبینہ ترجمہ کئی لحاظ سے قابل اعتراض ہے:

1) ہر چند کہ یہ ترجمہ ان کے نام سے منسوب ہے، انھوں نے قرآن کا ترجمہ نہیں کیا ہے بلکہ ایک برطانوی نو مسلم محمد مارما ڈیوک پکتھال (Muhammad Marmaduke Pickthall) کا 1930ء کا انگریزی ترجمہ نقل کر دیا ہے، گو بعض مقامات پر انھوں نے پکتھال کے متروک الفاظ کی جگہ سہل زبان استعمال کی ہے۔

2) اس ترجمے سے قرآن سے متعلق پس منظر کی معلومات کو فراہم نہیں گیا ہے مثلاً قرآنی شخصیات، مقامات، تاریخ و جغرافیہ، تلمیحات، عقائد اور احکام کو واضح نہیں گیا ہے بلکہ بعض بالکل غیر متعلق اور غیر قرآنی مضامین پر گفتگو کی ہے مثلاً علم الادویہ اور فن قسمت شناسی وغیرہ۔

3) ہر چند کہ مصنفہ نے پکتھال کے ترجمے کو نقل کر دیا ہے لیکن ان کے انتہائی موثر اور ایمان پرور مقدمے اور احکام قرآنی سے متعلق اشاریے کو حذف کر دیا ہے، اس سے قارئین کی حق تلفی ہوئی ہے۔

4) مصنفہ نے اپنے 150ء حواشی اس تصنیف میں شامل کیے ہیں، 20 میں بائبل اور قرآن کے مماثل اقتباسات کی محض نشان دہی کی ہے، کوئی تبصرہ نہیں کیا ہے۔ چونکہ بائبل کا اصلاً اور قرآن کا واقعۃً مخرج اور منبع الٰہی ہیں، ان دونوں کے مابین مشترک نکات قدرۃً ملتے ہیں البتہ بائبل میں بشری کلام کثرت سے داخل ہو گیا ہے اور اصل وحی الٰہی کا حصہ برائے نام ہی رہ گیا ہے۔

5) قرآنی آیات سے مصنفہ نے کھلے ہوئے شیعہ عقائد برآمد کیے ہیں مثلاً سورہ الصافات 37:107 میں ''ذبح عظیم'' کی تلمیح سے مراد صریحاً اسماعیلؑ ہیں لیکن اس آیت کی تشریح انھوں نے اس طور پر کی ہے: ''شیعہ مفسرین کے مطابق اس سے مراد نواسۂ محمدؐ، حسین کی کربلا میں شہادت ہے''۔ (ص:240)۔

ستم ظریفی یہ کہ اس تشریحی حاشیے میں ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کا مطلق کوئی ذکر نہیں ہے۔ ان کا ایک اور مفسدانہ حاشیہ یہ ہے: ''مسلم علماء کے ہاں اس نکتے پر مباحثہ ملتا ہے کہ ابلیس ایک باغی فرشتہ تھا یا جن اور اس کی نجات ممکن ہے یا نہیں''؟ (ص:7)۔ اسلام میں عیسائیت کے برخلاف باغی فرشتوں اور اللہ کے خلاف ان کی جنگ کا مطلق کوئی تصور نہیں پایا جاتا۔ نص قرآنی ہے کہ ابلیس ایک جن تھا (الکہف 18:50) ابلیس کی اخروی نجات مسلم علماء کی رو سے ناقابل تصور ہے۔ مصنفہ النساء آیت 34 وعورت پر مرد کے تفوق کا اعلان تعبیر کرتی ہیں۔ ان کی رائے میں آیت السیف اور دہشت گردی میں گہرا تعلق ہے۔ بائبل سے متاثر مصنفہ نے داؤدؑ کی کردار کشی کی ہے۔ ہر چند کہ یہ ترجمہ بڑے اہتمام سے ایک موقر ناشر کی جانب سے شائع ہوا، یہ انتہائی قابل اعتراض ہے، اسلام دشمنی کا رویہ اس پر ثبت ہے۔ قرآن کی گمراہ کن ترجمانی اس پر مستزاد۔

4.2.11 گبریل سعید رینالڈس (Gabriel Said Reynolds)

عنوان: The Quran and the Bible سن اشاعت: 2018

رینالڈس نوٹرے ڈیم یونیورسٹی، امریکہ میں اسلامیات کے استاد ہیں۔ ان کے ترجمہ قرآن کے عنوان ہی سے قرآن پر بائبل کے اثر کا

تصور نمایاں ہے کہ مستشرقین کے ہاں یہ مسلمات میں داخل ہے کہ قرآن بائبل سے سرقہ ہے۔لطف یہ کہ یہودی اور عیسائی مستشرقین نے اپنے اپنے مذہب سے اسلام، قرآن کے ماخوذ ہونے کا دعوی کیا ہے۔ان بے بنیاد باتوں کی مسکت تردید مسلم فاضل مہر علی کی گراں قدر کتاب Mohar Ali, The Quran and the Orientalists(2004ء)میں ملتی ہے۔حالانکہ یہ ترجمہ رینالڈس سے منسوب ہے ،اپنی تصنیف میں انھوں نے ایک شیعہ انگریزی مترجم قرآن علی قلی قرائی(2004ء)کا ترجمہ نقل کر دیا ہے، حواشی البتہ خود رینالڈس کے ہیں۔اس شیعہ ترجمے کا انتخاب اس لیے افسوس ناک ہے کہ یہ واضح اکثریتی مسلم مسلک یعنی سنی مسلمانوں کا نمائندہ نہیں ہے۔ علی قلی قرائی کے ترجمے میں نبی، رسول کے لئے عیسائی اصطلاح Apostle استعمال ہوئی ہے جس کے معنی حواری یا تابع رسول ہے،اس لحاظ سے یہ اصطلاح قرآنی تصور نبوت، رسالت کی صحیح ترجمانی نہیں کرتی۔ مزید برآں اس ترجمے میں کثرت سے متروک انگریزی الفاظ ہیں جن کو بغیر کسی تبدیلی کے رینالڈس نے بجنسہ نقل کر دیا ہے۔انھوں نے قرآن پر یہ الزام لگائے ہیں: بائبل میں یروشلم ایک مقدس مقام ہے قرآن نے وہی پیکر مکہ کے لیے استعمال کیے ہیں۔(ص:70)۔ سورہ البقرہ آیت:255(آیت الکرسی) کسی یہودی یا عیسائی مناجات کی نقل ہے (ص:99)۔ یہاں لفظ ''کسی''اور ماخذ کو متعین نہ کرنے سے اس الزام کا خود ہی بے بنیاد ہونا ثابت ہے۔اس طرح کے متعدد بیانات سے رینالڈس نے قرآن کو بے وقعت ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔دیگر مستشرقین کی طرح وہ قرآن کو کلام اللہ تسلیم نہیں کرتے،البتہ انھوں نے براہ راست رسول اللہ کو قرآن کا مصنف ہونے کا اعلان نہیں کیا ہے اور محض مصنف قرآن کی ترکیب اختیار کی ہے جو کہ متعین نہ ہونے کے باعث غیر تسلی بخش ہے۔قرآن میں بائبل سے مماثل واقعات،اصطلاحات اور تصورات کی نشاندہی بہت جوش و خروش کے ساتھ کی ہے لیکن انھوں نے یہ اعتراف بھی کیا ہے کہ ''نزول قرآن کے دور میں بائبل اور دیگر یہودی اور عیسائی تصانیف عربی میں دستیاب نہ تھیں''۔ (ص:3)۔ قدرتاً یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ از خود قرآن جیسا معجزاتی شاہکار کیسے وجود میں آگیا جس میں بقول مستشرقین آرامائی، سریانی، حبشی، یونانی اور دیگر زبانوں کے سرمایۂ علم اور پورے مشرق وسطی، بحیرۂ روم اور زرتشتی روایات کا عطر کشید ہے۔اس کے علاوہ قرآن کی اپنی ابتکاریت،اضافے اور امتیازات اس پر مستزاد ہیں۔اسی طرح مستشرقین اس اہم سوال کا جواب دینے سے بھی قاصر رہتے ہیں کہ قرآن میں بائبل کے لوازمے میں نمایاں اصلاح کیسے ہوئی۔ بائبل کی داستانوں کے مقابلے میں قصص قرآنی میں روحانیت،توحید اور اخلاقیات کیسے جاری و ساری ہیں۔ بائبل میں تحریفات اس وسیع پیمانے پر ہیں کہ بائبل میں سلیمانؑ پر بت پرستی داؤدؑ پر جنسی بے راہ روی،یوسفؑ پر لعنت ملامت،یعقوبؑ کی خدا سے کشتی کا مقابلہ اور ان کا خدا پر فتح یاب ہونا،خدا کا حاسد اور منتقم ہونا،خدا کا بنی اسرائیل کی جانب صریح طرفداری کرنا، عیسیٰؑ کو اپنا بیٹا بنالینا،اسرائیلی اور غیر اسرائیلی قوموں کے درمیان خدا کا امتیازی اور متعصبانہ سلوک، پوری بنی نوع انسانی کو ازلی گناہ کا مجرم قرار دینا، حوّا(عورت) کو شر اور خطائے آدم کے لیے ذمہ دار اور اسی باعث حقیر گردانتا اور عورت کو کسی طرح کا بھی حق نہ دینا وغیرہ وغیرہ کا ذکر ہے۔اسی طرح جنگ، طلاق، حیض، قصاص وغیرہ کے قرآنی احکام بائبل سے قطعاً مختلف ہیں اور پھر قرآن میں بائبل کے صریحاً مخالف بیانات متعدد بھی ہیں اور پُر زور بھی مثلاً عقیدۂ تثلیث، عیسیٰؑ کا ابن اللہ ہونا، عیسیٰؑ اور مریم کی پرستش، عیسیٰؑ کی بنی نوع انسانی کی شفاعت اور ازلی گناہ کا کفارہ اور رہبانیت وغیرہ کی بھرپور تردید اور تنسیخ۔اس صورت میں قرآن کو بائبل کی نقل کیسے فرض کیا جاسکتا ہے۔

غرضیکہ رینالڈس کا ذہن قرآن کے خلاف مسموم ہے، وہ اسے بائبل سے مستعار سمجھتے ہیں۔ان قرآنی واقعات اور روایات کی تردید کرتے ہیں جو بائبل سے فرق ہیں۔قرآنی متن کا ترجمہ انھوں نے ایک شیعہ انگریزی مترجم سے نقل کر دیا ہے۔

4.2.12 ٹامس کلیری (Thomas Cleary)

عنوان: The Quran:A New Translation سن اشاعت: 2004ء

کلیری (پ1949ء) امریکی فاضل ہیں، جن کا شعبۂ اختصاص بدھ مذہب اور تقابل ادیان ہے۔انھوں نے متعدد بدھ مذہبی صحائف کے علاوہ اسلامی سرمایۂ حکمت کا بھی انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔قرآن کے علاوہ انھوں نے علیؓ کے اقوال کا بھی انگریزی میں ترجمہ پیش کیا ہے۔کلیری کا اسلام، قرآن سے متعلق نقطۂ نظر دیگر مستشرقین سے یکسر برعکس ہے۔انھوں نے قرآن کو منصفانہ اور معروضی انداز میں قارئین سے متعارف کیا ہے اور اسلامی عقائد اور تصور جہاں کی صحیح ترجمانی کی ہے۔قرآن کو دیگر مآخذ سے مستعار ہونے کا الزام عائد کرنے کے بجائے انھوں نے سیکولر دور حاضر میں قرآن کی اہمیت اور معنویت کو نمایاں کیا ہے۔ان کے مطابق قرآن ''جستجو اور انکشاف کے لیے انسان کی ذہن سازی کرتا ہے اور انسان کے ضمیر کو مخاطب کرتا ہے۔یہ بنی نوع انسان پر قرآن کا بڑا احسان ہے''۔(ص ص:viii-vii)۔انھوں نے قارئین کو اسلام کے خلاف رائج منفی تاثرات کے بارے میں خبر دار کیا ہے اور ان کو اسلام کے غیر متعصبانہ مطالعے کی ترغیب دی ہے۔بائبل کے مقابلے میں قرآن کی اپنی انفرادیت ہے اور قرآن اور سیرت رسول اللہ کے متعلق تمام معلومات مستند اور تاریخی اعتبار سے ثابت ہیں۔قرآن کا پیغام پوری انسانیت کے لیے ہے، انفرادی سطح پر بھی اور اجتماعی سطح پر بھی۔سیرت رسول اللہ کے ضمن میں انھوں نے حق گوئی کا مظاہرہ کیا ہے اور اس الزام کی تردید کی ہے کہ اسلام کی اشاعت بزور شمشیر ہوئی۔رسول اللہ ﷺ نے افراد، معاشرے اور اپنی قوم کی روحانی، دینی، اخلاقی اور سماجی اصلاح کا انقلابی کارنامہ انجام دیا۔

قرآن کے مبسوط تعارف کو محیط مقدمے کے علاوہ ان کے ترجمے میں وضاحتی حواشی بھی ہیں، جو ان کی لائق ستائش قرآن فہمی کے عکاس ہیں۔ان کے مطالعہ کی رو سے قرآن بائبل سے واضح طور پر ممتاز ہے، محض اس کا چربہ نہیں۔(ص:167)۔انھوں نے قصص انبیاء میں قرآن کے بائبل سے قطعاً مختلف ہونے کا ذکر تحسین کے ساتھ کیا ہے مثلاً بائبل کے برخلاف قرآن صرف حوّا (عورت) کو خدا کی نافرمانی کا مرتکب نہیں قرار دیتا۔بائبل میں مذکور قصے کے باعث عورت کو شر مجسم متصور کیا گیا۔قرآن میں ازلی گناہ کا بھی کوئی تصور نہیں بلکہ ایمان اور نیک عمل کے ذریعے نجات کے دروازے سب کے لیے یکساں طور پر کھلے ہوئے ہیں۔قرآن درحقیقت وہ فرقان ہے جس سے انسان حق اور باطل کے درمیان نمایاں فرق محسوس کر سکتا ہے۔(ص ص:171 اور 176)۔انھوں نے سورہ النساء میں مذکور قانون وراثت کو حق بجانب تسلیم کیا ہے اور مستشرقین کی اس غلط فہمی کو زائل کیا ہے کہ اسلام میں صنفی ناانصافی ہے یا عورت کا درجہ کمتر ہے۔وراثت میں مرد کا حصہ اس لیے زیادہ ہے کہ وہی اپنے خاندان کی کفالت کا ذمہ دار ہے۔(ص:179)۔قرآن نے عیسیٰؑ کے احترام اور اکرام کو ملحوظ خاطر رکھا ہے۔(ص:180)۔اسلام میں خدا اور رسول کے مابین بنیادی فرق ہے۔مغربی فضلاء اس امتیاز کی فہم سے عاجز نظر آتے ہیں۔رہبانیت کے خلاف قرآن کا موقف عقل سلیم کے عین مطابق ہے۔(ص:184)۔

کلیری کے نقطۂ نظر کا ایک اور مستحسن پہلوان کا بدھ مذہب اور اسلام کا موازنہ ہے۔اس تقابلی مطالعے میں انھوں نے بدھ مذہب کی برتری ثابت نہیں کی ہے بلکہ دونوں مذاہب کے مابین مشترک روحانی اور اخلاقی اقدار کو نمایاں کیا ہے۔استشراق کی تاریخ میں ایسے تقابلی مطالعے کی یہ پہلی روشن مثال ہے۔اس پہلو پر مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔

مختصراً استشراق کی روایت میں کلیری اپنی انصاف پسندی اور حق شناسی کے لحاظ سے قابل داد ہیں۔ان کا ترجمہ معیاری، فہم قرآنی معقول اور تحقیق عمیق بھی ہے اور لائق تحسین بھی۔

4.2.13 صفی کسکس اور ڈیوڈ ہنگر فورڈ(Safi Kaskas and David Hungerford)

عنوان:The Quran with References to the Bible سن اشاعت:2016ء

یہ دوامریکی فضلاء کی مشترک تصنیف ہے جس کے ایک مصنف عیسائیDavid Hungerfordاور دوسرے مسلمان صفی کسکس ہیں۔یہ ترجمۂ قرآن اور کثیر تعداد میں حواشی پر مشتمل ہے۔حواشی کی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں ہر متعلقہ قرآنی آیت کے ہم معنی بائبل کے اقتباس کا حوالہ درج ہے۔بالفاظ دیگر ایک نظر میں قارئین کے سامنے بائبل اور قرآن میں مماثل لوازمے کی نشاندہی ہو جاتی ہے۔یہ تقابل ادیان کی ایک محمود علمی تحقیق ہے جس کا مقصود مناظرے بازی یا ایک صحیفے کی دوسرے پر برتری ثابت کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ قارئین کے لیے یہ پیغام ہے کہ بعض تعلیمات، بالخصوص روحانی اور اخلاقی اقدار بائبل اور قرآن میں مشترک ہیں لہذا عیسائیوں اور مسلمانوں کو ایک دوسرے سے قریب آنا چاہئے اور بہتر اخلاقی صفات کے حامل معاشرے کے لیے متحد ہو کر کوشش کرنا چاہئے۔یہ تصنیف بین المذہبی ہم آہنگی اور یگانگت کے فروغ کے مقصد سے ایک لائق تبریک سنجیدہ اور مخلصانہ کاوش ہے جس کا فراخ دلی سے استقبال کرنا چاہئے۔بین المذہبی اشتراک اس تصنیف کے عنوان سے بھی ہویدا ہے۔

مطالعۂ قرآن میں بائبل کا حوالہ عرصہ دراز سے مغرب کی استشراقی روایت کا اہم جزو رہا ہے۔البتہ ان کا طعن آمیز موقف ہمیشہ یہی رہا ہے کہ قرآن کلام اللہ یا وحیٔ الٰہی نہیں بلکہ بائبل کی ناقص اور ناکام نقل ہے اور اس کی اپنی کوئی اصل یا ندرت نہیں ہے۔اس فتنے کی ابتداء ساتویں صدی میں دمشق میں مقیم پادریSaint Johnکے مکاتیب سے ہوئی جس نے اہل یوروپ کو یہ پیغام دیا کہ اسلام محض عیسائیت کا ایک گمراہ فرقہ ہے اور قرآن بائبل سے ماخوذ اور مستعار ہے۔انیسویں صدی میں مغربی فضلاء کا یہ موضوع بحث اور تحقیق کا محور رہا کہ قرآن کی اساس یہودیت پر ہے یا عیسائیت پر۔مسلمانوں کا بائبل اور قرآن کے مابین مماثلت کے بارے میں ہمیشہ یہی موقف رہا کہ چونکہ بائبل اور قرآن دونوں کا منبع اور مخرج وحیٔ الٰہی ہے، اس لیے بائبل میں تحریف کے باوجود بھی اس میں بعض ایسے اجزاء اب بھی ہیں جو قرآن میں بھی ہیں۔

زیر گفتگو ترجمۂ قرآن میں بائبل یا قرآن کی ایک دوسرے پر تفضیل سرے سے موضوع گفتگو ہی نہیں ہے بلکہ ان دونوں کے درمیان مشترک مضامین، یکساں تعلیمات اور مماثل نکات پر ہے۔آج کے مغرب میں جب اسلام کی بیخ کنی(Islamophobia)عام ہے، ایسی مثبت تصنیف کی قدر و قیمت اور زیادہ ہے۔اس کے 90فی صد حواشی بائبل کے ان حوالوں (بقید کتاب اور سطر نمبر) پر مشتمل ہیں جن کا مضمون قرآنی آیات سے ہم آہنگ ہے۔قرآن میں اہم ترین عقیدہ توحید الٰہی ہے، اس تصنیف میں بائبل کے ۱۹ایسے اقتباسات اور حوالے

درج ہیں جن سے قرآنی عقیدۂ توحید کی تائید اور توثیق ہوتی ہے۔

عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان مفاہمت کا فروغ اس تصنیف کا بنیادی مقصود ہے، اسی کے پیش نظر اختلافی امور میں سکوت اختیار کیا گیا ہے مثلاً عیسیٰؑ کی ابنیت اور تثلیث کی تردید (التوبہ 9:3، النساء: 4:57 اور آل عمران 3:34--64)، یہودیوں کا کفران نعمت اور محمدؐ رسول اللہ کے خلاف بغض و عناد (البقرہ 2:40-41)، ان کا باطل نظریۂ شفاعت (البقرہ 2:48)، بنی اسرائیل کا انبیاء کا قتل ناحق (البقرہ 2:61) اور اہل کتاب کے ضال و مضل عقائد کا ابطال (آل عمران 3:65-66)۔ ان امور کے بارے میں مصنفین نے اظہار خیال سے احتراز کیا ہے۔

مختصراً، یہ ترجمۂ قرآن بین المذہبی مکالمے اور مفاہمت کے خوش آئند رجحان کا نمائندہ ہے اور استشراق کی تاریخ میں ایک نیا خوشگوار اضافہ ہے۔

4.3 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے :

- مستشرقین کے انگریزی تراجم قرآن کا تاریخی پس منظر
- انگریزی تراجم قرآن کی تاریخ
- ہر مترجم کا تعارف اور اشاعتی کوائف
- ہر مترجم کے ترجمے کا تجزیہ
- مترجمین کے مابین مماثلت اور اختلافات
- ہر مترجم کا قرآن کے بارے میں زاویۂ نظر

4.4 کلیدی الفاظ

مستشرق　　ترجمۂ قرآن　　بائبل　　ترجمہ اور حواشی۔

4.5 نمونہ امتحانی سوالات

4.5.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. ہالینڈ کی قومی زبان کیا ہے؟

(a) المانوی　　(b) ولندیزی　　(c) اطالوی　　(d) ہالش

2. لاطینی کے بعد کس زبان میں سب سے پہلے ترجمہ قرآن شائع ہوا؟

(a) انگریزی (b) فرانسیسی (c) جرمن (d) اطالوی

3. مستشرق سموئیل زویمر نے کس کے انگریزی ترجمہ قرآن پر تنقید کی ہے ؟

(a) راس (b) سیل (c) راڈویل (d) پالمر

4. سیل کا تعلق کس عیسائی فرقے سے تھا؟

(a) اینگلکن (b) آرتھوڈوکس (c) کیتھولک (d) پروٹسنٹ

5. انگریزی تراجم قرآن میں کس کے ترجمے کے سب سے زیادہ ایڈیشن شائع ہوئے ؟

(a) راس (b) سیل (c) آربیری (d) جونز

6. کس مستشرق نے پالمر کے ترجمہ قرآن میں متعدد غلطیوں کی نشاندہی کی ہے ؟

(a) نکل (b) رپن (c) رینالڈ (d) نولڈیکے

7. کس مترجم نے سب سے پہلے نزولی، تاریخی لحاظ سے متن قرآن کو مرتب کیا ہے ؟

(a) سیل (b) راڈوی (c) بیل (d) رینالڈس

8. کس انگریزی مترجم نے قرآن کی اثرآفرینی کا اعتراف کیا ہے ؟

(a) سیل (b) راڈویل (c) آربیری (d) میک آلف

9. میک آلف نے کس کا انگریزی ترجمہ نقل کیا ہے ؟

(a) عبداللہ یوسف علی (b) پکتھال (c) عبدالماجد دریابادی (d) محمد اسد

10. قرآن انسائیکلوپیڈیا کا مدیر کون ہے ؟

(a) ویمر (b) جیفرے (c) رپن (d) میک آلف

4.5.2 مختصر جوابی سوالات

1. راس نے کس مقصد کے تحت اپنا انگریزی ترجمہ قرآن پیش کیا؟
2. سیل کے ترجمے میں بعض غلطیاں کیا ہیں ؟
3. پالمر نے قرآن کے کس پہلو پر تنقید کی ہے ؟
4. داؤد نے قرآن پر کیا اعتراض کیا ہے ؟
5. بیل نے راڈویل کا کیسے اتباع کیا ہے ؟

4.5.3 طویل جوابی سوالات

1. سیل کے ترجمہ قرآن پر نقد و نظر کیجئے۔
2. مستشرقین نے اپنے تراجم میں قرآن پر کیا اعتراضات کیے ہیں؟
3. اکیسویں صدی کے کسی ایک انگریزی ترجمہ قرآن پر محاکمہ کیجیے۔

4.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. Baljon, J. , Modern Muslim Koran Interpretation , Leiden, 1961
2. Blachere, R. , Introduction au Coran, Paris, 1947.
3. Burton, J. , The Collection of the Quran, Cambridge, 1977.
4. Hirschfeld, H., New Researches into the Composition and Exegesis of the Quran, London, 1902.
5. Katsh, A. I., Judaism in Islam, New York, 1954.

Muir, W., The Coran, its composition and teaching, London, 1878.

6. Noldeke, T., Geschichte des Qorans, Leipzig, 1903 -1938.
7. Paret R., Muhammad und der Koran, Stuttgart, 1957.
8. Torrey, C., The Jewish Foundation of Islam, New York, 1933.
9. Wansbrough, J., Quranic Studies, Oxford, 1977.
10. Ali, Mohar, The Quran and the Orientalists, Norwich, 2004.
11. Manzoor, S. Parvez, "Method against Truth" in the Muslim World Book Review. 7:4 (1987), 33 -49.
12. A. L. Tibawi, The English Speaking Orientalists, London 1963.
13. اسلام اور مستشرقین۔۸ جلدیں۔دارالمصنفین، اعظم گڑھ
14. عبدالرحیم قدوائی، اسلام اہل مغرب کی نظر میں، ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی، علی گڑھ 2023ء، مرتبہ رفیق احمد رئیس سلفی۔

اکائی 5: حدیث کے میدان میں مستشرقین کی علمی خدمات

اکائی کے اجزا:

5.0 تمہید

5.1 مقاصد

5.2 حدیث اور علم حدیث

5.3 حدیث، علم حدیث اور مستشرقین

5.3.1 تحقیق وتدوین

5.3.2 مطالعات وتصنیفات

5.3.3 ترجمہ

5.3.4 فہارس ومعاجم

5.4 مستشرقین کے حدیثی مطالعات کا جائزہ

5.4.1 تدوین حدیث اور مستشرقین

5.4.2 متن حدیث اور مستشرقین

5.4.3 سندورجال حدیث اور مستشرقین

5.5 مستشرقین کے اعمال کا تنقیدی جائزہ

5.6 اکتسابی نتائج

5.7 نمونہ امتحانی سوالات

5.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

5.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

5.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

5.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

5.0 تمہید

استشراقی مطالعات نے مشرقی علوم و معارف کا کوئی گوشہ ایسا نہیں چھوڑا جسے اپنے بحث و نظر اور تصنیف و تالیف کا محور نہ بنایا ہو، مشرق کی زبانیں، مشرقی تہذیب و تمدن اور مشرقی آثار و تاریخ وغیرہ علمی میدانوں کو مستشرقین نے اپنی جولانگاہ بنایا۔ عالم مشرق میں زیر زمین مدفون علمی و تہذیبی آثار کی تلاش و کھوج کی، مختلف مشرقی زبانوں کے علمی اعمال و کتب و رسائل کو گمنامی سے نکال کر ان کے تعارف کا کام کیا اور ان کی تحقیق و اشاعت کی، کئی مردہ زبانوں کو حیات نو عطا کی، اور اس جہت سے مستشرقین کام قابل تعریف و ستائش ہے، لیکن کئی مستشرقین نے اپنی علمی تحقیقات و معلومات کو تبشیر و نوآبادیاتی نظام کی خدمت کے لئے اور اقوام مشرق بالخصوص مسلمانوں کو مغرب کے زیر اثر رکھنے کے لئے استعمال کیا، اور اس حیثیت سے ان کا کام لائق مذمت و نکیر ہے۔

مستشرقین کی ایک بڑی جماعت نے اسلام کو اپنا موضوع بنایا اور انہوں نے تمام اسلامی علوم و معارف کو اپنے فکر و قلم کی کارگاہ بنایا ہے۔ اگر ہم اسلام کے حوالے سے استشراقی مطالعات کا ایک سرسری جائزہ لیں تو یہ حقیقت پوری طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اسلامی علوم کا کوئی ایسا پہلو نہیں ہے جس میں استشراق نے خامہ فرسائی نہ کی ہو بلکہ اس میں بے شمار تصنیفات نہ چھوڑی ہو۔ اور یہ استشراقی اعمال صرف کتابوں تک محدود نہیں ہیں بلکہ یہ سینکڑوں رسالوں، جریدوں، سالناموں کے علاوہ کانفرنسوں اور سیمیناروں میں بھی پھیلے ہوئے ہیں۔

استشراق نے اپنے اسلامی مطالعات کی ابتداء عربی زبان، اسلامی تاریخ و ثقافت، اور سیرت نبوی سے کیا، عربی زبان کے علوم و فنون پر خصوصی توجہ دی کیونکہ اسلام اور اسلامی تہذیب و ثقافت کی معرفت کے لئے ان علوم کی خاطر خواہ معرفت ضروری ہے، پھر وہ دوسرے دینی علوم کی طرف متوجہ ہوئے، ان علوم میں قرآن، حدیث، فقہ اور علم کلام وغیرہ شامل ہیں۔ متاخر الذکر علم یعنی علم کلام اور مطالعہ فرق، مذاہب مستشرقین کی توجہات کا خاص محور رہے۔ حدیث شریف کی طرف استشراق کا التفات کافی تاخیر سے ہوا، اور گزشتہ دو صدیوں سے پہلے حدیث کے موضوع پر کوئی بھی قابل ذکر اور لائق توجہ کام نہیں ہوا۔ پیش آمدہ صفحات میں حدیث شریف کے سلسلے میں مستشرقین کی خدمات کا جائزہ لیا جائے گا۔ اور ان خدمات کی قدر و قیمت کے تعیین کی کوشش کی جائے گی۔

5.1 مقاصد

امید کی جاتی ہے کہ طلبہ اس اکائی کو پڑھ کر مندرجہ ذیل مقاصد کا اکتساب کرنے میں کامیاب ہوں گے۔

1. مستشرقین نے علم حدیث کے میدان میں کیا کیا خدمات انجام دی ہیں۔
2. کتب حدیث کی تحقیق و تدوین میں مستشرقین نے کون سے نمایاں کام کئے ہیں۔

3. کتب حدیث کے ترجموں میں مستشرقین کی خدمات کیاہیں۔
4. علوم حدیث سے متعلق مستشرقین کے مطالعات کا جائزہ۔
5. علوم حدیث پر مستشرقین کے کام کا تعین قدر؟
6. مستشرقین کے مطالعہ حدیث کے مقاصد واہداف سے آگہی۔
7. مستشرقین کے ذریعے علوم حدیث کے کاموں کی کمیت و کیفیت سے واقفیت۔

5.2 حدیث اور علم حدیث

حدیث ان افعال واقوال و تصرفات کو کہتے ہیں جن کا صدور نبی اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سے ہوا۔ بلفظ دیگر آپ ﷺ کے قول و فعل واقرار و وصف کو حدیث کہتے ہیں۔ اقرار سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ کے سامنے کچھ کہا گیا یا کیا گیا اور آپ نے اس سے منع نہیں فرمایا۔ حدیث چار اسلامی مصادر میں سے ایک ہے، یعنی قران و حدیث و اجماع و قیاس۔ قران کے معنی کی تفسیر، اس کے مجمل کی تفصیل اور اس کے مبہم کی تعیین حدیث کے ذریعے ہی ہوتی ہے۔ کتاب اللہ میں رسول اللہ ﷺ کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے، سنت میں بھی حدیث کے غیر معمولی اہمیت و ضرورت کا بیان کیا گیا ہے جس کے پیش نظر صحابہ کرام حدیث کو حفظ کرنے اور اس کی جمع و تدوین کا بے حد اہتمام کرتے تھے، بعض صحابہ سے حدیث کی کتابت بھی منقول ہے۔ صحابہ سے تابعین نے حدیث کی روایت کی اور ان سے تبع تابعین نے، اور ان سے محدثین نے، اور پھر انہیں کتابوں میں محفوظ کر لیا گیا۔ حدیث کے بغیر نہ اسلام کا فہم ممکن ہے اور نہ اس کے احکام پر عمل ممکن ہے۔ اسلامی عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق سبھی کی معرفت کا دار و مدار حدیث شریف کی معرفت پر ہے۔ حدیث شریف کی اسی اہمیت کے پیش نظر عہد رسالت سے ہی مسلمانوں نے اسے سننے وسنانے، اس کی جمع و تدوین اور اس کی حفاظت و صیانت کا اہتمام وانصرام کیا۔

علم حدیث کی دو اہم شاخیں ہیں: علم روایہ اور علم درایہ۔ علم روایہ میں حدیث کی سند اور اس کے راویوں سے گفتگو ہوتی ہے، ان کی جرح و تعدیل ہوتی ہے۔ جبکہ علم درایہ کا محور حدیث شریف کا متن ہوتا ہے۔ ان دونوں علوم سے متعلق بہت سے فرعی علوم ہیں؛ اور ان علوم میں مسلمانوں نے جس دقت نظری اور قوت فکری کا ثبوت دیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ دنیا کے کسی قوم و ملت میں اس کی نظیر نہیں ملتی ہے۔

حدیث کے تین ارکان ہوتے ہیں:

1. روایت: حدیث کی پوری نص اور واقعے کو روایت کہتے ہیں۔ کیا کہا؟ کس نے کہا؟ اور کس تناظر میں کہا؟ یہ سب روایت کا حصہ ہے۔
2. سند: ان راویوں کے سلسلے کا نام ہے جنہوں نے حدیث کو ایک دوسرے سے نقل کیا ہے، اور یہ سلسلہ رسول اللہ ﷺ تک پہنچتا ہے۔
3. متن: وہ کلمات وعبارات ہیں جنہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔

اپنے معنی و مشمولات، اور صحت و کیفیات وغیرہ کے اعتبار سے حدیث کی کئی قسمیں ہیں، جن میں سے بعض اہم مندرجہ ذیل ہیں:

1. حدیث قدسی: وہ حدیث ہے وہ فرمان مصطفوی کے مطابق اللہ تعالی سے منسوب ہے۔ بشرط صحت یہ حدیث کی سب سے اعلی قسم ہے۔
2. حدیث صحیح: وہ حدیث ہے جو اپنے متن وسند دونوں اعتبار سے صحت وثقاہت کے اعلی ترین معیار کے مطابق ہو۔
3. حدیث حسن: وہ حدیث ہے جو اپنے متن وسند دونوں اعتبار سے صحت وثقاہت کے اچھے معیار کے مطابق ہو
4. حدیث ضعیف: وہ حدیث ہے جو اپنے متن کی صحت اور اپنے راویوں کی ثقاہت کے اعتبار سے کمزور ہو۔
5. حدیث موضوع: وہ حدیث ہے جو غلط طور پر رسول اللہ ﷺ کی جانب منسوب ہو۔

5.3 حدیث، علم حدیث اور مستشرقین

یہ بات معروف بھی ہے اور ایک حقیقت علمی بھی ہے کہ مستشرقین نے اپنے ابتدائی عہد میں حدیث شریف اور اس کے علوم کی طرف توجہ نہیں کی تھی۔ اور کئی صدیوں تک زبان وادب اور علوم قرآن وعقیدہ ہی ان کی تحقیقات اور ان کے مطالعات کا محور رہے تھے۔ سترہویں صدی کے آخر میں حدیث نبوی استشراقی مطالعات کا حصہ بنی۔ معروف عراقی مورخ اور استاد حدیث ڈاکٹر اکرم ضیاء عمری کے مطابق فرانسیسی مستشرق ہربلو(Herbelot) متوفی 1695ء نے سب سے پہلے حدیث کو اپنا موضوع بنایا، لیکن کوئی قابل ذکر کام نہیں کیا ، لسانیات اور تاریخ اس کے اعمال کا بنیادی موضوع تھے۔ انیسویں صدی کے نصف آخر میں مستشرقین کی توجہ حدیث نبوی کی جانب مبذول ہوئی۔ اور اس سلسلے کا سب سے اہم کام 1890ء میں منظر عام پر آیا۔ اور یہ کام مشہور مستشرق اگناس گولڈزیہر کی کتاب "اسلامی مطالعات" ہے جس کا جرمنی زبان میں عنوان(Muhammedaniche Studein) ہے۔ استشراقی حلقے میں یہ کتاب اپنے موضوع پر "انجیل" کا درجہ رکھتی ہے۔ آئندہ صفحات میں اس کتاب اور اس کے مشمولات کا تفصیل سے جائزہ لیا جائیگا۔

حدیث نبوی سے متعلق استشراقی اعمال کو ہم تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ تحقیق، تصنیف اور ترجمہ۔

5.3.1 تحقیق وتدوین

1. جرمن مستشرق کریل(Krehl L) متوفی 1901ء نے صحیح بخاری کے پہلے تین حصوں کی تحقیق کا کام کیا جو 1862-1868ء کے درمیانی وقفے میں لیڈن سے شائع ہوا۔ چوتھا حصہ جونبول(Juynboll W) متوفی 1948ء نے 1908ء میں لیڈن سے اپنی تحقیق کے ساتھ شائع کرایا۔
2. ولیم مارسے(Marcais W) متوفی 1889ء کی تحقیق کے ساتھ امام ابن حجر عسقلانی کی کتاب "نخبۃ الفکر" 1854ء میں کولکاتا سے شائع ہوئی۔
3. فرڈیننڈ وسٹنفیلڈ(Wustenfeld F) نے امام ذہبی اور امام سیوطی کی طبقات الحفاظ کو جرمنی کے شہر گوٹنگن سے 1924-1934ء کے درمیان شائع کرایا۔

4. وسٹنفیلڈ نے امام نووی کی کتاب تہذیب الاسماء واللغات کی تحقیق کی۔

5. کرنکو وفرٹس(Krenkow Fr) متوفی 1953ء نے ابن ابی حاتم کی کتاب جرح وتعدیل کی تحقیق کی جو دائرہ معارف عثمانیہ، حیدر آباد سے 1952ء میں شائع ہوئی۔

5.3.2 مطالعات وتصنیفات

انیسویں صدی کے نصف آخر میں مستشرقین نے تحقیقی کاموں کے ساتھ ساتھ حدیث شریف پر مقالے، بحثیں اور کتابیں لکھنے کا آغاز کیا۔ سب سے پہلے اس جانب کایتانی(Caetani) ولیم میور اور اسپر نگر نے توجہ دی۔ بعد میں اور بہت سے مستشرقین اس کارواں میں شامل ہو گئے جن میں سے کئی ایک کے نام بطور محقق بھی گزر چکے ہیں۔ دوسرے ناموں میں قابل ذکر: نولڈکہ (Noldeke)، جوزف ہاروچ(Horovits J) متوفی 1938ء جنہوں نے بطور استاد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ عربی میں بھی خدمات انجام دی ہیں۔ جوھان فوک(Fuck J) متوفی 1974ء، الورڈ ویلھم(Ahlward W) متوفی 1909ء، ونسنک(Wensinck A.J) متوفی 1939ء، جیمس روبسن، ڈرمنگھم(Dermenghem E) اور اسنوک ہر گرونج(Snouck Hurgronje) متوفی 1936ء وغیرہ ہیں۔

حدیث شریف سے متعلق مندرجہ بالا محققین ومصنفین کے مقدمات ومقالات اور مضامین اپنی تاثیر اور گہرائی دونوں اعتبار سے بے حد محدود رہے۔ لیکن اس ضمن میں مستشرقین کے قلم سے تین ایسی کتابیں وجود میں آئیں جو غیر معمولی اثرات کی حامل رہیں۔ ان میں سب سے اہم اگناس گولڈ زیہر کی کتاب ہے جس کی طرف اشارہ گزر چکا ہے۔ اس کے بعد شاخت (Schacht J.) نے اسی نہج پر اس موضوع کو آگے بڑھایا۔ اور تیسرا قابل ذکر کام الفریڈ گیوم(Guillaume A) متوفی 1966ء کا ہے، ذیل میں ان تینوں کتابوں کا تعارف پیش کیا جا رہا ہے۔

5.3.2.1. ''مطالعات اسلامی''(Muslim Studies)

کتاب کے مصنف اگناس گولڈ زیہر ہنگری کے مستشرق تھے جو اصلاً یہودی تھے۔ یورپ اور عرب ملکوں میں تعلیم حاصل کی، ازہر کے اساتذہ سے بھی استفادہ کیا۔ مغرب میں حدیث کے سب سے بڑے عالم مانے جاتے ہیں۔ دائرہ معارف اسلامیہ میں مادہ ''حدیث'' کے مصنف ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ''حدیث کے موضوع پر گولڈ زیہر کی تحریروں کا خود علم منت کش احسان ہے'' شاید ہی کسی مستشرق نے دوسرے مستشرقین پر اتنا گہرا اور دیرپا اثر ڈالا ہو جتنا اس ہنگرین مستشرق نے۔ اور اس نے اپنی تحقیقات سے مطالعہ حدیث کے جو خطوط وضع کر دئے یورپ آج تک اسی پر گامزن ہے۔ جبکہ کتاب کی پہلی اشاعت 1890ء کو سوا سو سال گزر چکے ہیں۔ اس سلسلے میں پروفیسر شاخت(Schacht J) متوفی 1969ء اور پروفیسر اسنوک ہر گرونج وغیرہ کو بطور مثال پیش کیا جا سکتا ہے۔ فواد سزگین نے تاریخ التراث العربی (عربوں کی علمی وراثت کی تاریخ) کے دوسرے حصے: 'التدوين التاريخي' میں گولڈ زیہر کے اعتراضات واشکالات کا تفصیلی

جواب دیا ہے۔

اس کتاب میں گولڈ زیہر نے پورے ذخیرہٗ حدیث کو مشکوک قرار دیا ہے۔اس کے خیال میں یہ تمام حدیثیں دوسری اور تیسری صدی ہجری میں وضع کی گئیں۔بلکہ اس نے یہ رائے پیش کی ہے کہ عہد صحابہ میں ہی وضع حدیث کا کام شروع ہو چکا تھا۔اور زیادہ تر حدیثوں کو فقہی، کلامی اور سیاسی جماعتوں نے وضع کیا ہے۔

.5.3.2.2 ''شریعت محمدی کے اصول''(The Origins of Muhammadan Jurisprudence):

گولڈ زیہر کی مذکورہ بالا کتاب جس میں انہوں نے احادیث کو موضوع قرار دیا تھا کے ساٹھ سال بعد جوزف شاخت کی یہ کتاب شائع ہوئی۔شاخت نے ان کی عدم صحت کو یقینی اور حتمی قرار دیا۔اس کتاب نے نہ صرف مستشرقین کو متاثر کیا بلکہ عالم اسلام میں بھی اس کی صدائے بازگشت سنائی پڑی۔بہت سی کتابیں اس کے رد میں لکھی گئیں جن میں سرفہرست ڈاکٹر مصطفی سباعی کی کتاب'' السنة ومكانتها في التشريع الاسلامی ''(سنت اور اسلامی قانون سازی میں اس کا مقام)ہے۔

شاخت نے اس کتاب میں مؤطا امام مالک اور امام شافعی کی کتاب الأم کا تفصیلی مطالعہ کیا ہے اور پھر حاصل مطالعہ کو حدیث وفقہ کی تمام کتابوں پر نافذ کر دیا۔شاخت کے مطابق امام شافعی نے ہی حدیث کی حجیت کے اصول کو وضع کیا ہے۔مستشرقین کے درمیان حدیث کے باب میں اس کام کو حرف آخر سمجھ لیا گیا اور بقول پروفیسر جب(Gibb) مستقبل میں شاخت کی یہ کتاب اس موضوع پر کم از کم مغرب میں ہونے والے تمام کاموں کی بنیاد رہے گی۔

.5.3.2.3 ''احادیث اسلام''

الفریڈ گیوم کی یہ کتاب گولڈ زیہر کی کتاب کا عکس ہے اور اس کی بعینہ تصویر ہے۔انگریزی میں(The Tradition of Islam) کے نام سے یہ کتاب شائع ہوئی جس میں گیوم نے پوری طرح سے گولڈ زیہر پر بھروسہ کیا ہے۔آگے آنے والے صفحات میں ان کتابوں کا قدرے تفصیل سے تنقیدی جائزہ لیا جائے گا۔

ان تین کتابوں کے علاوہ بھی مستشرقین کے کچھ اہم کام مقالات و مطالعات کی شکل میں ہیں جو ایسے مصادر و مآخذ میں ہیں جہاں تک زیر نظر موضوع پر کام کرنے والے کی نظر عموماً نہیں پہنچتی ہے لیکن جن کی معرفت مستشرقین کے مواقف اور مقاصد کو سمجھنے کے لئے بھی ضروری ہے۔بطور نمونہ ان میں سے کچھ حسب ذیل ہیں:

1. ''اولین مغازی اور اس کے مولفین'' جرمنی یہودی مستشرق جوزف ہوروٹز متوفی 1931ء کا طویل مقالہ ہے، جو 1927ء میں اسلامک کلچر میں شائع ہوا تھا۔اس مقالے میں حدیث اور اس کے اسناد پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔
2. ''مسلمانوں کی حدیث کی تشکیل کے طریقے'' برطانوی مستشرق جیمس رابسن James Robson کا مقالہ ہے۔اس کے علاوہ رابسن کی کتاب ''اسلامی قانون سازی کی تاریخ'' میں بھی رابسن نے حدیث رسول ﷺ کو اپنا موضوع بنایا ہے۔اور اس میں

حدیث پر بے حد جارحانہ اعتراضات کئے ہیں۔

3. دائرہ معارف اسلامیہ میں بھی مادہ حدیث کے تحت حدیث، علوم حدیث، راویان حدیث، اور کتب حدیث وغیرہ پر متعدد جہتوں سے حدیث رسول ﷺ پر گفتگو کی گئی ہے، جو علم حدیث کے تعلق سے مستشرقین کے نقطہ نظر کو واضح کرتی ہے۔ دائرہ معارف اسلامیہ میں ان مادوں کے تحت بھی علوم حدیث سے بحث گفتگو ہوئی ہے جو کسی نہ کسی طور پر حدیث شریف سے متعلق ہیں، جیسے: سنت، صحیح، خبر واحد، حدیث قدسی، اور صحابہ وغیرہ۔ صحابہ اور محدثین کے تذکروں میں بھی حدیث اور علوم حدیث پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔ دائرہ معارف اسلامیہ میں موجود یہ مادے حدیث شریف کے تئیں مستشرقین کے مواقف و مناہج کو سمجھنے میں بے حد معاون ہیں۔

4. دائرہ معارف بریٹانیکا میں بھی حدیث سے متعلق مستشرقین کا تحریر کردہ علمی مواد موجود ہے۔ جو ان کے نقطہ نظر کو واضح کرتا ہے۔

5. The Legacy of Islam کے نام سے مستشرقین کی ایک جماعت نے اسلامی میراث کے مختلف پہلوؤں پر دو ضخیم جلدوں پر ایک دائرہ معارف تیار کیا ہے۔ جس میں حدیث سے متعلق علوم پر کئی مفصل مقالات شامل ہیں۔

6. سیرت کے موضوع پر لکھی گئی کئی استشراقی کتابوں اور جرنلس میں بھی حدیث پر طویل بحثیں ہیں۔ جیسے مایکل کوپرسن Michael Cooperson نے اپنی کتاب Classical Arabic Biography: The Heirs of the Prophets in the Age of al-Ma'mun) میں امام احمد بن حنبل اور ان کی حدیث دانی پر طویل کلام کیا ہے۔

7. مستشرقین نے حدیث نبوی پر اپنے افکار وخیالات، نظریات وانتقادات کا کئی دوسرے موضوعات پر کئے جانے والے اپنے کاموں میں کیا ہے، ان میں سے بعض مقالات اور کتابیں راست طور پر حدیث کے موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں سے زیادہ واضح طور مستشرقین کے افکار کی نمائندگی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ لہذا حدیث رسول ﷺ کے سلسلے میں مستشرقین کے مواقف و نظریات سے کماحقہ واقف ہونے کے لئے ان کتابوں کا مطالعہ ناگریز ہے۔ مستشرقین کے اعمال وافکار کے مطالعے اور محاکے دونوں میں عموماً ان مآخذ کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ چند مثالیں مندرجہ ذیل ہیں:

مارگلیوتھ کی کتاب "دین محمدی کا ابتدائی ارتقاء"، میکڈونالڈ کی کتاب "اسلامی لاہوت اصول فقہ اور دستوری نظریہ کا ارتقاء" انگریزی میں یہ کتاب " Development of Muslim Theology, Jurisprudence and Constitutional Theory" کے نام سے شائع ہوئی اور مغرب میں غیر معمولی طور پر مقبول ہوئی، اصول فقہ پر نامن کالڈر Norman Calder کی کتاب " ابتدائی اسلامی اصول فقہ کا مطالعہ" Studies in Early Muslim Jurisprudence، ایڈورڈ سخاؤ متوفی 1930ء کی کتاب "فقہ اسلامی کی قدیم تاریخ"، اسپرنجر کی کتاب "اسلامی شریعت کے ارتقاء کی تاریخ کا چارٹ"، آسٹیرین مستشرق وان کریمر Von Kremer متوفی 1889ء کی کتاب "عہد خلفا میں مشرقی تہذیب کی تاریخ" The

history of Eastern civilization during the era of the Caliphs، مایکل کوک Michael Allan Cook کی کتاب "اسلامی فکر میں امر بالمعروف والنہی عن المنکر، اس کتاب کی تیسری فصل مطالعہ حدیث کے لئے خاص ہے، کوک معاصر مستشرقین میں ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں، برنارڈ لویس کے خصوصی شاگردوں میں سے ہیں۔ ان کی یہ کتاب 2000ء میں کیمبرج سے شائع ہوئی ہے۔ مارٹن ہرٹمین Martin Hartmann متوفی 1919ء کی کتاب "اسلام" کتاب کے پہلے حصے میں رسول اسلام ﷺ، ان کی تعلیمات، قران کریم اور حدیث پر تفصیلی بحثیں ملتی ہیں۔ ایڈورڈ سیل کی کتاب "اسلام" جو اسلامی عقائد کے موضوع پر ہے اور 1880ء میں مدراس سے شائع ہوئی جہاں سیل ایک کالج میں ٹیچر تھے۔ چھ فصول کی اس کتاب کی دوسری فصل حدیث کے موضوع پر ہے۔

5.3.3 ترجمہ

مستشرقین نے حدیث کی چند کتابوں کا ترجمہ بھی کیا ہے، جن میں سے بعض مندرجہ ذیل ہیں:

1. ولیم مارسے (Marcai W)M.) متوفی 1956ء نے امام نووی کی کتاب "التقريب و التيسيرلمعرفة سنن البشير والنذير-" کا ترجمہ کیا ہے۔ علاوہ ازیں بخاری شریف کا بھی فرانسیسی میں ترجمہ کیا ہے۔ مارسے ایک طویل عرصے تک مراکش میں رہے اور انہیں عربی زبان پر پوری قدرت حاصل تھی۔
2. اس سلسلے میں دوسرا اہم نام پروفیسر رابسن (James Robson) متوفی 1981ء کا ہے انہوں نے بھی حدیث کی دو کتابوں "مشكاة المصابيح" اور امام حاکم کی کتاب 'مدخل" کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ رابسن مانچسٹر یونیورسٹی کے شعبۂ عربی میں پروفیسر امیریٹس تھے، انہوں نے مشکاۃ شریف کے اپنے ترجمے پر توضیحی نوٹس بھی لگائے ہیں، ان کے اس کام کو شیخ محمد اشرف پبلشر لاہور نے شائع کیا ہے، پہلی اشاعت 1965ء میں، اور دوسری 1973ء میں ہوئی۔
3. اوکتاو ہوڈا Octave Houdas متوفی 1916ء نے بخاری شریف کا مکمل ترجمہ کیا جو چار جلدوں میں Les traditions islamiques (4 tomes) - L'authentique d'Al-Bokhari کے نام سے شایع ہوئی ہے۔
4. ایڈورڈ سخاؤ نے موسی بن عقبہ کی مغازی کی احادیث کا ترجمہ کیا۔
5. گوسٹاؤ ویل Gustav Weil متوفی 1889ء نے ابن ہشام کی سیرت النبی کا ترجمہ کیا۔

5.3.4 فہارس و معاجم

علم حدیث میں مستشرقین کے کام یا خدمت کا ایک اور اہم پہلو کتب حدیث کی فہارس اور حدیث کے معاجم کی تیاری ہے۔ ان کتابوں کی ببلیو گرامی کا جو کام بروکلمان اور فؤاد سزگین وغیرہ نے کیا ہے اس کی قدر و قیمت ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ فؤاد سزگین کی کتاب "

عربی ورثے کی تاریخ'' کی پہلی جلد کے پہلے حصے میں حدیث کی ان تمام کتابوں کا تعارف کرایا گیا ہے جو عہد اموی اور عباسی میں تیار کی گئی تھیں یہ ایک بڑا علمی کام ہے جو حدیث کے موضوع پر تحقیق و ریسرچ میں بے حد معاون ہے۔ یونہی احادیث نبویہ کے معاجم کی تیاری بھی قابل ذکر کام ہے۔ جن میں سر فہرست ونسنک (Wensinck A.J) متوفی 1939ء کا نام آتا ہے۔ جن کی دو کتابوں کو لازوال شہرت ملی اور انٹر نیٹ کے عام ہونے سے پہلے ان دونوں کتابوں کی مدد کے بغیر حدیث نبوی میں کوئی قابل ذکر کام کرنا ناممکن نہیں تو دشوار ضرور تھا۔ یہ کتابیں ہیں:

1. مفتاح کنوز السنۃ: یہ حدیث کی چودہ اہم کتابوں کی ایک معجم یا ڈائرکٹری ہے۔ اس کے ذریعہ مختلف موضوعات سے متعلق احادیث تک رسائی اور ان کی تلاش و جستجو آسان ہو جاتی ہے۔
2. المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی: یہ صحاح ستہ، سنن دارمی، مؤطا امام مالک اور مسند امام احمد کی الفبائی فہرست ہے۔ اس کتاب کی ترتیب میں ونسنک کے ساتھ دوسرے مستشرقین نے بھی حصہ لیا۔ اس کی تکمیل سے پہلے ونسنک کی وفات ہو گئی۔ یہ کتاب عربی میں تیار کی گئی جبکہ مفتاح کنوز السنۃ کی زبان انگریزی تھی، جسے فواد عبد الباقی نے اپنی تحقیق کے ساتھ عربی میں منتقل کیا ہے۔

5.4 مستشرقین کے حدیثی مطالعات کا جائزہ

اسلامی تشریع اور قانون سازی میں حدیث شریف کا مقام قران سے متصل ہے اور قران و حدیث اسلامی عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق کے لیے دو بنیادی مآخذ کا درجہ رکھتے ہیں صرف فرق یہ ہے کہ کتاب اللہ تدوین و نقل کے اعتبار سے جملۃ و تفصیلا مقطوع اور یقینی ہے جبکہ حدیث شریف جملۃ مقطوع اور تفصیلا مظنون یعنی ظنی ہے، اسلامی اعتقاد کے مطابق کتاب و سنت دونوں وحی الہی ہیں، البتہ قرآن کریم ثبوت و نقل دونوں اعتبار سے متواتر ہے، حدیث وحی الہی کی دوسری قسم ہے جو سب کے سب قطعی الثبوت نہیں ہے کیونکہ وہ قرآن کی طرح عبادتوں میں بلفظہ پڑھنے کے لیے نہیں ہے، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کے بر خلاف حدیث کی تدوین کا کام اپنے زیر نگرانی نہیں کرایا، حدیث کی تدوین میں روایت بالمعنی کی بھی اجازت دی گئی ہے، کیونکہ اس کا معنی ہی مقصود ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو حدیث شریف کی اہمیت و ضرورت سے آگاہ کیا، اسلامی قانون سازی میں حدیث کی قدر و قیمت سے مطلع کیا اور حدیث و سنت کے احیا اور اس پر عمل کرنے پر غیر معمولی اجر و ثواب کا وعدہ کیا، علاوہ ازیں قرآن کی متعدد آیات میں رسول کی اطاعت و پیروی کا صریح حکم دیا گیا ہے، لہذا حدیث پر عمل کے بغیر قرآن پر عمل ممکن نہیں ہے، چند آیات حسب ذیل ہیں۔

1. وأنزلنا اليک الذکر لتبين للناس (النحل: 44)
2. لقد کان لکم في رسول الله أسوة حسنة (الاحزاب: 21)
3. يا أيها الذين آمنوا أطيعوا الله و رسوله (الأنفال: 20)
4. و من يطع الرسول فقد أطاع الله (النساء: 80)

5. فلا و ربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم (النساء:65)

حدیث شریف کی اسی اہمیت کے پیش نظر مسلمانوں نے عہد رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی جمع وتدوین کا غیر معمولی اہتمام کیا، اس کی روایت حفظ کا انتظام کیا۔ حدیث کی جمع وتدوین تین مرحلے میں ہوئی،

1. عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں۔
2. عہد صحابہ میں۔
3. عہد تابعین اور اس کے بعد میں۔

حدیث کے حوالے سے استشراقی مطالعات بے حد متنوع اور کثیر الجہات ہیں، لہذا ان مطالعات کے تنقیدی اور تحقیقی جائزے کے لئے ہم انہیں علوم حدیث کے اہم موضوعات کے اعتبار سے تقسیم کر لیتے ہیں تاکہ حدیث سے متعلق استشراقی مطالعات کے تمام ابعاد و اطراف کا احاطہ کیا جاسکے۔ تدوین حدیث، متن حدیث، اور سند و رجال حدیث کے عنوان ان مطالعات کا جائزہ لیں گے۔

5.4.1 تدوین حدیث اور مستشرقین

یہ ایک معروف و مسلمہ حقیقت ہے کہ حدیث کی تدوین و جمع کا کام عہد رسالت سے ہی شروع ہو گیا تھا، اور یہ ایسی حقیقت ہے جو ناقابل انکار ہے جس کی صحت پر بے شمار دلائل موجود ہیں، لیکن مستشرقین کی بڑی اکثریت عہد رسالت و عصر صحابہ میں حدیث کی جمع وتدوین کا انکار کرتی ہے یا اسے مشکوک قرار دینے کی کوشش کرتی ہے، ڈاکٹر سباعی وغیرہ عرب اور بعض دوسرے مسلم دانشوروں کے نزدیک مستشرقین کی یہ کوشش معلل بالاغراض ہے اور اس کے مقاصد مندرجہ ذیل ہیں:

1. اپنی علمی میراث سے مسلمانوں کے عقیدے کو متزلزل کرنا۔
2. اسلامی قوانین کے دوسرے سب سے بڑے ماخذ کی مصداقیت کو مشکوک بنانا۔
3. مسلمانوں کو وضعی قوانین کی طرف راغب کرنا۔

سب سے پہلے باقاعدہ طور پر اس موضوع پر جرمن مستشرق اگناس گولڈ زیہر Ignác Goldziher نے خامہ فرسائی کی اور 1890 میں حدیث نبوی سے متعلق اپنی تحقیقات کو اسلامی مطالعات Muhammedaniche Studein کے نام سے شائع کیا، اس کتاب کو عالم مغرب میں غیر معمولی شہرت و قبولیت حاصل ہوئی اور مستشرقین کے درمیان تو اس کتاب نے انجیل کی حیثیت حاصل کر لی۔ اس کتاب میں گولڈ زیہر نے تدوین حدیث کے موضوع پر بھی ایک باب قائم کیا ہے اور اس میں یہ دعوی کیا ہے کہ تدوین حدیث کا کام دوسری صدی ہجری کے آغاز میں ہوا ہے اور عہد رسول ﷺ اور پہلی صدی کے بقیہ نوے سالوں میں تدوین کی ساری روایتیں مشکوک اور ناقابل یقین ہیں، علاوہ ازیں یہ دعوی بھی کیا ہے کہ حدیث کا سارا ذخیرہ وضع کردہ اور جعلی ہے۔ اور اس کی تدوین کرنے والوں نے اپنی خواہشات اور نظریات کے مطابق انہیں وضع کیا ہے۔ گولڈ زیہر کے ادعا کے مطابق کتابت حدیث کے جواز و عدم جواز کی باہم متصادم

احادیث کو اہل رائے اور اہل حدیث نے وضع کیا ہے، اہل رائے نے وہ حدیثیں وضع کی ہیں، جن میں اس کی کتابت کو منع کیا گیا ہے اور اہل حدیث نے کتابت حدیث کے جواز پر دلالت کرنے والی احادیث کو وضع کیا ہے۔ جبکہ یہ بہتان محض اور ایک خالص بے بنیاد دعوی ہے کیونکہ بہت سے اہل رائے کتابت کی حمایت کرتے تھے اور کئی اہل حدیث کتابت حدیث کو ناپسند کرتے تھے۔

فرانسیسی مستشرق جین سوواجے Jean Sauvaget متوفی 1950 نے بھی گولڈ زیہر کا موقف اختیار کیا اور اپنی کتاب ''عربوں میں حدیث'' میں ابتدائی عہد میں حدیث کو قلم بند کئے جانے اور اس کی تدوین کا انکار کیا ہے۔

جرمن مستشرق جوزف شاخت متوفی 1969 نے بھی گولڈ زہر کا موقف اختیار کیا، انہوں نے نہ صرف ابتدائی دور اسلام میں حدیث کی جمع و تدوین کا انکار کیا ہے بلکہ تمام ذخیرہ حدیث کو عموما اور ان میں سے فقہی متدلات کو خصوصا موضوع قرار دیا ہے۔ اپنے اس موقف کا اظہار اپنی کتاب "شریعت محمدی کے اصول"The origin of Mohammadan jurisprudence میں کیا ہے، عالم مغرب واستشراق میں یہ کتاب انجیل ثانی کا درجہ رکھتی ہے۔

تدوین حدیث کے حوالے سے مستشرقین گولڈ زیہر شاخت اور سوواجے کی جارحانہ نظریات کے مقابلے میں بعض مستشرقین نے کسی قدر معتدل رائے اختیار کی ہے اور ان میں ایک نام ڈچ مستشرق ڈوزی Reinhurt Dozy متوفی 1883 کا بھی ہے، وہ حدیث کے ایک بڑے حصے کی صحت کے قائل ہیں جنہیں سینوں میں محفوظ رکھا گیا اور پھر پوری دقت و دیانت کے ساتھ جس کی تدوین ہوئی ہے۔

مستشرق اسپرنگر Aloys Sprenger متوفی 1893ء بھی اس بات کے معترف ہیں کی حدیث کی تدوین عہد رسالت سے شروع ہو گئی تھی۔ اسپرنگر کی رائے خطیب بغدادی کی کتاب ''تقیید العلم'' کے مطالعے کے بعد بنی جس میں حدیث کے تدوین مبکر پر بے شمار دلائل موجود ہیں۔ اس کتاب کا انکشاف اور اسے منصہ شہود پر لانے کا سہرا بھی اسپرنگر کے سر ہے، انہوں نے ہی اس کتاب کو تلاش کیا، اور اسے اپنی تحقیق کے ساتھ شائع کیا۔ گولڈ زیہر پر بھی اسپرنگر کی تحریروں کا اثر نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ گولڈ زیہر کے یہاں جو شک ارتیاب بے یقینی اور بسا اوقات تضاد کی کیفیت ملتی ہے وہ اسپرنگر کی تحریروں کے اثر کا ہی نتیجہ ہے۔

مستشرقین کے ذریعے اسلام کے بالکل ابتدائی دور میں حدیث کی تدوین و جمع کا انکار کرنے کے پس پشت مختلف وجوہات کے ساتھ ساتھ امام مالک کے اس قول کی شہرت بھی ہے، جس میں آپ نے فرمایا کہ جس نے سب سے پہلے علم حدیث کی تدوین کا کام کیا وہ ابن شہاب زہری ہیں، امام زہری کی وفات 123 ہجری یا 124 ہجری ہے، لیکن امام مالک کے اس قول کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ امام زہری سے پہلے تدوین کا کام ہوا ہی نہیں تھا، کیونکہ یہ تدوین رسمی کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ امام زہری نے حضرت عمر ابن عبدالعزیز کی خواہش اور طلب پر اس کام کو انجام دیا تھا، رہی تدوین خاص تو اس کا سلسلہ عہد رسالت سے ہی جاری و ساری تھا، یہ وہ حقیقت ہے، جس کی طرف خطیب بغدادی متوفی 463 ہجری نے اپنی کتاب تقیید العلم اور الکفایہ وغیرہ میں صراحت کی ہے اور امام عسقلانی متوفی 852 ہجری نے فتح الباری میں بھی اس امر کی صراحت کی ہے۔

تدوین حدیث کے حوالے سے مستشرقین کی تحریریں ادعا، متضاد، سوءِ استدلال اور تناقض سے پر ہیں اور حدیث کی تدوین کے خلاف مستشرقین کا نظریہ علم پر مبنی نہیں بلکہ لاعلمی پر مبنی ہے یا دوسرے اغراض و مقاصد کے سبب ہیں، حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ مسلمانوں کے اہتمام کا مرکز رہی ہے، کتابت حدیث کو منع کرنے والی حدیثوں کا خاص تناظر اور سبب ہے، اس کی تعمیم کرنا یا اس کی بنیاد پر جملہ احادیث کو موضوع قرار دینا علمی دیانت داری سے ہم آہنگ نہیں ہے۔

5.4.2 متن حدیث اور مستشرقین

متن حدیث سے مراد وہ قول و فعل اور تقریر ہے، جو صحابہ کرام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے، یعنی صحابہ کرام کا کہنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات فرمائی یا یہ عمل کیا یا آپ کے روبرو کی جانے والی بات یا کام کو آپ نے برقرار رکھا، راجح قول کے مطابق یہ سب متن حدیث ہے۔ مستشرقین نے متن حدیث کے حوالے سے محدثین کے طریقے کار اور منہج عمل پر بہت کلام کیا ہے اور محدثین کی نقد حدیث کے حوالے سے بڑی تنقید کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ محدثین نے سند کا بہت اہتمام کیا، لیکن متن حدیث کی نقد کا زیادہ اہتمام نہیں کیا، لہذا متن حدیث کے ساتھ تعامل میں محدثین کا منہج علمی نہیں ہے۔

بہت سارے مستشرقین کے متن حدیث کو اپنا موضوع بنایا ہے، جن میں سر فہرست اطالوی مستشرق کایتانی Leone Caetani متوفی 1935ء ہیں۔ "Annali dell Islam" نامی اپنی کتاب میں محدثین پر الزام لگاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ محدثین نے اپنا پورا زور راویان حدیث کے نقد و بیان پر صرف کر دیا اور ان میں سے کوئی بھی حدیث کی عبارت و متن کی جانب متوجہ نہیں ہوا۔ انہوں نے مزید دعوی کیا کہ محدثین میں کوئی بھی سند سے آگے بڑھ کر متن حدیث کے نقد و تحلیل کی ہمت نہیں جٹا پایا کیونکہ وہ اسے صحابہ کی توہین اور اسلام کے لیے پر خطر قرار دیتے ہیں۔

کایتانی کے بعد متن حدیث کو مفصل طور سے موضوع بنانے والی شخصیت گولڈ زیہر کی ہے، جس نے اپنی کتاب "Vorlesun Gen Uber Den Islam" میں اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کی ہے، یہ کتاب عربی زبان میں "العقیدہ و الشریعہ فی الاسلام" کے نام سے شائع ہوئی ہے، اس کتاب نے ہر دو غربی اور عربی علمی حلقوں میں ایسی ہلچل مچائی، جس کی بازگشت آج تک سنائی دیتی ہے، متن حدیث کے حوالے سے اس نے ایک بڑی بات یہ کہی کہ ہم صرف متأخرین ہی کی طرف موضوع حدیث کی نسبت کرتے ہیں جبکہ۔ بقول گولڈ زیہر۔ متقدمین نے بھی وضع حدیث کا کام کیا ہے، گولڈ زیہر کے افکار کا خلاصہ ہے کہ یہ متون عہد رسالت وراشدین کے بجائے اموی عہد اور عباسی عہد کی ابتدا میں تیار کیے گئے ہیں اور انہیں فقہی و کلامی مذاہب نے وضع کیا ہے اور حدیث کا بڑا حصہ اسلام کے دینی سیاسی اور سماجی ارتقا کے نتیجے میں وضع کیا گیا۔

گولڈ زیہر نے متن حدیث سے متعلق جن مسائل کو اٹھایا ان میں ایک مسئلہ حدیث ''لا تشد الرحال۔۔۔'' بھی ہے، گولڈ زیہر کے مطابق امام زہری نے اس حدیث کو بنوامیہ بالخصوص خلیفہ عبدالملک ابن مروان کی خدمت کے لیے وضع کیا تا کہ شامیوں کو مکہ جانے سے

روکا جائے جہاں عبداللہ ابن زبیر کی حکومت تھی اور انہیں مکہ مکرمہ کے بجائے بیت المقدس جانے کی ترغیب دی جائے، جس کی طرف گزشتہ صفحات میں بھی اشارہ ہوا ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں تین مسجد کی جانب سفر کی اجازت دی گئی ہے مسجد حرام مکہ مکرمہ میں، مسجد نبوی مدینہ منورہ میں اور مسجد اقصی بیت المقدس میں۔ لیکن گولڈ زیہر اس حقیقت کو بھول گئے کہ یہ حدیث دوسرے طرق سے بھی مروی ہے۔ مستشرقین کی یہ رائے بھی درست نہیں ہے کہ محدثین نے متن حدیث کے مطالعہ ونقد سے اعراض کیا ہے، بلکہ حق یہ ہے کہ محدثین نے اس ضمن میں بے حد باریک بینی اور عرق ریزی سے کام کیا ہے، حدیث کے موضوع اور جعلی ہونے کی معرفت کے لیے تفصیلی ضوابط بنائے ہیں اور متون حدیث پر ان کی تطبیق کی گئی ہے۔ مندرجہ ذیل امور حدیث کو ناقابل قبول بناتے ہیں:

1. اگر متن حدیث قرآن کے مخالف ہے۔
2. متواتر حدیث کے مخالف ہے۔
3. رکیک الفاظ پر مشتمل ہے۔
4. عقل صریح کے مخالف ہے
5. متواتر سنت نبوی کے خلاف ہو۔
6. راوی کے خاص فکر سے ہم اہنگ ہو وغیرہ۔

متن حدیث کو موضوع بنانے والے مستشرقین میں ایک اہم نام گاسٹون ویٹ Gaston Wiet متوفی 1971 کا بھی ہے، گاسٹون ایک بڑے ماہر آثار قدیمہ تھے، عربی زبان پر ان کی اچھی گرفت تھی، مصر کے آثار قدیمہ اور مساجد وغیرہ پر ان کے کئی اہم کام ہیں، متن حدیث کو بھی انہوں نے اپنا موضوع بنایا ہے اور تقریباً انہی باتوں کا اعادہ کیا ہے جو گولڈ زیہر اور کایتانی وغیرہ کے یہاں ملتی ہیں۔

ڈچ مستشرق ونسنک Wensink , Arent Jan متوفی 1939 نے بھی متن حدیث پر کلام کیا ہے۔ اور ان متون کی صحت کو مشکوک قرار دیا ہے۔ متن حدیث پر ان کا سب سے بڑا دعوی اپنی کتاب The Muslim Creed میں کیا ہے کہ شہادت توحید و رسالت سے متعلق جو حدیثیں ہیں وہ سب موضوع ہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عہد میں اسلام لانے کے لیے کوئی کلمہ انہیں پڑھا جاتا تھا، اور جب مسلمانوں کا شام میں عیسائیوں سے اختلاط ہوا تو انہیں پتہ چلا کہ عیسائیوں کا ایک کلمہ ہے جسے پڑھ کر لوگ عیسائی مذہب میں داخل ہوتے ہیں تو عیسائیوں کی دیکھا دیکھی مسلمانوں نے بھی کلمہ اور اس کے مطالبے پر مبنی حدیثیں وضع کیں، جیسے حدیث: بنی الاسلام علی خمس شہادۃ أن لا الہ الا اللہ ۔۔۔ یعنی اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے پہلی اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ۔۔۔ اور چونکہ یہ حدیث شہادتین پر مشتمل ہے لہذا یہ نبی اسلام ﷺ سے صادر نہیں ہو سکتی ہیں۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ نماز کے ہر قعدے میں شہادتین موجود ہے۔ اور ونسنک جیسا حدیث سے واقف شخص اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہو سکتا ہے، اور ہر نماز میں شہادتین کی موجودگی میں ونسنک کو اپنی رائے سے رجوع کرنا چاہیے تھا، اور اسے بدلنا چاہیے تھا لیکن اپنی رائے بدلنے کے بجائے اس نے نماز کو بدلنے کی کوشش کی اور یہ دعوی بھی کیا کہ موجودہ نماز میں بتدریج ترقی ہوئی ہے اور اس کی موجودہ شکل عہد رسالت کے بعد بنی ہے۔

جوزف شاخت نے بھی حدیث کے متن پر اپنے کئی مقالوں میں گفتگو کی ہے اور سب کا ماحصل وہی باتیں ہیں جو سابق میں گزر چکی ہیں۔

5.4.3 سند و رجال حدیث اور مستشرقین

سند حدیث کا سلسلہ روایت حدیث کے ساتھ ساتھ شروع ہوا، اگرچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں سند کا سوال نہیں ہوتا تھا۔ سند کا سوال عہد صحابہ میں شروع ہوا اور اس کے بارے میں بحث و قیاس حضرت عثمان کی شہادت کے بعد ہوا اور یہ اس وقت کے حالات کا فطری نتیجہ تھا۔ مسلمانوں نے جس حزم و احتیاط سے سند کا استعمال کیا، دنیا کی کسی قوم کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی ہے، عبداللہ بن مبارک متوفی 181 ہجری نے سند کو دین قرار دیا"الاسناد من الدین" سفیان ثوری متوفی 161ھ نے اسناد کو مؤمن کا ہتھیار قرار دیا: "الاسناد سلاح المؤمن"۔

مستشرقین نے حدیث کی تدوین کی طرح اس کی سند پر بھی سوال اٹھائے۔ کسی نے عہد صحابہ میں سند کے وجود کا انکار کیا، کسی نے سند کی صحت کو محل نظر ٹھہرایا، کسی نے یہ دعوی کیا کہ حدیث کے قدیم جامعین سند کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے اور کسی نے کتب حدیث میں موجود اسناد کو محدثین کی افتراء قرار دیا۔

ان مستشرقین میں سب سے پہلے کایتانی کا نام آتا ہے جس نے یہ دعوی کیا کہ عبدالملک بن مروان کے عہد میں بھی سند کا استعمال نہیں تھا اور اس کا استعمال عروہ ابن مسعود اور ابن اسحاق کے درمیان عہد میں شروع ہوا یعنی ایک سو ہجری سے ایک سو پچاس ہجری کے درمیان میں راویوں نے سند کا استعمال شروع کیا۔ اپنے اس معروضے سے کایتانی نے ایک اور نتیجہ یہ نکالا کہ پہلی صدی ہجری کی جو اسناد ہیں وہ سب دوسری اور تیسری صدی ہجری کے محدثین کی وضع کردہ ہیں۔ ظن و گمان بلکہ اوہام پر مبنی مقدمات سے یقینی نتائج کا استخراج کوئی ان مستشرقین سے سیکھے۔ ان کی تحقیقات میں من مانی فیصلے صادر کرنا عام سی بات ہے۔

اسپرنگر نے بھی سند حدیث پر گفتگو کی ہے، اور کایتانی کی راہ پر چلتے ہوئے انہوں نے بھی دعوی کیا ہے کہ: عروہ سند کا التزام نہیں کرتے تھے، اور اس کی دلیل یہ دی ہے کہ ان کی حدیثوں کو طبری نے اپنی تاریخ میں بلا سند ذکر کیا ہے۔ لیکن اسپرنگر نے اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا کہ طبری سے قدیم محدثین نے عروہ کی روایتیں سند کے ساتھ لکھی ہیں، جن میں سے ایک امام احمد ابن حنبل بھی ہیں۔

مستشرق جوزف ہوروٹز متوفی 1931ء نے بھی سند حدیث اور اس کے استعمال کے آغاز پر سیر حاصل گفتگو کی ہے، اور اپنی کتاب Alter and Unsprang des ISNAD der Islam میں لکھتے ہیں کہ سند کے استعمال کا آغاز پہلی صدی ہجری کی اخری تہائی میں شروع ہوا۔

مذکورہ بالا کے علاوہ جن مستشرقین نے سند و رجال حدیث پر خصوصی توجہ دی ان میں کولسن J N Coulson متوفی 1986 اور ولیم مانٹگومری نواٹ متوفی 2006ء اور جیمس رابسن James Robson وغیرہ ہیں.

انہی مستشرقین میں کئی ایک نے رجال حدیث کو بھی اپنا موضوع بنایا ہے۔ گولڈ زیہر نے مسلمانوں نے تمام طبقوں گروہوں اور جماعتوں پر حدیث گڑھنے کا الزام لگایا ہے۔ بعض استثنا کے ساتھ ہم کہہ سکتے ہیں کہ گولڈ زیہر سمیت اکثر مستشرقین کی نظر میں قران محمد ﷺ کا وضع کردہ ہے، اور حدیث مسلمانوں کی وضع کردہ ہے۔ اگر ہم استشراقی مطالعات پر غور کریں تو یہ واضح طور پر نظر آتا ہے کہ یہ حضرات اپنے مطالعات میں جس چیز کو اسلام میں درست سمجھتے ہیں وہ غیر سے ماخوذ و مقتبس ہوتی ہے، اور جسے ناروا سمجھتے ہیں اسے مسلمانوں سے منسوب کر دیتے ہیں۔ جو چیز ان کے نظریات کی تائید کرتی ہے خواہ کتنی کمزور کیوں نہ ہو اسے قبول کر لیتے ہیں اور جو چیز ان کے افکار و خیالات کی تکیر کرتی ہے اسے رد کر دیتے ہیں خواہ وہ کتنی مضبوط بلکہ متواتر ہی کیوں نہ ہو۔

گولڈ زیہر نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں دائرہ معارف اسلامیہ لیڈن میں ایک مفصل مضمون لکھا ہے جس میں انہوں نے ان کا مفصل تعارف پیش کیا ہے۔ پھر ان کی کثرت روایت کو موضوع بنایا ہے، اور اس سے اس خود ساختہ نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ان کی مرویات مشکوک ہیں۔ اور پھر ان کے بارے میں اسپر نگر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ از روئے پرہیز گاری وضع حدیث کا کام کرتے تھے۔ یعنی وہ حدیث گڑھنے کا کام نیک نیتی اور خدمت دین متین کے طور پر کرتے تھے۔ اسی مقالے کے ایک مقام پر گولڈ زیہر لکھتے ہیں کہ کئی بڑے صحابہ کی دیانتداری سب کے نزدیک مسلم نہیں تھی۔ اور بہت سے لوگ لوگوں کے درمیان ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ثقاہت و دیانت داری پر شدید تنازعہ تھا، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ثقاہت پر تنازعہ کی کوئی روایت نہیں ملتی ہے۔ گولڈ زیہر نے بھی اتنے بڑے الزام کو ثابت کرنے کے لیے کسی روایت یا واقعے یا حوالے کا ذکر نہیں کیا ہے۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے سلسلے میں مستشرقین کا خیال ہے کہ وہ حسن نیت سے حدیث وضع کرتے تھے۔ اور اس دعوے کی دلیل صرف یہی ہے کہ انہیں صرف تین سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں وقت گزارنے کا موقع ملا اور اتنی کم مدت میں وہ اتنی احادیث کیسے روایت کر سکتے ہیں۔ جبکہ انہوں نے وہ حدیثیں لکھ کر محفوظ بھی نہیں کی تھیں۔ یہ باتیں صرف عوام الناس یا دینی علوم سے ناواقف حضرات کو گمراہ کرنے اور شک و شبہ میں ڈالنے کی کوشش بھر ہے۔ بلاشبہ حضرت ابوہریرہ کو صرف تین سالہ صحبت ملی مگر ان تین سالوں میں اپ نے اپنا بیشتر وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں گزارا، علاوہ ازیں اس صحبت کی شدت و حرارت بھی پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ ان سے مروی احادیث کی تعداد تقریبا 5374 ہے یہ تعداد قران کی آیتوں کی تعداد سے بھی کم ہے، اور بہت سے لوگ قران کریم کو تین سال سے کم مدت میں حفظ کر لیتے ہیں۔ یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ یاداشت کی قوت اور حفظ کا ملکہ عربوں کی قومی و نسلی خصوصیات کا حصہ ہے۔

رجال حدیث کو جھوٹا ثابت کرنے کی کوشش میں یہ مستشرقین نصوص کو سمجھنے میں بھی غلطی کرتے ہیں مثلا گولڈ زیہر ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ زیاد ابن عبداللہ بکائی کے بارے میں وکیع کہتے ہیں کہ: ''اِنه مع شرفه فى الحديث كان كذوبا'' یعنی وہ حدیث میں اپنی بلند مقامی کے باوجود جھوٹے تھے۔

اوراصل نص امام بخاری کی تاریخ کبیر میں یوں ہے کہ :''قال ابن عقبه السدوسی عن وکیع وهو- أی زیاد بن عبدالله البکائی-أشرف من أن یکذب''یعنی ابن عقبہ سدوسی وکیع سے نقل کرتے ہیں کہ : وہ یعنی زیاد بن عبداللہ بکائی اس بات سے بلند تر تھے کہ کذب بیانی کریں۔

یہ چند اہم اعمال ہیں جو مستشرقین نے علم حدیث کے باب میں انجام دیئے ان کے علاوہ بہت سارے مستشرقین نے ادبی ،تاریخی،کلامی اور فقہی بحوث کے ضمن میں حدیث شریف کواپنا موضوع بنایا۔لیکن ان میں سے زیادہ ترانہیں خطوط پر چلتے رہے جو گولڈ زیہر اور شاخت نے بنائے تھے۔نیکلسن ،جب،واٹ(Montgomery Watt)متوفی2006ءاور ونسنک وغیرہ بیشتر مولفین نے اس موضوع پر صرف ثانوی درجے کے اضافے کئے۔

بعض مستشرقین نے گولڈ زیہر اور شاخت سے جزئی اختلافات بھی کئے ہیں۔ جیسے پروفیسر رابسن کا خیال ہے کہ کچھ حدیثیں ایسی ہیں جنہیں صحیح قرار دیا جاسکتا ہے۔ لہذاان کے نزدیک شاخت کامطلقا ساری احادیث کو غیر صحیح اور موضوع قرار دیناپوری طرح درست نہیں ہے۔رابسن نے کایتانی اور اسپر نگر سے بھی حضرت عروہ بن زبیر کی سندوں کے فرضی ہونے کے سلسلے میں اختلاف کیا ہے۔خود اسپر نگر نے اپنے مقالے ''مسلمانوں کے نزدیک تدوین وثائق کے اصول''میں گولڈ زیہر اور شاخت کے برخلاف عہد نبوی میں تدوین حدیث کو تسلیم کیا ہے۔

5.5 مستشرقین کے اعمال کا تنقیدی جائزہ

حدیث شریف سے متعلق استشراقی مطالعات پر ایک سرسری نظرڈالنے سے بھی یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان حضرات نے حدیث کی تنقید کے سلسلے میں صرف اپنے ذوق اور خواہش کو ہی سامنے رکھا ہے۔ مثلاً گولڈ زیہر نے امام زہری پر الزام لگایا کہ انہوں نے حدیث ''لا تشد الرحال...''کو وضع کیا ہے جبکہ یہ حدیث امام زہری کے علاوہ دوسرے طرق سے بھی مروی ہے۔

گولڈ زیہر کے خیال میں خلیفہ عبد الملک 646-705ء نے بیت المقدس میں قبۃ الصخرہ کی تعمیر اس غرض سے کی تھی کہ لوگ حرمین شریف، جہاں عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا اقتدار تھا، کے بجائے اس کی زیارت کیا کریں اور عبد الملک کی اس خوہش کو مذہبی رنگ دینے کے لئے امام زہری نے حدیث ''لا تشد الرحال...''کو وضع کیا جس میں مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصی کی جانب بغرض زیارت سفر کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اگر بفرض محال یہ حدیث موضوع اور گڑھی ہوئی بھی ہے تو بھی اس سے یہ نتیجہ کہاں نکلتا ہے کہ اس کا مقصد اہل شام کو حرمین شریفین کے حج وزیارت سے روکنا تھا۔

استشراقی مغالطات کی ایک مثال اور ملاحظہ کریں: گولڈ زیہر امام زہری کے بارے میں لکھتے ہیں کہ :

''وہ بنی امیہ کی حمایت میں حدیث وضع کرنے کے لئے تیار رہتے تھے، مسلمانوں کی معترف حکومت کے نام پر اس کی خواہشات کی تکمیل کرتے تھے،وہ حکومت کے ساتھ تعاون کو درست سمجھتے تھے،اور حکومت کے دربار میں آنے جانے سے پرہیز نہیں کرتے تھے، بلکہ بسا

او قات حکمرانوں کے حاشیہ برداروں میں رہتے تھے،اور ہم انہیں حجاج جیسے قابل نفریں شخص کے ساتھ سفر حج میں پاتے ہیں۔''

واقعہ یہ ہے کہ خلیفہ عبدالملک نے حجاج کو حکم دیا کہ وہ اپنے حج میں عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی اقتدا کریں چنانچہ حجاج نے یوم عرفہ عبداللہ ابن عمر کو بلوایااور امام زہری ان کے ساتھ تھے لہذاانہیں حجاج کے ساتھ قرار دینا مغالطہ ہے۔

حدیث کو ناقابل اعتبار قرار دینے کی اپنی مہم میں وہ تحریف وخیانت سے بھی گریز نہیں کرتے،اپنی کتاب مطالعات اسلامی میں لکھتے ہیں کہ : زیاد بن عبداللہ بکائی کو امام وکیع نے کذاب قرار دیا ہے،اور اس کے ذریعے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ جب ان جیسا معتمد راوی جھوٹا ہو سکتا ہے تو دوسرے راویان حدیث پر کیونکر بھروسہ کیا جاسکتا ہے ان کے اپنے الفاظ میں ''وکیع نے زیاد بن عبداللہ بکائی کے بارے میں لکھا ہے کہ : وہ حدیث میں اپنے بلند مرتبے کے باوصف کاذب تھے۔'' جب کہ اصل عبارت جسے امام بخاری نے اپنی کتاب تاریخ کبیر میں عقبہ سدوسی سے نقل کیا ہے،وہ یوں ہے: ''وهو أشرف من أن يكذب''یعنی زیاد بن عبداللہ بکائی اس بات سے بلند تر ہیں کہ کذب بیانی کریں۔

گولڈ زیہر نے سارے ذخیرۂ حدیث کو مشکوک قرار دیااور اس سلسلے میں دوسرے دلائل کے ساتھ اس حدیث کو بھی بطور دلیل پیش کیا کہ ''عنقریب میری حدیثوں کی کثرت ہو گی تو اگر تم سے کوئی حدیث روایت کرے تو اسے قرآن پر پیش کرو اگر وہ قرآن کے مطابق ہو تو میری حدیث ہے ورنہ نہیں''۔(مفہوم) یہ طرفہ تماشہ نہیں تو کیا ہے کہ اس میں حدیث کی عدم حجیت پر حدیث سے ہی حجت قائم کی گئی ہے۔

جو نبی کریم ﷺ کی نبوت ورسالت کے قائل نہیں ہیں ان کے لیے ان حدیثوں کو قبول کرنا جو معجزات اور خوارق سے متعلق ہیں ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ پروفیسر نکلسن نے شق صدر والی حدیث کو ماننے سے انکار کر دیا۔ ان کے خیال میں یہ حدیث ''الم نشرح لک صدرک'' کی تفسیر میں وضع کی گئی ہے۔

پروفیسر جب(Hamilton Jibb)متوفی 1971ء نے حدیث شریف ''من كذب عليَّ متعمدا......''کو موضوع قرار دیا ہے۔ان کے خیال میں وضع حدیث کی تحریک کو روکنے کے لئے یہ حدیث وضع کی گئی ہے۔اس استدلال میں جو خرابی ہے اس سے قطع نظر یہ ایک متواتر حدیث ہے۔امام مناوی نے فیض القدیر میں لکھا ہے کہ اسے دو سو صحابیوں نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث چار سو طریقوں سے مروی ہے۔

ونسنک نے حدیث ''بني الاسلام على خمس...''کو موضوع قرار دیا ہے۔ان کے گمان میں اس حدیث کو مسلمانوں نے شام میں عیسائیوں سے متاثر ہو کر وضع کیا ہے۔ چونکہ شہادت وگواہی کا تصور ایک عیسائی تصور ہے۔ اور وہ اس حقیقت کو فراموش کر گئے کہ ''شہادت''کلمہ،اذان اور نماز تینوں کا حصہ ہے۔

یہ چند مثالیں ہیں جن سے واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ مستشرقین نے حدیث کی تضعیف اور اس میں تشکیک کے سلسلے میں کلی طور پر اپنے ذوق وخواہش پر اعتماد کیا ہے۔

حدیث اور علوم حدیث کے متعلق مستشرقین کا مرکزی موضوع اسلامی شریعت کے دوسرے ماخذ کے سلسلے میں شکوک وشبہات

پیدا کرنا محسوس ہوتا ہے۔ان مطالعات میں کسی نتیجے پر پہنچنے سے زیادہ شکوک پیدا کرنے میں دلچسپی نظر آتی ہے۔ بعض اہم شبہات جن کا ان مطالعات میں کثرت سے ذکر ملتا ہے مندرجہ ذیل ہیں۔

1. حدیث کی تدوین کا کام دو سو سال کے بعد شروع ہوا لہذا ان کی صحت و سلامتی پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔
2. اگر حدیث ضروری ہوتی تو اس کی حفاظت کا بھی ویسا ہی انتظام ہوتا جیسا کہ قرآن کی حفاظت کا ہوا۔
3. قرآن میں ہر شئی کا بیان ہے لہذا اس کے بعد کسی دوسرے مصدر کی ضرورت نہیں ہے۔
4. نبی اسلام ﷺ نے خود حکم دیا ہے کہ قرآن پر پیش کئے بغیر مجھ سے منسوب کسی حدیث پر عمل نہیں کیا جائے گا۔
5. نبی اسلام ﷺ نے قرآن کی کتابت کا حکم دیا اور حدیث کی کتابت سے منع کیا۔
6. مستشرقین کے گمان میں بہت سی حدیثیں قرآن سے متعارض ہیں اس کی مثال میں قرآن کی آیت: ''فاقرء وا ما تیسر من القرآن (یعنی قرآن میں سے جو میسر آئے (نماز میں) پڑھو۔) اور حدیث ''لا صلاۃ الا بفاتحۃ الکتاب'' (یعنی بغیر سورۂ فاتحہ کے کوئی نماز نہیں) کو پیش کرتے ہیں۔
7. حدیث کی روایت کرنے والے صحابہ، تابعین اور تبع تابعین اموی اور عباسی فوجوں کا حصہ تھے لٰہذا وہ اقتدار و سلطنت کی حمایت میں حدیث وضع کرتے تھے۔
8. مستشرقین جرح و تعدیل اور توثیق و تخریج میں علمائے حدیث کے اختلاف کو بھی استعمال کرتے ہیں۔ انکے خیال میں ان علما نے اپنی پسند کی حدیثوں کے راویوں کی توثیق کی ہے۔
9. پہلی صدی ہجری میں سند کا وجود نہیں تھا۔

ان تمام شبہات کے تفصیلی جواب دیئے گئے ہیں۔ تفصیلات کے لئے ڈاکٹر مصطفی السباعی کی کتاب'' السنۃ ومکانتها فی التشریع الاسلامی'' اور ڈاکٹر محمد بہاء الدین کی کتاب ''المستشرقون والحدیث النبوی'' کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

مؤخر الذکر نے بعض مستشرقین سے ہی ایسے اقوال نقل کیے ہیں جو ان شبہات کی تردید کرتے ہیں ان میں گستاو جرونیوم (Gustave E von Grunebavi) متوفی 1972ء اور ٹریٹن (A.S. Tritton) متوفی 1973ء وغیرہ کے اقوال و آراء شامل ہیں۔

حدیث کے مطالعے میں مستشرقین کی غلطیوں کے متعدد اسباب ہیں جن میں چند اہم اسباب مندرجہ ذیل ہیں۔

1. اسلام اور رسول اسلام پر عدم ایمان۔
2. عربی زبان کے ذوق کا فقدان۔
3. عربی تہذیب و تمدن سے ناواقفیت۔

4. محدثین کے تنقیدی مناہج سے روگردانی۔
5. خواہش نفس کی پیروی۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ حدیث نبوی کے تعلق سے زیادہ تر مستشرقین کی تحقیقات حق وصواب سے دور ہیں۔ البتہ اس قیمتی علمی میراث کے بعض حصوں کی حفاظت وصیانت، اور اس کی نشر واشاعت مستشرقین کا بڑا کارنامہ ہے۔

5.6 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- استشراق مشرق کو سمجھنے اور جاننے کی ایک مغربی تحریک ہے، جس نے مشرق کی زبان و تہذیب اور مذاہب و تاریخ کو اپنا موضوع بنایا، اور اسے مغربی نقطہ نظر سے پیش کرنے کی کوشش۔ مشرق میں مدفون تہذیبوں کی تلاش کی، مشرق کے علمی ورثے گوشہ گمنامی سے نکال کر دنیا میں متعارف کرایا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ عیسائیت کی نشر واشاعت میں تبشیری جماعتوں اور مشنریز کی مدد کی، اور نوآبادیاتی طاقتوں کا بھرپور تعاون کیا۔
- مستشرقین کی ایک بڑی جماعت نے اسلام، عرب اور مسلمانوں کو اپنا موضوع بنایا۔ اور اسلامی تہذیب، تاریخ، علوم، زبانیں بالخصوص عربی زبان پر توجہ دی اور ان سب پر تحقیق و تصنیف ترجمے کا بیش قیمت کا انجام دیا، اور مسلمانوں کی علمی میراث کے ایک بڑے حصے کی حفاظت وصیانت کا کام بھی انجام دیا۔
- استشراق نے اسلامی و عربی مطالعات کا آغاز عربی زبان اور تاریخ و سیرت سے کیا۔ مطالعات اسلامی میں مستشرقین کی توجہ کا سب سے بڑا محور اسلامی مذاہب، فرقے اور منحرف جماعتیں اور تحریکات تھیں۔ علوم حدیث کی جانب مستشرقین کی توجہ سب سے آخر میں ہوئی۔ صرف گزشتہ دو صدیوں میں حدیث پر کام ہوا ہے، اس سے پہلے جو بھی کام ہوا ہے وہ غیر معتد بہ اور ناقابل ذکر ہے۔
- مستشرقین نے علم حدیث پر جو بھی کام کیا ہے ہم اسے چار حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں: 1۔ کتب حدیث کی تحقیق و تدوین۔ 2۔ مختلف زبانوں میں کتب حدیث کی ترجمے۔ 3۔ علوم حدیث پر تصنیفات و تالیفات، محاضرات و مقالات وغیرہ۔ 4۔ کتب حدیث کی فہرست سازی، اور حدیث نبوی کے معاجم اور ڈائریکٹریز کی تیاری۔
- مستشرقین کی حدیثی اعمال اپنی پیشکش، اسلوب بیان، اور ظاہری شکل وصورت کے اعتبار سے بے حد معیاری اور عمدہ ہیں، لیکن ان میں منہجیت، علمی توازن اور تحقیقی اخلاقیات کی کمی صاف طور پر محسوس کی جاسکتی ہے۔ مستشرقین نے حدیث کی تدوین اور اسناد سب کو مشکوک قرار دینے کی کوشش کی ہے۔ حدیث کے پورے ذخیرے کو موضوع اور جعلی ٹھرایا ہے۔ فقیہ اور محدثین سبھی کو وضاعین حدیث میں شمار کیا ہے۔ مستشرقین کا یہ اطلاق و تعمیم نہ صرف خلاف واقعہ ہے بلکہ علمی مناہج واخلاق سے بھی متصادم ہے۔ گولڈزیہر اور شاخت وغیرہ نے مسلمانوں کے قوانین کے اس دوسرے ماخذ کی مصداقیت کو ختم کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت

نہیں رکھا۔ بعض مستشرقین نے اس عمومی موقف سے جزئی اختلاف بھی کیا ہے۔ لیکن وہ بھی پوری طرح سے انصاف کرنے میں ناکام رہے ہیں۔

- مستشرقین کے ان اغلاط و شبہات کی بہت ساری وجہیں ہیں، جن میں سر فہرست عربی زبان وادب سے ناواقفیت، مشرقی تہذیب و ثقافت کو مغربی نقطہ نظر سے دیکھنا، مستشرقین کا مذہبی تہذیبی اور تاریخی ورثہ، محدثین کے اصول ضوابط سے بے خبری اور خواہش نفس کی پیروی وغیرہ ہیں۔

5.7 نمونہ امتحانی سوالات

5.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. علم درایہ میں کس چیز پر گفتگو ہوتی ہے؟

(a). تدوین حدیث (b). متن حدیث (c). سند حدیث (d). رجال حدیث

2. ارکان حدیث کی تعداد کیا ہے؟

1.(a) 2.(b) 3.(c) 4.(d)

3. مستشرقین نے علوم حدیث کا باضابطہ مطالعہ کس صدی عیسوی سے شروع کیا؟

(a). سولہویں (b). انیسویں (c). پندرہویں (d). اٹھارہویں

4. احادیث اسلام، جو کہ گولڈ زیہر کی کتاب کا عکس ہے۔ کس مستشرق کی تصنیف ہے؟

(a). الفرڈ گیوم (b). نکلسن (c). شاخت (d). ونسنک

5. حدیث 'من كذب علی متعمدا' کو کس مستشرق نے موضوع قرار دیا؟

(a). پروفیسر گب (b). ونسنک (c). گولڈ زیہر (d). سب صحیح

6. امام عسقلانی کی مشہور کتاب ''نخبۃ الفکر'' 1854ء میں کولکاتا سے کس مستشرق کی تحقیق کے ساتھ شائع ہوئی؟

(a). ولیم مارسے (b). گلکرسب (c). آرنولڈ (d) نکولسن

7. مفتاح الکنوز السنۃ کس مستشرق کی تصنیف ہے؟

(a). کارل بروکلمان (b). اے۔ جے۔ ونسنک (c). گوستاولیبون (d). گولڈ زیہر

8. کس مستشرق نے حدیث کی کتاب مشکاۃ المصابیح کو انگریزی میں ترجمہ کیا؟

(a). اسپرنگر (b). ڈوزی (c). ولیم مارسے (d). پروفیسر رابسن

9. حدیث سے متعلق مستشرق جین سوواجے کی کتاب کا کیا نام ہے؟

(a). دراسات اسلامیہ (b). دراسات حدیثیہ (c). عربوں میں حدیث (d). مسلمانوں میں حدیث

10. متن حدیث نا قابل قبول ہوتا ہے اگر وہ؟

(a). رکیک الفاظ پر مشتمل ہو (b). قرآن کے خلاف ہو (c). عقل صریح کے خلاف ہو (d). ان میں سے کوئی بھی نہیں

5.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. حدیث کی تعریف کرتے ہوئے بتایئے کہ حدیث کے بارے میں مستشرقین کا کیا موقف ہے؟
2. تحقیق حدیث کے ضمن میں مستشرقین کے مقاصد پر روشنی ڈالیے۔
3. تدوین حدیث کے بارے میں مستشرقین کے موقف پر ایک وضاحتی نوٹ قلمبند کیجیے۔
4. فن اسماء الرجال اور سند حدیث کے بارے میں مستشرقین کے آراء پر روشنی ڈالیے۔
5. فن حدیث کی تحقیق و تدوین میں مستشرقین کے اعمال پر ایک تجزیاتی نوٹ تحریر کیجیے۔

5.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. حدیث سے متعلق مستشرقین کی خدمات کا جائزہ لیجیے اور حدیث کے بارے میں ان کے شبہات کا تفصیلی ذکر کیجیے۔
2. فن حدیث کے میدان میں مستشرقین کی گراں قدر خدمات پر ایک جامع مضمون لکھیے۔
3. حدیث سے متعلق گولڈزیہر اور جوزف شاخت کے موقف اور تصنیفات پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک مضمون قلمبند کیجیے۔

5.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. موسوعۃ المستشرقین عبدالرحمان بدوی، دار العلم للملائین بیروت، بار سوم 1993ء
2. ظاہرۃ الانتشار و موقف بعض المستشرقین منہا، فتح اللہ زیادی، کلیۃ الدعوۃ الاسلامیۃ، طرابلس، لیبیا
3. المستشرقون والحدیث النبوی، محمد بہاء الدین۔
4. السنۃ و مکانتھا فی التشریع الاسلامی، مصطفیٰ سباعی

اکائی 6: تصوف میں مستشرقین کی خدمات

اکائی کے اجزا:

6.0 تمہید

6.1 مقاصد

6.2 مستشرقین کا فکری میدان کی طرف رخ

6.3 مستشرقین اور دانش گاہیں

6.4 مستشرقین کے علمی و تحقیقی محرکات

6.4.1 آرتھر جان آربیری(Arthur John Arberry: 1905-1969)

6.4.2 ہنری کوربن (Henry Corbin:1978-1903)

6.4.3 ڈاکٹر این میری شمل(Anemarie Schimmel: 1922 – 2003)

6.4.4 مارٹن لنگز(Martin lings1909:-2005)

6.4.5 ولیم کلارک چٹک(William Clark Chittack: 1943-)

6.4.6 پروفیسر گیرہارڈ بوورنگ (Gerhard Bowering)

6.4.7 مارک سیڈگوک(Mark Sedgwick)

6.4.8 کی تاکاہاشی(Kei-Takahashi)

6.4.9 سائیکو یازاکی(Saeko Yazaki)

6.5 اکتسابی نتائج

6.6 نمونہ امتحانی سوالات

6.6.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

6.6.2 مختصر جوابی سوالات

6.6.3 طویل جوابی سوالات

6.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد

6.0 تمہید

صلیبی جنگ تاریخ کا المناک واقعہ ہے۔ یہ دراصل مغرب اور مشرق یا مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان صلیب اور ہلال کی جنگ ہے، مگر اسی کے ساتھ اس میں اصل جذبہ کارفرما یہ تھا کہ یورپ کا پرچم دنیا کے ہر گوشے میں لہرائے، یورپ کی سرزمین پر غیر یورپین اور خصوصاً مسلمانوں کا قدم کسی لحاظ سے جمنے نہ پائے، مگر مسلمان ان کی مرضی کے خلاف اپنی سپہ گری اور نبرد آزمائی سے یورپ پہنچے تو انھوں نے اسپین میں آٹھ سو برس تک حکومت کی، سسلی میں ان کی حکومت تقریباً دو سو برس تک رہی، دولت عثمانیہ کے حکمراں تو ساڑھے چھ سو برس تک یورپ کی سرزمین میں اپنا پرچم لہراتے رہے مگر یورپ کے عیسائیوں کی نظروں میں یہ سلطنتیں خار کی طرح کھٹکتی رہیں، انھوں نے اس وقت دم لیا، جب سسلی، اسپین اور دولت عثمانیہ کی قوت پر کاری ضرب لگا کر عالم اسلام کو کمزور کر دیا۔ صلیبی جنگوں میں جب عیسائی دنیا کو زیادہ کامیابیاں نہیں ملیں تو اس نے عسکری میدان اور جنگ و جدال والی پالیسی بدلی اور اسلام اور عالمِ اسلام کے خلاف ایک نیا رخ اختیار کر کے نئی پالیسی اور نیا منصوبہ اختیار کیا۔ یہ پالیسی فکری اور علمی بنیاد پر مستحکم اور تاثیر کے لحاظ سے انتہائی منظم اور مضبوط تھی۔ (سید صباح الدین عبد الرحمٰن، صلیبی جنگ (اعظم گڑھ: دار المصنفین شبلی اکیڈمی، 2015، ص: 2) یہی پالیسی بعد میں استشراق کے نام سے ایک تحریک کی شکل اختیار کر گئی۔

6.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد یہ ہے کہ آپ کو تصوف کے میدان میں مستشرقین کے خدمات سے واقفیت حاصل ہو اور اس کے ساتھ ساتھ آپ تصوف کے میدان کے مایہ ناز مستشرقین آر بری، نکلسن، این میری شمل اور دیگر کے علمی کارناموں کا جائزہ لے سکیں گے۔

6.2 مستشرقین کا فکری میدان کی طرف رخ

استشراق کی شکل میں اہلِ یورپ اور مغرب نے علمی میدان کی طرف رخ کر کے اسلام اور اس کی شریعت کو مشکوک بنانا شروع کیا۔ صلیبی جنگ کے بعد مستشرقین کے تحقیق اور افکار میں بنیادی تبدیلی رونما ہو گئی، اب اسلام اور پیغمبرِ اسلام کی حیات طیبہ کا کوئی ایسا گوشہ نہ رہا، جو ان کے متعصبانہ افکار کی زد میں نہ آگیا ہو۔ انہوں نے سب سے پہلے مسلمانوں کے مختلف علوم و فنون پر مشتمل تراجم سے بھرپور استفادہ کیا اور اس کے بعد اسلامی فکر و تہذیب اور علمی ورثے کو دھندلا بنا کر دنیا کے سامنے محرف اور خوف ناک انداز میں پیش کیا ہے۔ اس کے لئے انھوں نے اپنی خاص طرزِ تحقیق اور منہج کو جنم دیا اور اسلام کی فکر و تہذیب کو دنیائے انسانیت کے لئے ایک فضول اور لایعنی نظریہ قرار دیا۔ اس

تعلق سے راہب پطرس محترم(Peter the Venerable:1092-1156)جو کلونی(Cluny, France)فرانس کا رہنے والا تھا، نے منظم انداز میں فکری کام کا آغاز کیا تھا۔اس نے اسلامی علوم کے تراجم کے لیے مختلف علماء پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی جس میں مشہور انگریزی عالم رابرٹ آف کیٹن(Robert of Ketton:1110-1160) بھی شامل تھا۔(مشتاق بشیر الغزالی،القرآن الکریم فی دراسۃ المستشرقین،(دمشق:دارالنفائس،2008،ص:24)اس کے بعد عیسائی دنیا نے اس کی طرف بھرپور توجہ مرکوز کی۔اس سلسلے میں صلیبی جنگوں کے بعد بڑے پیمانے پر فکری محاذ پر کام شروع ہوا۔یورپ اور مغرب میں ایک ایسا ادب اور لٹریچر وجود میں آیا جس میں اسلام دشمنی، بغض، کینہ پروری اور مخالفانہ جذبات کوٹ کوٹ کر بھر دیا جس کی وجہ سے مغربی اور یورپی لوگوں کے ذہنوں کو زہر آلود بنادیا گیا ہے۔کرم معروف مصنفہ کرن آرم اسٹرانگ (Karem Armstrong) نے بھی اہلِ یورپ اور مغرب کے معاندانہ اور متعصبانہ رویوں کا نفسیاتی اور تنقیدی جائزہ لیتے ہوئی کہتی ہیں کہ صلیبی جنگوں کے دوران عیسائیوں نے اسلام کو شدید بدنام کیا کہ یہ تلوار کے زور سے پھیلنے والا مذہب ہے۔یہ وہ وقت تھا جب سنجیدہ قسم کے عیسائی شدید مضطرب اور حیران تھے کہ حضرت عیسیٰ کی عدم تشدد کی تعلیمات کے برعکس عیسائی شدید جنگجو اور متشدد ہورہے تھے۔(Karem Armstrong, Muhammad: A Biography of the Prophet (London, 2001,p:27)

6.3 مستشرقین اور دانش گاہیں

صلیبی جنگوں کے بعد انھوں نے اپنی دانش گاہوں میں اسلامی علوم کے شعبے قائم کیے تاکہ وہ اسلام کی علمی وراثت میں متنوع شکوک وشبہات اور اشکالات پیدا کریں۔1312ء کو جنیوا کے کلیسا نے عربی زبان وادب کو مختلف یونیورسٹیوں کے نصاب میں داخل کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ براہ راست اسلامی علوم وفنون سے استفادہ کرکے اسلام کے بنیادی مصادر یعنی قرآن وسنت اور سیرت کا لاطینی اور دیگر یورپی زبانوں میں ترجمہ کرکے منتقل کرنا شروع کیا۔اس سلسلے میں اسلامی علوم کا یورپی زبانوں میں تراجم کا کام منظم اور منصوبہ بند انداز میں کیا گیا۔اس تعلق سے عیسائی دنیا نے اسلام کے فکری پھلاؤ کو نہ صرف روکنا شروع کیا بلکہ اسلام کا وجود ہی نیست ونابود کرنے کا تہیہ کیا۔اس کے بعد 1483ء میں اس کی ایک کانفرنس منعقد کی گئی جس میں اصل مقصد کو دہرا کر اسلام کے فکری پھلاؤ کو منظم انداز میں روکنا شروع کیا گیا لیکن اس دوران مختلف تعلیمی اداروں میں مشرقیات پر مبنی شعبوں کا قیام عمل میں لایا گیا جیسے 1539ء فرانس میں، 1632ء کیمبرج میں اور 1638ء میں آکسفورڈ میں مشرقی علوم کے چیئرز قائم کی گئیں۔انیسویں صدی کے پہلے نصف میں مستشرقین نے کئی یورپی اور مغربی ممالک میں مشرقیت کے تمام پہلوؤں کا مطالعہ کرنے کے لیے سائنسی مطالعاتی ادارے بھی قائم کرنا شروع کردیے۔اس تعلق سے پہلی بار 1822ء میں ایک Société Asiatique کے نام سے ایک انسٹی ٹیوٹ پیرس میں قائم کیا گیا، پھر اسی طرح کے ادارے برطانیہ اور آئرلینڈ میں بھی 1823ء میں قائم ہوئے۔اس کے بعد 1824ء میں ایسٹ امریکن سائنسی مطالعاتی ادارہ(East-American scientific study institute) بھی قائم ہوا، آخرکار جرمنی میں 1845ء میں مشرقی سائنسی تحقیقی ادارہ بھی قائم ہوا۔(Abdul Fattah, Critiques and Appreciation on Orientalism in the Study of Islam,

(http://repository.uinmataram.ac.id/646/1/Text.pdf) اس ضمن میں 1873 کو مستشرقین کی پہلی بین الاقوامی کانگریس پیرس میں منعقد ہوئی جس میں مشرقی علوم اور فکر کو زیرِ بحث لایا گیا۔ تحریک استشراق گزشتہ پچاس سال سے علمی و فکری کاموں میں برق رفتاری کے ساتھ محوِ جد وجہد ہے۔

6.4 مستشرقین کے علمی و تحقیقی محرکات

مستشرقین کا ایک بڑا گروہ علوم اسلامیہ کے تیئں خالص علمی و تحقیقی اہداف رکھتا ہے۔ اس نے علوم اسلامیہ کی تحقیق و علمی جستجو کو خالص طور پر لکھنے پڑھنے کا میدان بنا رکھا ہے اور اسی سفر میں وہ محوِ جد وجہد ہے۔ اس طبقہ نے اس تعلق سے قابل تحسین کام کیا ہے، قرآنیات پر علمی کام کیا ہے، کئی قلمی نسخوں اور مخطوطات کو ایڈیٹ کر کے شائع کیا، یورپی لائبریریوں اور دانش گاہوں میں محفوظ عربی کتب اور مصادر کی ترتیب و تنظیم، بعض عربی مصادر کا انگریزی اور دیگر معروف زبانوں میں ترجمے کئے، عربی زبان وادب اور اسلامی مطالعات کا ماحول اور رجحان مغربی اور یورپی دنیا میں سازگار بنایا، فہرست سازی اور تحقیق واشاعت کے لیے اہم قلمی نسخوں کی دریافت کرنے کے سلسلے میں قابلِ تحسین خدمات انجام دیں۔ ان علمی کاموں کے لیے مستشرقین نے انفرادی اور اجتماعی سطح پر دلچسپی لی۔

مستشرقین نے بعض ایسے مخطوطات کو ایڈٹ کر کے منصۂ شہود پر لایا کہ اگر وہ ایسا کام نہیں کرتے تو علم کا ایک اہم ذخیرہ گمنام اور ضائع ہو جاتا۔ بعض مستشرقین نے ذاتی اور مخلصانہ دلچسپی کی وجہ سے اپنی زندگی اسلامی علوم کے لیے وقف کر دی ہے۔ اگر وہ محنت اور ذاتی دلچسپی نہ دکھاتے تو قدیم اسلامی مخطوطات میں پایا جانے والا بہت قیمتی علم ضائع ہوتا یا گمنام ہو کر رہ جاتا۔ اڈورڈ لین (Edward William Lane:1801-1876)، ڈاکٹر اسپرنگر (Dr.Aloys Sorenger:1813-1893)، اے۔ جے۔ ونسک (A.J.Wensink:1882-1939)، پروفیسر آرنلڈ (T.w.Arnold:1864-1930) اور جی۔ بی۔ اسٹرنن (G.B.Stren:1890-1973) نے اسلام کے متعدد موضوعات پر منصفانہ اور قابلِ تحسین کام کیا ہے۔ مستشرقین نے تصوف کی نادر تصنیفات اور مخطوطات کو دور دراز علاقوں کا سفر کر کے عرق ریزی سے تلاش کر کے شائع کیا۔ نو مسلم مفکرہ مریم جمیلہ لکھتی ہیں کہ چند ممتاز مفکرین نے اپنی مخلص دلچسپی کی وجہ سے اسلامی علوم کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ اگر یہ ان کی تحقیق وتالیف کا حصہ نہ بنا ہوتا تو قدیم علمی مخطوطات میں پایا جانے والا بہت قیمتی علمی سرمایہ یا تو ختم ہو چکا ہوتا یا ابھی تک پوشیدہ ہی رہتا۔ رینان نکلسن اور جان آرتھر آربیری جیسے انگریز مستشرقین نے قدیم اسلامی ادب اور تصوف کے عظیم شاہ پاروں کا ترجمہ کرنے اور یورپی قارئین تک پہنچانے میں ایک قابل ذکر کام انجام دیا ہے۔

Maryam Jameelah, Islam and Orientalism (Lahore: Mohammad Yusuf Khan & & Sons, 1990, p:29)

مستشرقین کی علمی و تحقیقی کاوشوں کے اعتراف کے سلسلے میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

''اس حقیقت کا اعتراف ایک صاحبِ علم کا علمی واخلاقی فرض ہے کہ متعدد مستشرقین نے اسلامی علوم کے مطالعہ میں اپنی ذہنی و علمی صلاحیتوں کا فیاضانہ استعمال کیا،انھوں نے اس کام کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دیں،ان میں سے بہت سے فضلاء نے مشرقی اور اسلامی علوم کا موضوع سیاسی،اقتصادی اور مشنری اغراض و مقاصد کے تحت نہیں،بلکہ محض شوقِ علم اور جزبہ بحث و تحقیق کی خاطر اختیار کیا اور اس کام میں خاصی جگر کاوی اور دیدہ ریزی کا ثبوت دیا،یہ ناانصافی ہو گی کہ ان کے اس پہلو کا اظہار واعتراف نہ کیا جائے۔''

(سید ابوالحسن علی ندوی،اسلامیات اور مغربی مستشرقین و مسلمان مصنفین (لکھنؤ: مجلس تحقیقات و نشریات اسلام،1982)، (24.

بیسویں صدی سے لے کر آج تک مغرب کے نامور مستشرقین اور مغربی محققین نے اسلامی تصوف اور مسلم تصوف کی طرف متوجہ ہوئے اور اس تعلق سے انھوں نے قابل تحسین علمی اور تصنیفی کارنامے انجام دیے۔نیچے گئے ٹیبل میں چند اہم مغربی مستشرقین کے علمی کام کو درج کیا گیا اور اس کے چند اہم مستشرقین اور مغربی مصنفین کے علمی کام کا مختصر تعارف پیش کیا گیا ہے۔اس اکائی کو پڑھ کر ہم تصوف کے میدان میں مستشرقین کے کام کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔

	Name : نام	Major Works خدمات
1	Sir William Jones (1746 –1794)	An Essay on the Poetry of the Eastern Nations, Al-Sirajiyah or the Muhammadan Law of Inheritance
2	Rene Guenon(1886-1951	Theosophy: History of a Pseudo-Religion, Spiritual Authority and Temporal Power
3	Rennold Nicholson (1945 -1868)	Studies in Islamic Mysticism, Literary History of The Arabs
5	Arthur John Arberry: 1905-1969	Sofism: An Account of Mystics of Islam,The Rubai'yat of Jalal Al-Din Rumi: Select Translations Into English Verse
6	Henry Corbin -1903) (1978	Creative Imagination in the Sufism of Ibn 'Arabi, Spiritual Body and Celestial Earth
7	Anemarie Schimmel (1922 – 2003)	Rumi's World: The Life and Works of the Greatest Sufi Poet, As Through a Veil: Mystical Poetry in Islam
8	Martin Lings (1919-2005)	A Sufi saint of the twentieth century: Shaikh Ahmad al-Alawi, his spiritual heritage and legacy, What is Sufism?
9	William Clark Chittick (1943-)	*Sufism: A Short Introduction, The Sufi Path of Love: The Spiritual Teachings of Rumi*
10	Gerhard Bowering	The Mystical Vision of Existence in Classical Islam.The Quranic Hermeneutics of the Sofi Sahl al-Tustari, Sufi Inquiries and Interpretations
11	E. H. Palmer(1840–1882)	Oriental Mysticism, Poems of Beha al-Din Zuhayr

12	Toshihuko Izutsu (1914-1993)	A Comparative study of the Philosophical Concepts of Sufism and Taoism
13	Herbert w. Mason	Al-Hallaj, The Concept of Sainthood in Early Islamic Mysticism: Two works by Al-Hakīm Al-Tirmidhī
14	J. Spencer Trimingham (1904-1987)	The Sufi Orders in Islam
15	Louis Massigon (1883 –1962)	Le Passion de Husayn ibn Mansur Hallaj
16	J. Abraham Makdisi (1920-2002)	Ibne Taymia. A Sufi of the Qadiria Order

رینے گینوں(Rene Guenon:1886-1951)

رینے گینوں(Rene Guenon) 1886ء میں پیدا ہوئے اور وفات 1951ء میں پائی۔انھوں نے بے۔اے کی سند حاصل کرنے کے بعد فرانس میں سکونت اختیار کرلی اور فلسفہ و تصوف کو تحقیق کا موضوع بنایا۔آپ بنیادی طور پر ایک فلسفی،دانشور اور صوفی تھے۔پہلے تحریک استشراق سے ان کا تعلق تھا،بعد میں اسلام کا گہرائی سے مطالعہ کیا اور 1912ء میں اسلام قبول کیا۔روایت پسند اسکول (Traditionalist School)کے بانیوں میں سے بھی آپ کا شمار ہوتا ہے۔آپ نے تصوف و فلسفہ،روحانیت،Symbolism، کونیات(Cosmology) کے میدان میں دنیا کو نئی فکر سے روشناس کروایا۔گینوں جدید فلسفوں کے بنیاد گزاروں میں سے ہے۔ تصوف سے انہیں خاص شغف رہا ہے۔ان کے نزدیک صوفی ازم انسانوں کے لیے روحانی سکون حاصل کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ان کے مطابق جدید بحران بڑھ رہا ہے اور طاقت کا بے جا استعمال کی وجہ سے عالمی بحران بھی وسیع پیمانے پر بڑھ رہا ہے۔مادہ مقصد بن گیا ہے اور لامتناہی مسابقت،دشمنی اور یہاں تک کہ مشینی جنگوں کا سبب بن گیا ہے۔گینون کے مطابق اس کی وجہ سے زمین کا ماحولیاتی نظام خراب اور تباہ ہو جاتا ہے۔انسان مابعد الطبیعاتی کے تصورات سے دور ہو رہے ہیں۔رینے گینون کی موت کے بعد مغربی رہنماؤں کی طرف سے صوفی ازم کی تحریک ان کے شاگردوں نے جاری رکھا۔

گینوں کے اہم تصانیف میں Theosophy: History of a Pseudo-Religion (Le Théosophisme – Histoire d'une pseudo-religion ہے۔ان کی دیگر تصانیف The Spiritist Fallacy Spiritual Authority and Temporal Power اور Oriental Metaphysics ہیں۔ نیز Perspectives on Initiation اور The Metaphysical Principles of the Infinitesimal Calculus بھی ان کے فکر رسا اور تحقیق کا شاہکار ہیں۔

رینالڈ ایلین نکلسن (Rennold A.Nicholson:1868-1945)

رینالڈ ایلین نکلسن(1868-1945) یا آر-اے-نکلسن ایک ممتاز مستشرق،اسلامی ادیب اور اسلامی تصوف (Islamic

(mysticism کے ماہر تھے۔ انھوں نے مغربی دنیامیں مولانا رومی کا بڑے پیانے پر متعارف کروایاجو کہ ان کا اہم ترین کارنامہ تھا۔آپ برطانیہ کے شہر (West Riding of Yorkshire) میں پیدا ہوئے اور چیشائر(Cheshire)میں انتقال ہوا۔آپ نے یونیورسٹی آف ایبرڈین(University of Aberdeen)اور ٹرینیٹی کالج کیمبرج میں تعلیم حاصل کی۔ نکلسن پہلے 1901 سے جون 1902 تک یونیورسٹی آف لندن کے شعبہ فارسی میں اور اس کے بعد 1902 سے 1926 تک کیمبرج یونیورسٹی کے شعبہ فارسی میں پروفیسر رہے اور 1926 سے 1933 تک کیمبرج یونیورسٹی میں سر تھامس ایڈمز کے شعبہ عربی کے پروفیسر کی حیثیت سے رہے۔آپ نے اسلامی ادب پر گہرے اثرات مرتب کئے۔انہیں اسلامی صوفی ازم کا استاد مانا جاتا ہے۔ عربی، فارسی، پنجابی اور ترکی زبان میں اہم صوفی متون کا مطالعہ اور انگریزی میں ترجمہ کرنے کے ماہر اور دلدادہ تھے۔

نکلسن کا شاندار علمی کام رومی کی مثنوی پر تھا جو 1925 اور 1940 کے درمیان آٹھ جلدوں میں شائع ہوا۔اس منصوبے پر انہوں نے اپنی زندگی کے آخری بیس سالوں تک کام کیا۔انہوں نے مثنوی کا پہلا تنقیدی فارسی ایڈیشن کو انگریزی میں منتقل بھی کیا اور یہ کام دنیا بھر میں مطالعات رومی کے تعلق سے انتہائی مفید کام تصور کیا جاتا ہے۔ نکلسن نے صوفی ازم پر مشہور فارسی کتاب کشف المحجوب کا انگریزی میں ترجمہ کیا جسے برصغیر کے مشہور ولی اللہ علی ہجویری داتا گنج بخش نے لکھا تھا۔علامہ محمد اقبال کی پہلی فلسفیانہ شاعری کی کتاب اسرار خودی کا انھوں نے فارسی سے انگریزی میں The Secrets of the Self کے عنوان سے ترجمہ کیا۔ نیز انھوں نے رومی کی دیوان شمس تبریزی 1898 میں اور ابن عربی کے ترجمان الاسواق کا 1911 میں انگریزی قالب میں ڈالا۔ نکلسن نے 1921 میں اسلامی صوفی ازم پر ایک اہم کتاب Studies in Islamic Mysticism کے عنوان سے کیمبرج یونیورسٹی پریس سے شائع کیا۔ان نگارشات کے علاوہ نکلسن کی ایک اور مایہ ناز کتاب Literary History of The Arabs کے نام سے مشہور ہے، یہ کتاب موجودہ دور میں اسلامی تاریخ پر ایک اہم کتاب سمجھی جاتی ہے۔

6.4.1 آرتھر جان آربیری(Arthur John Arberry: 1905-1969)

آرتھر جان آربیری 12 مئی 1905ء کو انگلستان میں پیدا ہوئے۔انھوں نے 1924ء میں پیمبروک کالج کیمبرج سے گریجویشن کی ڈگری حاصل کی۔آرتھر جان آربیری عربی اور اسلامیات کا پہلا مستند اسکالر تھا جس نے کیمبرج یونیورسٹی سے گریجویشن کی ڈگری حاصل کی۔آپ انڈیا آفس لندن میں 1934ء سے 1939ء تک اسسٹنٹ لائبریرین رہے اور اس کے بعد انہیں کیمبرج یونیورسٹی میں عربی زبان کا پروفیسر مقرر کیا گیا۔آربیری نے قرآن کے ترجمے کے علاوہ ساٹھ سے زیادہ تصانیف شائع کیں۔ مشرقی وسطی میں کئی سال گزارنے کے بعد انھوں نے عربی اور فارسی زبان میں مہارت حاصل کی۔انھوں نے قرآن کا براہِ راست عربی سے ترجمہ کیا۔ان کا ترجمہ قرآن پہلی بار 1955ء میں The Koran Interpreted کے عنوان سے نیویارک میں ہوا جو کافی مقبول ہوا۔اس کی اشاعت کا سلسلہ جاری ہے اور اب تک اس کے تیس سے زائد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔آربیری قرآن مجید کی فصاحت وبلاغت اور اس کی صوتی آہنگ کے زبردست قائل تھے اور اس کا لحاظ اس نے ترجمہ میں بھی برقرار رکھنے کی کوشش کی۔آربیری اپنے ترجمہ قرآن میں عمدہ اسلوب اور نہایت بلیغ زبان استعمال کی

جس نے اس کی اہمیت کو دو بالا کر دیا۔ اگر چہ اس میں کئی غلطیاں سرزرد ہوئی ہیں لیکن اس کے باوجود زبان و فصاحت کے لحاظ سے دوسرے مستشرقین کے مقابلہ میں یہ معیاری ترجمہ ہے۔

آربیری دوسرے مستشرقین کی طرح قرآن کو محمد کا کلام قرار نہیں دیتا ہے۔ ان کا مؤقف یہ ہے کہ قرآن کسی Super Natural ہستی کا کلام ہے ۔آبیری کا اصل کام تصوف پر ہے اور انھوں اس میدان میں اچھا خاصا علمی ذخیرہ چھوڑا۔ اس تعلق سے عمر خیام اور مولانا رومی کو انھوں نے اپنی تحقیق کا بنیادی موضوع بنایا۔ سب سے پہلے تصوف کے عنوان پر انھوں نے ایک کتاب لکھی جس کا نام Sofism: An Account of Mystics of Islam ہے۔ اس میں انھوں نے خدااور رسول کے تصور کو اجاگر کیا۔ نیز احسان، صوفیوں کے اعمال، تصوف کا ڈھانچہ، صوفیوں کا سلسلہ ،اسلام کا فلسفہ تصوف اور صوفی شعرا کے بارے میں اظہار خیال کیا۔ انھوں نے اس میں صوفی ازم کی تاریخ کو اسلامی تصوف کے رنگ میں پیش کیا۔ اس کے بعد نے انھوں مولانا رومی اور عمر خیام کے منتخب رباعیات کو نہ صرف ایڈٹ کیا بلکہ انگریزی زبان میں منتقل بھی کیا۔ اول الذکر کا نام *The Rubai'yat of Jalal Al-Din Rumi: Select Translations Into English Verse* ہے جب کہ ثانی الذکر کا نام The Rubai'yat of Omar Khayyam ہے۔ یہ دونوں دستاویز 1940 کی دہائی میں شائع ہوئیں۔ اس کے بعد موصوف نے ان دنوں شخصیات کے صوفیانہ افکار پر دو کتابیں لکھیں ۔ پہلی کتاب کا نام *Omar Khayyam. A New Version, Based upon Recent Discoveries* ہے اور دوسری کتاب کا عنوان *Discourses of Rumi*, A translation of Fihi Ma Fihi ہے۔ نیز انھوں نے مولانا رومی کے منتخب صوفیانہ اشعار کا ترجمہ *Mystical Poems of Rumi* کے عنوان سے کیا ۔آربیری نے مشہور ولی اللہ فرید الدین عطار کی معروف کتاب تذکرۃ الاولیا کا ترجمہ بھی کیا جس کا نام *Muslim Saints and Mystics, A translation of episodes from the 'Tazkirat al-Awliya'* ہے۔ اس کے علاوہ بھی ان کا کام کافی پھیلا ہوا ہے جس کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔ ان کا انتقال 2/اکتوبر 1969ء کو کیمبرج میں ہوا۔

6.4.2 ہنری کوربن (Henry Corbin:1978-1903)

ہنری کوربن ایک معروف مغربی محقق اور ماہر اسلامیات تھے۔ انہیں ماہر ایرانیات کے طور پر بھی جانا جاتا ہے۔ آپ نے قدیم فلسفہ اور قدیم اسلامی تصوف کا گہرا مطالعہ کیا۔ آپ سہر اوردی، ابن العربی اور ملا صدرا شیرازی سے کافی متاثر تھے۔ اسلامی فلسفہ اور تصوف سے بھی کافی متاثر نظر آتے ہیں اسی لیے انھوں نے اس بات کا چیلینج کیا کہ ابن سینا اور ابن رشد کے بعد عالم اسلام زوال پزیر ہو چکا ہے۔ انھوں نے اسلامی فلسفے کی تاریخ کو اپنی کتاب تاريخ الفلسفة الإسلامية - منذ الينابيع حتى وفاة ابن رشد میں مفصل طور پر بیان کیا۔ کوربن پیرس کے Ecole Pratique des Hautes etudes میں اسلامی علوم کے پروفیسر رہے۔ ان کا اہم ترین کام عظیم فلسفی سہر اوردی کے صوفیانہ افکار پر مشتمل ہے۔ کوربن کو مغربی دنیا میں اسلامی فلسفہ اور تصوف کے کردار کو متعارف کرانے کا ایک اہم دانشور کے طور پر جانا جاتا ہے۔ ایرانی فکر و فلسفہ اور تصوف پر انھوں نے بڑے پیمانے پر علمی کام کیا۔ اس سلسلے میں چار جلدوں پر مشتمل ان کی

تصنیف Islam Iranien: Aspects spirituels et philosophiques شاہکار کتاب ہے۔ڈاکٹر انشااللہ رحمتی اور رضا کوہحان نے اس کا فرانسیسی زبان سے فارسی میں ترجمہ کیا۔اسی نوعیت کی ان کی دوسری کتاب The Man of Light in Iranian Sufism بھی قابل ذکر تحقیق ہے۔

اسلامی فلسفہ میں کوربن نے ہسٹری آف اسلامک فلاسفی لکھی جس میں اسلامی فلسفہ اور صوفیانہ کے اندرونی یا طنی پہلوؤں پر تبادلہ خیال کیا گیا ہے۔ہنری کوربن اور سید حسین نصر دو علمی شخصیات ہیں جنہیں جدید دور میں مشرق اور مغرب میں ایرانی فلسفیانہ فکر کو متعارف کرانے کا سہرا دیا جاتا ہے۔ان کا سید حسین نصر کے ساتھ قریبی تعلق رہا ہے۔دونوں نے اپنے خیالات کو فلسفیانہ فکر خاص طور پر ایرانی اسلامی فلسفے کو فروغ دینے کے لیے وقف کر رکھا۔اسلامی تصوف کے تعلق سے کوربن نے اس کی تاریخ اور صوفیوں کے بارے میں بھرپور اظہار خیال کیا۔کوربن نے اپنی تحریروں کے ذریعے تصوف کے تئیں ابن العربی کے صوفیانہ خیالات کو متعارف کرانے میں اہم کردار ادا کیا۔اس سلسلے میں انھوں نے Alone with the Alone: Creative Imagination in the Sufism of Ibn 'Arabi میں ابن العربی پر اہم مباحث کو سمیٹ دیا۔روحانیت اور کائنات کے مابین جو تعلق ہے اسے انھوں نے Spiritual Body and Celestial Earth میں بیان کیا۔

6.4.3 ڈاکٹر این میری شمل (Anemarie Schimmel: 1922 – 2003)

مشہور جرمن مستشرق، ماہر اسلامیات ،ماہر اقبالیات اور ماہر تصوف ڈاکٹر این میری شمل (Anemarie Schimmel) اپریل 1922ء کو پیدا ہوئیں۔انھوں نے جرمنی کا قصبہ ارفرٹ کے ایک متوسطہ گھرانے میں روایتی تعلیم کا آغاز کیا۔ محض انیس سال کی عمر میں مملوک خاندان کے مصر میں ''خلیفہ اور قاضی کا مقام'' کے عنوان سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔شمل کو لڑکپن ہی سے اسلامی تہذیب، اسلامی ادبیات، مشرقی علوم اور اسلامی تصوف کو سمجھنے کے لیے بے حد دلچسپی پیدا ہوئیں۔انھوں نے اسلامی افکار و روایات کو براہ راست سمجھنے کے لئے عربی زبان وادب کو بھی سیکھا۔وہ دور جدید کے ایسے چند ہی مستشرقین میں شامل ہیں جنہیں عربی زبان وادب پر دسترس حاصل تھیں۔اس کے علاوہ آپ اردو، ترکی اور فارسی زبان پر مہارت حاصل تھی۔آپ پاکستان جاتی رہتی تھیں اور تقریباً 35 مرتبہ علمی کام کے سلسلے میں پاکستان کا سفر کیا۔مشرقی علوم اور اسلامی تصوف سے دلچسپی کی بنا پر انھوں نے پاکستان کو اپنا دوسرا وطن بنایا تھا۔صوفی ازم اور صوفی روایات سے انہیں بے حد لگاؤ تھا اور اسی کو اپنی علمی اور تحقیقی کام کا موضوع بھی بنایا۔

اقبالیات اور مولانا رومی بھی ان کا تحقیقی میدان تھا اور دونوں سے بے حد عقیدت و محبت تھی۔شمل کا بیشتر کام جرمن زبان میں منتقل ہوا۔مولانا رومی پر ان کی دو کتابیں ہیں۔پہلی کتاب کا نام Rumi's World: The Life and Works of the Greatest Sufi Poet ہے اور دوسری کتاب کا نام The Triumphal Sun (Rumi's Poetry) ہے۔یہ دونوں کتابیں مصدر کی حیثیت رکھتی ہیں۔اسلامی نظریات پر مشتمل صوفیانہ شاعری پر بھی انھوں نے لکھا اور اس تعلق سے ان کی نایاب کتاب As Through a Veil: Mystical Poetry in Islam ہے۔خسرو کی صوفیانہ شاعری کو بھی انھوں نے موضوع

بنایااورMake A Shield From Wisdom: Selected Verses from Nasir-i Khusraw's Divan کے عنوان سے منتخب نظموں اور رباعیات کو مرتب کر کے ترجمہ کیا۔ان کے علاوہ انھوں نے شاہ عبداللطیف بھٹائی، رحمٰن بابا، مرزا غالب اور سندھی، پشتو اور پنجابی شعرا کی صوفیانہ شاعری پر تحقیقی مضامین لکھے جنہیں علمی دنیا میں کافی پسند کیا گیا۔ صوفیانہ شاعری سے این میری اتنی متاثر ہوئیں کہ اُنھوں نے خود بھی صوفی شاعری میں طبع آزمائی کی۔ان کا انگریزی زبان میں ایک شعر یوں ہے:

"Make thirsty me, O friend, give me no water!

Let me so love that sleep flees from my door!"

ڈاکٹر شمل نے اللہ کے رسول ﷺ کی سیرت پر بھی نہایت وقیع کام کیا جو And Muhmmad Is His Messenger کے نام سے شائع ہوئی۔اس کتاب کا خوب صورت اردو جامہ نعیم اللہ ملک نے پہنایا۔ یہ کتاب ایک صوفیانہ انداز میں تحریر کی گئی ہے۔ تاریخی اعتبار سے عیسائی دنیا نبی کریم ﷺ سے خوف زدہ تھے۔ شمل کا کہنا ہے کہ مغربی دنیا نے اس بلند مرتبت شخصیت کے بارے میں منفی تصویر کشی کی جس نے کرہ عرض پر دنیا کی کامیاب ترین مذہبی تحریک چلائی۔ مغرب نے تاریخ، ڈرامے اور شاعری میں نبی کریم ﷺ کی شخصیت کا جو گمراہ کن خاکہ پیش کیا، اس کا ثبوت وہ بے شمار ضخیم کتابیں ہیں جو یورپ میں اس موضوع پر لکھی گئی ہیں۔ شمل کہتی ہیں کہ عیسائی دنیا نے اٹھارویں صدی میں نبی اکرم کی شخصیت کے بارے میں سنجیدہ نقطہ نظر اختیار کرنا شروع کیا۔ شمل کی تحریروں کی خاص بات یہ ہے کہ انھوں نے متوازن اپروچ اختیار کیا۔

علامہ اقبال پر بھی انھوں نے کئی کتابیں بھی لکھیں۔ شمل کو اس بات کا اعزاز بھی حاصل ہے کہ انھوں نے علامہ اقبال کی شاعری اور ان کے افکار کو مغربی اور یورپی دنیا میں بڑے پیمانے پر متعارف کرایا۔ اقبالیات پر ان کا کام منفرد بھی ہے۔اسلام، تصوف اور علامہ اقبال کی فکری خدمات کے سلسلے میں پاکستان نے انہیں ستارہ امتیاز اور 'ہلال امتیاز' جیسے اہم ایوارڈس سے نوازا۔انھوں نے اپنی پوری زندگی درویشانہ انداز میں گزاری اور اسی سال کی عمر میں یعنی 27 جنوری 2003ء کو ڈاکٹر این میری شمل جرمنی کے شہر بون میں انتقال کر گئیں تھیں۔ان کی قبر کے کتبہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول لکھا گیا ہے :

النّاسُ نیامٌ فإذا ماتُوا انتبَهوا

یعنی لوگ خواب غفلت میں ہیں جب انہیں موت آئے گی تو بیدار ہوں گے ۔

کہا جاتا ہے کہ انھوں نے وصیت کی تھیں کہ میری قبر کے کتبہ پر یہ قول ضرور لکھا جائے—

6.4.4 مارٹن لنگز(Martin lings1909:-2005)

مارٹن لنگز(Martin lings 1909-2005) ایک معروف عیسائی دانشور، ادیب اور محقق ,اسلامی اسکالر اور فلسفی تھے، نیز شیکسپیئرین بھی کہلاتے تھے۔ موصوف انگریزی زبان وادب کے ماہر تھے۔آپ نے یونیورسٹی آف لندن میں شعبہ اسکول آف اورینٹل اینڈ

افریکن اسٹڈیز سے تصوف اور اسلام کے موضوع پر پی-ایچ-ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ان کا ڈاکٹریٹ کا مقالہ الجزائر کے صوفی احمد العلوی پر تھاجو بعد میں *A Sufi saint of the twentieth century: Shaikh Ahmad al-Alawi, his spiritual heritage and legacy* کے عنوان سے شائع ہوا۔ اس کے بعد انھوں نے برٹش میوزیم اور بعد میں برٹش لائبریری میں کام کیا، مشرقی نسخوں اور دیگر مذہبی متون کے کاموں کی نگرانی کی۔اور ینٹل پرنٹڈ کتب اور مخطوطات کو جائزہ لینے کا کام بھی کیا۔ وہ اسٹڈیزان کمپریٹیور یلیجن Studies in Comparative Religion نامی جریدے میں بھی مسلسل لکھتے رہتے تھے۔

مارٹن لنگز آغاز ہی سے مذاہب اور تصوف کی طرف میلان تھا جس کی وجہ سے انھوں نے اسلام کا بھرپور اور گہرائی سے مطالعہ کر کے اسلام کو گلے لگایا۔ قبول اسلام کے بعد دنیائے انسانیت میں ابو بکر سراج کے نام سے مشہور ہوئے۔ابو بکر سراج کی فکر و تحقیق کا موضوع تصوف تھا۔انھوں نے اسلام اور اس کی تعلیمات پر کئی اہم کتابیں لکھیں۔ان کا اصل دائرہ کار تصوف تھااور اس تعلق سے انھوں نے عربی کے بنیادی اور اصل ماخذ سے استفادہ کر کے تصوف کے مختلف پہلوؤں سے غیر معمولی نتائج اخذ کیے ہیں اور تصوف کے مختلف گوشوں کو خوبصورت بیانیہ میں اجاگر کیا جو یقیناً قارئین کے لیے دلچسپی کا باعث ہیں۔انھوں نے تصوف کی قدیم وجدید اصطلاحوں کو مفصل طور پر بیان کیا ہے۔اس تعلق سے ان کی کتاب *What is Sufism ?* غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے۔انھوں نے صوفیانہ شاعری کے جمع وتدوین کا کام بھی کیا اور اس حوالے سے ان کی ایک کتاب *Sufi Poems : A Mediaeval Anthology* ہے جب کہ دوسری کتاب کا نام *Collected Poems, revised and expanded* ہے۔قرآنی کیلو گرافی پر مشتمل آرٹ کو بھی انھوں تحقیق کا حصہ بنایا۔ روح اور وجود کی حقیقت کو بھی انھوں نے آشکارا کیا۔اس تعلق سے ان کی کتاب *A Return to the Spirit : Questions and Answers* ہے اور دوسری کتاب کا نام *Symbol & Archetype : A Study of the Meaning of Existence* ہے۔ جدید دنیا روحانی بحران کو بھی انھوں نے اپنا موضوع بنایا اور *The Eleventh Hour: the Spiritual Crisis of the Modern World in the Light of Tradition and Prophecy* کے عنوان سے ایک منفرد تصنیف لکھی۔ اسی منہج پر انھوں نے سیرت رسول ﷺ پر بھی ایک شاندار کتاب تحریر کی جس کا نام Muhammad : His life Based on Earliest Sources ہے اور ان کا ایک علمی کام بہت ہی منفرد علمی کام ہے.

ابو بکر سراج کا انتقال 12/ مئی 2005ء میں ہوا۔

6.4.5 ولیم کلارک چٹک(William Clark Chittack: 1943-)

ولیم سی چٹک 1943 میں ملفورڈ (Connecticut) میں پیدا ہوئے ۔ کالج آف ووسٹر (اوہائیو) College of Wooster (Ohio), میں سے گریجویشن کی ڈگری حاصل کی۔اس کے بعد انھوں نے بیروت کی امریکن یونیورسٹی میں اسلامی تاریخ کا مطالعہ کیا۔ یہیں سے ان کا پہلی بار صوفی ازم سے رابطہ ہوااور صوفی ازم کے معیاری بیانات سے واقف ہونے کے بعد چٹک نے اس موضوع پر سید حسین نصر سے رابطہ کیا جو اس سال آغا خان یونیورسٹی میں وزٹنگ پروفیسر تھے۔ نصر کے لیکچر نے چٹک کی صوفی ازم میں دلچسپی کو اس حد

تک گہرا کر دیا کہ اس نے بالآخر تہران میں گریجویشن کی تعلیم حاصل کرنے کا عزم کیا۔1974 میں انہوں نے نصر کی نگرانی میں فارسی زبان وادب میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔اس کے بعد چٹک نے 1978 میں امپیریل ایرانی اکیڈمی آف فلاسفی کی فیکلٹی میں شمولیت اختیار کی ولیم چٹک اسٹونی بروک یونیورسٹی میں ایشین اور ایشین امریکن اسٹڈیز کے شعبہ میں ممتاز پروفیسر کی حیثیت سے بھی کام کیا۔1980 کی دہائی کے اوائل میں چٹک نے انسائیکلوپیڈیا ایرانیکا کے ایسوسی ایٹ ایڈیٹر کے طور پر خدمات انجام دیں۔چٹک تیس کتابوں کے مصنف اور مترجم ہیں اور اسلامی فکر، صوفی ازم، شیعہ ازم اور فارسی ادب ان کا خصوصی تحقیقی میدان ہے۔البتہ شیخ ابن عربی(م638ھ) کے صوفیانہ افکار پر انھوں نے خصوصی طور توجہ مرکوز کی۔اس تعلق سے انھوں نے شیخ ابن عربی پر کئی اہم کتابیں لکھی ہیں۔آپ ابن عربی کو اپنا حقیقی استاد مانتے ہیں۔ان کی تحقیقات میں صوفیانہ رنگ غالب ہے اور یہ رنگ ان کے مزاج میں داخل ہے۔اس کے ساتھ ان کے ذوق اور تحقیق کا دائرہ کار صوفیانہ شاعری، تراجم، مابعدالطبیعیات اور فلسفہ زمان و مکان جیسے دقیق مسائل تک پھیلا ہوا ہے۔ان کی تحقیق کا ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ عام طور پر وحدت الوجود کی اصطلاح ابن العربی کی طرف منسوب کی جاتی ہے لیکن چیٹک اس بات کو تسلیم نہیں کرتے ہیں بلکہ کہتے ہیں کہ یہ ابن عربی سے قبل ہی سلفیوں اور صوفیوں کے ہاں مستعمل تھی۔

ابن عربی اور تصوف کے تعارف پر ولیم چیٹک نے *Sufism: A Short Introduction* جیسی اہم کتاب لکھی ہے۔ مولانا جلال الدین رومی پر انھوں نے دو کتابیں لکھیں اول الذکر کا نام اور *The Sufi Path of Love: The Spiritual Teachings of Rumi* جبکہ ثانی الذکر کا عنوان *The Sufi Doctrine of Rumi: An Introduction* ہے۔چٹک کا زیادہ علمی کا کام شیخ ابن العربی پر ہے۔تصوف میں ابن العربی کی درج ذیل تصنیفات ہیں:

- *The Sufi Path of Knowledge: Ibn al-'Arabi's Metaphysics of Imagination*
- *Imaginal Worlds: Ibn al-'Arabi and the Problem of Religious Diversity*
- *The Self-Disclosure of God: Principles of Ibn al-'Arabi's Cosmology*
- *Ibn 'Arabi: Heir to the Prophets*
- *Dirasat fi fikr al-Shaykh al-Akbar Muhyi al-Din Ibn al-‘Arabi wa-madrasatihi.*

6.4.6 پروفیسر گیرہارڈ بوورنگ (Gerhard Bowering)

پروفیسر گیرہارڈ بوورنگ (Gerhard Bowering) امریکہ سے تعلق رکھتے ہیں لیکن آپ اصل جرمن سے ہیں۔آپ نے میکگل یونیورسٹی (McGill University) میں پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی۔آپ ایک ماہر تعلیم ہونے کے ساتھ مذہبی علوم پر بھی مہارت رکھتے ہیں۔ اسلامی علوم میں انہیں تخصص حاصل ہے اور اسی میدان میں آپ علمی کام بھی کر رہے ہیں۔تاہم تصوف ان کا اصل دائرہ کار ہے۔آپ فی الحال ییل یونیورسٹی (Yale University) کے شعبہ مذہبی علوم میں اسلامی علوم کے پروفیسر کی حیثیت سے

تعینات ہیں۔اوراس سے قبل آپ نےUniversity of Pennsylvaniaمیں بھی تدریسی خدمات انجام دیں اوراس کے وزیٹنگ پروفیسر بھی رہے۔آپ1994سے امریکن فلاسفی سوسائٹی American Philosophical Societyسے بھی وابستہ ہیں۔آپThe Princeton Encyclopedia of Islamic Political Thought کے چیف ایڈیٹر بھی ہیں۔انہیں 2005میں اسلامی علوم اور تصوف کی خدمات کے اعتراف میں گگنہیم فیلوشپ (Guggenheim Fellowship)سے بھی نوازا گیا۔ گیرہارڈ بوورنگ صوفانہ توضیحی طریقوں اور عیسائی پدرانہ روایت کے درمیان مماثلتوں پر یقین رکھتے ہیں۔ انھوں نے اس تعلق سے مغرب میں اسلامی تصوف کو متعارف کرانے میں کلیدی رول ادا کیا ہے۔ موصوف قرآن مجید کی صوفیانہ تشریح کا کام اہم ترین کام تصور کرتے ہیں اور اس سلسلے میں ابتدائی صوفی تفاسیر کا بھرپور اور گہرا مطالعہ بھی کیا ہے۔اس تعلق سے ان کا تحقیقی کام سھل بن عبداللہ التستري(وفات :896) کی حیات اور ان صوفیانہ خدمات کا عمدہ مطالعہ پیش کیا جو اپنے آپ میں ایک لاجواب کام ہے۔ اس تصنیف کا نام The Mystical Vision of Existence in Classical Islam. The Quranic Hermeneutics of the Sofi Sahl al-Tustariہے۔اس میں وہ لکھتے ہیں:

Despite this problematic transmission of the text and despite the absence of any reference to the Tafsir in the medieval bibliographies, this Sufi commentary on the Qur'än emerges as the principal, substantially authentic and oldest work of the Tustari tradition.

(The Mystical Vision of Existence in Classical Islam.The Quranic Hermeneutics of the Sofi Sahl al-Tustari Berlin-New York, 1980,267)

اس کے علاوہ بوویرنگ تصوف کے مبادایات اور مختلف تعبیرات پر بھی وضاحت کے ساتھ لکھا ہے۔ اس تعلق سے ان کی ایک کتابSufi Inquiries and Interpretationsہے اور دوسری کتاب کا عنوانSufi Treatisesہے۔ یہ دونوں کتابیں برلن سے شائع ہوئیں۔ ان کی ایک اور مایہ ناز کتاب The Minor Qur'an Commentary of al-Sulamiہے اور یہ کتاب بیروت سے 1995 میں شائع ہوئی۔ اور انھوں نے قدیم صوفیائے کرام پر بھی قلم اٹھایا اور اس سلسلے میں ان کی کتابThe Comfort of the Mystics: A Manual and Anthology of Early Sufismکافی اہمیت کی حامل ہے۔

6.4.7 مارک سیڈگوک(Mark Sedgwick)

مارک سیڈگوک(Mark Sedgwick) آرہوس یونیورسٹی(Aarhus University)ڈنمارک میں شعبہ عرب اور اسلامی علوم میں پروفیسر کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ان کا تعلق لندن سے ہے. آکسفورڈاور برلن کی یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کی اور قاہرہ کی امریکن یونیورسٹی میں بیس سال تک تدریسی خدمات انجام دیں۔آپ 2007 میں آرہوس چلے گئے۔ وہ روایت پرستی، مغربی صوفی

ازم اور دہشت گردی جیسے عناوین پر کام کے لیے مشہور ہیں۔ان کا بنیادی کام اور تحقیقی میدان صوفی ازم ہے اور اس تعلق سے موصوف کا کام کافی اہمیت کا حامل ہے۔ان کی حالیہ کتاب Western Sufism: From the Abbasids to the New Age کے نام سے آکسفورڈ یونیورسٹی سے 2016 شائع ہوئی ہے۔یہ اپنے موضوع پر ایک دلچسپ تحقیق ہے۔آج کل آپ گلوبل صوفی ازم پر تحقیقی کام کر رہے ہیں۔

6.4.8 کی تاکاہاشی (Kei-Takahashi)

کی تاکاہاشی Japan Society for the Promotion of Science میں ریسرچ فیلو ہیں۔وہ گریجویٹ تھیولوجیکل یونین میں سینٹر فار اسلامک اسٹڈیز میں وزیٹنگ اسکالر اور کیوٹو یونیورسٹی میں Kenan Refai Center for Sufi Studies میں سینئر محقق بھی ہیں۔انہوں نے صوفیہ یونیورسٹی سے ایریا اسٹڈیز میں ایم۔اے اور Ph.D کیو یونیورسٹی سے ادب میں کیا ہے۔ان کی بڑی تحقیقی دلچسپی جدید اور مابعد جدید معاشروں میں صوفی ازم اور تاریخوں میں ہے۔ان کا موجودہ تحقیقی موضوع ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں صوفی ازم ہے اور انہوں نے 2016 اور 2017 کے درمیان سان فرانسسکو بے ایریا (San Francisco Bay Area) میں صوفی برادریوں پر فیلڈ ریسرچ کی۔اور 2014 میں انھوں نے Sufi Orders: Traditions and Revival of Popular Islam کے عنوان سے ایک علمی کتاب شائع کی جس نے صوفی ازم کو نئے انداز سے سمجھنے کا موقع فراہم کیا۔اور یہ کتاب ٹوکیو سے شائع ہوئی ہے۔ان کا دوسرا اہم تحقیقی کام Tariqas and Benevolent Associations in Early Twentieth-Century Egypt: The Case of the Society of the 'Azmiyya Brothers in Alexandria کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔

6.4.9 سائیکو یازاکی (Saeko Yazaki)

ڈاکٹر سائیکو یازاکی گلاسگو یونیورسٹی میں شعبہ مذہبی علوم میں(Theology and Religious Studies) میں مذہبی علوم کے لیکچرار ہیں۔انہیں ایڈنبرا یونیورسٹی میں اسلامک اینڈ مڈل ایسٹرن اسٹڈیز میں پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری سے نوازا گیا۔2012 میں گلاسگو آنے سے پہلے انھوں نے آؤٹ ریچ اور پروجیکٹ منیجر کے طور پر کام کیا، پھر 2015 تک کیمبرج یونیورسٹی کے سینٹر آف اسلامک اسٹڈیز میں ریسرچ ایسوسی ایٹ کے طور پر کام کیا۔

اس کی تحقیق کے شعبوں میں صوفیانہ اور مذہب کی علمیات (Mysticism and Epistemology of Religion) شامل ہیں۔ان کا ایک علمی کام Islamic Mysticism and Abu Talib al-Makki: The Role of the Heart کے نام سے ہے جو کافی اہمیت کا حامل ہے اور یہ 2013 میں شائع کیا گیا ہے۔آج کل آپ صوفی روایت میں اخلاقیات، یہودی اور مسلم روحانیت کے درمیان روابط پر تحقیقی کام کر رہی ہیں جو عنقریب مکمل ہونے والا ہے۔اور ان کے دیگر منصوبوں میں برطانیہ میں صوفی ازم کی علمی روایات اور اس کا ارتقا بھی شامل ہے۔

6.5 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے :

- تصوف مستشرقین کے لیے ہمیشہ سے ایک دلچسپ موضوع رہا ہے اور اس میں ان کی گراں قدر خدمات ہیں۔ بیسویں صدی سے لے کر آج تک مغرب کے نامور مستشرقین اور مغربی محققین نے اسلامی تصوف اور مسلم تصوف کی طرف متوجہ ہوئے اور اس تعلق سے انھوں نے قابل تحسین علمی اور تصنیفی کارنامے انجام دیے۔
- رینے گینوں (Rene Guenon) اور فلسفہ و تصوف کو تحقیق کا موضوع بنایا۔آپ بنیادی طور پر ایک فلسفی، دانشور اور صوفی تھے۔ پہلے تحریک استشراق سے ان کا تعلق تھا، بعد میں اسلام کا گہرائی سے مطالعہ کیا اور 1912ء میں اسلام قبول کیا۔ روایت پسند اسکول (Traditionalist School) کے بانیوں میں سے بھی آپ کا شمار ہوتا ہے۔آپ نے تصوف و فلسفہ ، روحانیت، Symbolism، کونیات(Cosmology) کے میدان میں دنیا کو نئی فکر سے روشناس کروایا۔
- رینالڈ ایلین نکلسن (1868-1945) یا آر -اے - نکلسن ایک ممتاز مستشرق ، اسلامی ادیب اور اسلامی تصوف (Islamic mysticism) کے ماہر تھے۔ انہیں اسلامی صوفی ازم کا استاد مانا جاتا ہے۔ عربی، فارسی، پنجابی اور ترکی زبان میں اہم صوفی متون کا مطالعہ اور انگریزی میں ترجمہ کرنے کے ماہر اور دلدادہ تھے۔ انھوں نے مغربی دنیا میں مولانا رومی کا بڑے پیمانے پر متعارف کروایا جو کہ ان کا اہم ترین کارنامہ تھا۔ اس کے علاوہ انہوں نے تصوف کی فارسی کتاب کشف المحجوب کا ترجمہ انگریزی میں کیا اور علامہ اقبال کی اسرار خودی کو بھی انگریزی میں ترجمہ کیا۔
- آبیری نے قرآن کی تحقیق و ترجمہ پر کام کیا ہے لیکن ان کا اصل کام تصوف پر ہے اور انھوں اس میدان میں اچھا خاصا علمی ذخیرہ چھوڑا۔ اس تعلق سے عمر خیام اور مولانا رومی کو انھوں نے اپنی تحقیق کا بنیادی موضوع بنایا۔ سب سے پہلے تصوف کے عنوان پر انھوں نے ایک کتاب لکھی جس کا نام Sofism: An Account of Mystics of Islam ہے۔ اس میں انھوں نے خدا اور رسول کے تصور کو اجاگر کیا۔ نیز احسان، صوفیوں کے اعمال، تصوف کا ڈھانچہ، صوفیوں کا سلسلہ، اسلام کا فلسفہ تصوف اور صوفی شعرا کے بارے میں اظہار خیال کیا۔ انھوں نے اس میں صوفی ازم کی تاریخ کو اسلامی تصوف کے رنگ میں پیش کیا۔ اس کے بعد نے انھوں مولانا رومی اور عمر خیام کے منتخب رباعیات کو نہ صرف ایڈٹ کیا بلکہ انگریزی زبان میں منتقل بھی کیا۔
- ڈاکٹر این میری شمل مشہور جرمن مستشرق، ماہر اسلامیات ، ماہر اقبالیات اور ماہر تصوف ہیں۔ انھوں نے اسلامی افکار و روایات کو براہ راست سمجھنے کے لئے عربی زبان وادب کو بھی سیکھا۔ مولانا رومی پر ان کی دو کتابیں ہیں ۔ پہلی کتاب کا نام Rumi's World: The Life and Works of the Greatest Sufi Poet ہے اور دوسری کتاب کا نام The Triumphal Sun (Rumi's Poetry) ہے۔ یہ دونوں کتابیں مصدر کی حیثیت رکھتی ہیں۔
- اسلامی نظریات پر مشتمل صوفیانہ شاعری پر بھی انھوں نے لکھا اور اس تعلق سے ان کی نایاب کتاب As Through a Veil: Mystical Poetry in Islam ہے۔ خسرو کی صوفیانہ شاعری کو بھی انھوں نے موضوع بنایا اور Make

A Shield From Wisdom: Selected Verses from Nasir-i Khusraw's Divan
کے عنوان سے منتخب نظموں اور رباعیات کو مرتب کر کے ترجمہ کیا۔

6.6 نمونہ امتحانی سوالات

6.6.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. ناصر خسرو کے دیوان سے منتخب کلام کس مستشرق نے ترجمہ کیا؟ --
2. علامہ اقبال کی اسرار خودی کا انگریزی میں کس مصنف نے ترجمہ کیا؟ --
3. نکلسن نے تصوف کی کن کتابوں کا ترجمہ کیا؟ --
4. آربیری نے تصوف کے میدان میں کن شخصیات کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا؟--
5. کتاب Western Sufism: From the Abbasids to the New Age کس کی تصنیف ہے؟
----
6. Islamic Mysticism and Abu Talib al-Makki: The Role of the Heart کس کی تصنیف ہے؟ --
7. ابن عربی پر کس مستشرق نے تحقیقی کام کیا ہے؟ --
8. این میری شمل کا تعلق کس ملک سے تھا؟--
9. Sufi Poems: A Mediaeval Anthology کس مستشرق کا کام ہے؟--------------------------
10. مستشرقین نے تصوف کی نادر تصنیفات اور مخطوطات کو دور دراز علاقوں کا سفر کر کے عرق ریزی سے تلاش کر کے شائع کیا۔
صحیح/غلط

6.6.2 مختصر جوابی سوالات

1. تصوف کے میدان میں مستشرقین کی دلچسپی پر ایک نوٹ لکھیے۔
2. آربری کے تصوف کے میدان میں خدمات پر روشنی ڈالیے۔
3. رینے گینوں کی خدمات پر ایک نوٹ لکھیے۔
4. مولانا روم اور علامہ اقبال پر مستشرقین ک کام کا تعارف کروائیے۔
5. ڈاکٹر سائیکو یازا اور کی تاکا ہاشی کے تحقیقی کام پر روشنی ڈالیے۔

6.6.3 طویل جوابی سوالات

6. تصوف کے قدیم نادر مخطوطات کی تحقیق واشاعت میں مستشرقین کے رول پر ایک مضمون قلمبند کیجیے۔
7. نکلسن اور این میری شمل کے تحقیقی کام پر ایک جامع مضمون قلمبند کیجیے۔
8. مستشرقین کی صوفیانہ شاعری پر کی گئی تحقیقات پر روشنی ڈالیے۔

6.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. اسلام اور مستشرقین دارالمصنفین
2. Islam and Orientalism : Dr Maryam Jamila
3. Edward Said , Orientalism, London: Penguin,1977.
4. موسوعۃ المستشرقین : عبدالرحمان بدوی، دارالعلم للملائین بیروت، بار سوم 1993ء
5. ظاہرۃ الاستشراق وموقف بعض المستشرین منہا: کلیۃ الدعوۃ الاسلامیۃ، طرابلس، لیبیا

اکائی 7: اسلامی موضوعات پر مستشرقین کی تحریفات

اکائی کے اجزا:

7.0 تمہید

7.1 مقاصد

7.2 استشراقی تحریفات اور اغلاط

7.3 قرآن، حدیث اور فقہ میں تحریفات

7.4 سیرت، سوانح و تصوف (میں تحریفات)

7.5 تاریخ، ادب اور لغت (میں تحریفات)

7.6 تحریفات کے اسباب، نتائج، اثرات

7.7 اکتسابی نتائج

7.8 نمونہ امتحانی سوالات

7.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

7.8.2 مختصر جوابی سوالات

7.8.3 طویل جوابی سوالات

7.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

7.0 تمہید

پہلے دن سے جب سے دین اسلام اس سرزمین پر نمودار ہوا، اسی وقت سے اسلامی فکر و عقیدے، قرآن مجید، حدیث اور پیغمبر اسلام ﷺ پر مختلف قسم کے اعتراضات کئے جاتے رہے ہیں، ان اعتراضات والزامات کو خود قرآن نے بھی نقل کیا ہے، دین میں کمی نکالنے کی کوشش کی گئی، قرآن مجید کے اندر کمزوریاں تلاش کی گئیں، پیغمبر اسلام ﷺ کی حیات طیبہ کو داغدار کرنے کی کوشش کی گئی، الزامات

واعتراضات کا یہ تسلسل جاری رہا، یہاں تک کہ عیسائیوں اور یہودیوں میں ایسے مصنفین کی جماعت پیدا ہوئی، جس کا مقصد ہی اسلام کو نیچا دکھانااور اس پر کئے جانے والے اعتراضات کو اجاگر کر کے علمی وفکری اور سیاسی اعتبار اسلام کو کمزور کیا جائے، ابتدائی دور میں انفرادی طور پر عربی سے واقف چند مسیحیوں نے اس کا آغاز کیا، رفتہ رفتہ آگے چل کر یہ ایک علمی وفکری تحریک بن گئی، اسلام اور متعلقات اسلام پر سخت تنقیدیں کی جانے لگیں۔

بہت سے منصف مزاج مستشرقین نے نیک نیتی اور علمی ذوق کے تحت اسلامی علوم کی تصانیف کی خدمت سر انجام دی، دوسرے طبقہ نے غلط فہمی اور ناواقفیت کی بناپر اسلام اور علوم اسلام پر اعتراضات کئے، لیکن ان میں شروع دور سے لیکر آج تک ایک ایسی جماعت بھی رہی جس کا مقصد ہی اسلام پر منصوبہ بند تنقید کرنااور علمی وفکری لحاظ سے اسلام کو پسپا کرنا ہے،اور لوگوں کے دلوں میں اسلام کے تیئں شکوک وشبہات کے کانٹے بونا ہے،اس مقصد کے لئے تحریف، تشکیک اور بالارادہ تضاد بیانی سے کام لیا گیا۔

اسلامی عقائد، قرآن مجید، احادیث، سیرت نبوی، فقہ اسلامی، اور تاریخ وادب ہر موضوع پر ایسی کتابیں تصنیف کی گئیں جن میں تحریف وتلبیس کا سہارا لیکر اسلام کو مطعون کیا گیا، بعض دفعہ کھل کر اور بعض دفعہ انصاف پسندی کے پردہ میں چھپ کر تحریفات انجام دی گئیں، اسلامیات کے طلبہ کے لئے استشراقی لٹریچر سے متعارف ہونااور مستشرقین کی جانب سے کئے جانے والے اعتراضات اور تحریفات سے واقف ہونا بے حد ضروری ہے، جہاں مستشرقین نے انصاف پسندی کے ساتھ علوم اسلامی کی خدمت کی ہے وہاں اس کا اعتراف بھی کیا جائے، لیکن جہاں ان کی تلبیس اور مذموم مقاصد واضح ہو جائیں،اور ان کی غلطیاں آشکار ہو جائیں وہاں کی نشاندہی کرنااور اس کی کمزوریوں کو نمایاں کرناانصاف اور علمی دیانت داری کا تقاضہ ہے۔

7.1 مقاصد

اس اکائی کے مطالعہ کا مقصد مستشرقین کی علمی خدمات کا تنقیدی جائزہ لینا ہے،اور ان کی تحریفات اور غلطیوں کی نشاندہی کرنا ہے، اسی طرح ان تحریفات کے اسباب ونتائج سے بھی بحث کرنا ہے،اس اکائی کے مطالعہ کے بعد طلبہ استشراقی لٹریچر میں پائی جانے والی ان غلطیوں اور کمزور پہلوؤں سے آگاہ ہو سکیں گے،اور عمومی طور پر ان کے مطالعہ میں وسعت پیدا ہو گی اور ان کے اندر تنقیدی مزاج پیدا ہو سکے گا۔

7.2 استشراقی تحریفات اور اغلاط

یہ ایک علمی حقیقت ہے کہ جب کوئی مصنف یا محقق اپنی تحقیقات میں علمی منہج اختیار کرتا ہے تو اس سے اصولی طور پر یکساں اور متوازن نتائج بر آمد ہوتے ہیں،اور جب منہج درست نہ ہو یا مقاصد تعمیری کے بجائے تخریبی اور منفی ہوں تو مطالعہ وتحقیق میں شدید اختلاف وتعارض اور تضاد پیدا ہو جاتا ہے،اس اعتبار سے اگر ہم اسلام کے بارے میں مستشرقین کی تحریروں کا جائزہ لیں تو ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ اگر واقعی ان کی تحقیقات علمی اور معروضی اصول ونہج پر ہوتیں اور ان کے مقاصد مثبت ہوتے تو ان کی تحریروں میں ایسے بڑے تضادات اور

تعارض نہ ہوتے، جبکہ عام طور پر مستشرقین کی تحریروں میں بعض جگہ سخت قسم کی غلطیاں اور تحریفات پائی جاتی ہیں، یہاں تک کہ بسااوقات ایک ہی مستشرق کی تحقیقات آپس میں متضاد اور متعارض ہوتی ہیں، ایک جگہ وہ ایک چیز کو بڑی محنت سے دلائل کی روشنی میں ثابت کرتے ہیں اور دوسرے مقام پر اسی کی تردید کرتے نظر آتے ہیں، ان کے منہج کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ وہ حقائق اور دلائل کی روشنی میں رائے قائم نہیں کرتے بلکہ اکثر اوقات اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے حوالہ سے ایک رائے اور مقدمہ قائم کرتے ہیں اور پھر اس کے لئے دلائل تلاش کرتے ہیں، ان کی رائے کے مطابق کوئی کمزور سے کمزور حوالہ بھی مل جائے تو اس کو لے لیتے ہیں اور اس کے خلاف مضبوط دلیلوں کو بھی چھوڑ دیتے ہیں، مثال کے طور پر ایک جگہ وہ رسول اللہ ﷺ کی امیت یعنی ناخواندہ ہونا ثابت کرتے ہیں اور کبھی اس کی نفی و تردید کر دیتے ہیں، کبھی قرآن مجید کو وحی الٰہی ثابت کرتے ہیں اور اس ناحیہ سے اس پر الزامات لگاتے ہیں اور پھر دوسری جگہ خود ہی اس کے خلاف دلائل جمع کر دیتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ قرآن رسول اللہ ﷺ کے ذہن و دماغ کی پیداوار ہے۔

عجمی مسلمانوں کو عربوں کے مقابلے میں مختلف گوشوں سے ''رعیہ'' میں شمار کیا جاتا ہے، جس کا معنی عربی لغت میں ''بکری کے ریوڑ'' ہے، اس کے مزید اور دوسرے معانی بھی آتے ہیں، لیکن مستشرق بروکلمان صرف اسی معنی کو لیکر یہ اعتراض کرتا ہے کہ عرب مسلمانوں کو عجمی مسلمانوں سے افضل سمجھا جاتا تھا، رعیہ کے لفظ سے اس نے استنباط کیا ہے کہ عرب، عجمی مسلمانوں کو ریوڑ کی حیثیت دیتے ہیں، حالانکہ یہ لفظ احادیث میں متعدد مواقع پر عام معنی میں عرب و عجم سب کے لیے استعمال ہوا ہے، حضور ﷺ نے فرمایا:

ألا كلكم راع وكلكم مسؤول عن رعيته.

تم میں سے ہر شخص محافظ ہے اور اس سے اس کی ذمہ داری کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

مستشرق نے ''راع'' کا معنی صرف ''ریوڑ'' ہی بیان کیا ہے، حالانکہ اگر لغت کا سہارا لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ''راع'' کا معنی ''ذمہ دار'' اور ''پرسان حال'' بھی ہوتے ہیں، کلام عرب میں ''الراعی'' کا لفظ ''رئیس القوم'' کے لیے بھی مستعمل رہا ہے۔

پادری ہاوا ''الفرائد الدریہ'' میں ''ع ن و'' مادہ کے تحت العوان (اسیر عورتیں) کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

.Muslim Woman, Captive Woman

حالانکہ ''عوان'' کا لفظ عام ہے یعنی اسیر عورتیں ان کا تعلق خواہ کسی مذہب سے ہو، لیکن اس نے غلط فہمی پیدا کرنے کے لیے اس نے اس کا معنی ''مسلمان عورتیں'' کر دیا۔

اسی پادری نے ''اهل الصفه'' کا معنی ''Houseless People, Vagrant'' کیا ہے یعنی بے گھر اور آوارہ لوگ، جبکہ اهل الصفہ تو وہ حضرات تھے جو گھر بار چھوڑ کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر رہ کر علم دین حاصل کیا کرتے تھے۔

یہ تحریفات کے چند نمونے ہیں، مختلف موضوعات پر ان کی تحریفات اور غلطیوں کے نمونے آگے تفصیل سے بیان کئے جائیں گے۔

7.3 قرآن، حدیث اور فقہ میں تحریفات

جارج سیل نے انگریزی زبان میں سب سے پہلی بار قرآن کا ترجمہ 1734ء میں کیا، اپنے ترجمہ کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ اس سے قبل جو لاطینی زبان میں ترجمے تھے، ان میں اصل سے انحراف تھا، ببلی انڈر نے جو 1543ء میں لاطینی زبان میں ترجمہ کیا، اس کو ترجمہ ہی نہیں کہا جاسکتا ہے، کیوں کہ اس میں اتنی کثیر غلطیاں ہیں اور اتنی جسارت سے کام لیا گیا ہے اور اتنی چیزوں کا اضافہ کر دیا گیا ہے یا تبدیلی کی گئی ہے کہ اس کو اصل سے کوئی مطابقت یا مماثلت نہیں ہے، Andrew du Ryer نے فرنچ زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا تھا، جارج سیل کا اس سے متعلق کہنا ہے کہ وہ کسی بھی طرح ترجمہ کہلانے کے لائق نہیں، کیوں کہ اس کے ہر صفحہ پر بے شمار غلطیاں ہیں، جا بجا تحریف یا اضافے ہیں اور آیتوں کو مسخ کیا گیا ہے، جو ناقابل معافی ہے، اسی فرنچ ترجمہ کو الگزنڈر روس نے انگریزی میں منتقل کیا، جس کے متعلق جارج سیل کی رائے ہے کہ وہ عربی زبان مطلق نہیں جانتا تھا اور نہ اس کو فرنچ زبان پر عبور تھا، اس نے اصل مترجم کی غلطیوں میں اپنی طرف سے اضافہ کیا اور بہت ہی مذموم زبان استعمال کر کے ترجمہ کو مضحکہ خیز بنا دیا۔

قرآنیات کے موضوع پر جن مستشرقین نے تصنیفات کی ہیں ان میں نولدکے (Noldeke)، بلاشیر (Blachere)، جیفری (Jeffry)، ولیم کلیر ٹزڈال (William Clair Tisdal) اور رچرڈ بیل (Richard Bell) کے نام کافی مشہور ہیں، ان میں سے ہر ایک نے قرآنیات کے موضوع پر کئی کئی کتابیں لکھیں ہیں، استشراقی لٹریچر میں ان کی کتابوں کو کافی اہمیت حاصل ہے، ان تصنیفات میں جو غلطیاں اور تحریفات ہیں ان کی نشاندہی کرنا اور ان کی کمزوریوں سے واقف ہونا بے حد ضروری ہے ، فلوگل ایک مشہور مستشرق ہے جس نے قرآن مجید کا انڈکس تیار کیا ہے، قرآن مجید کا ترجمہ بھی کیا ہے، 1842ء میں قرآن مجید کی ایک لغت چھاپی، اس لغت میں اس نے 39، الفاظ کے مادے غلط لکھے اور ان مادوں کی بنیاد پر ان الفاظ کے معانی ہی بدل ڈالے، ان میں سے چند مثالیں درج ذیل ہیں:

- اثرن: اس کا مادہ ''اثر'' قرار دیا حالانکہ اس کا مادہ ''ث ور'' ہے۔
- مخاض: اس کا مادہ ''خ وض'' قرار دیا حالانکہ صحیح مادہ ''م خ ض'' ہے۔
- استبقوا: اس کا مادہ ''ب ق ی'' قرار دیا حالانکہ صحیح مادہ ''س ب ق'' ہے۔
- وقرن: کا مادہ ''ق ر ن'' قرار دیا حالانکہ صحیح مادہ ''وق ر'' ہے۔
- مقیلا: کا مادہ ''ق و ل'' قرار دیا حالانکہ صحیح مادہ ''ق ی ل'' ہے۔

ان مقامات پر مستشرق کی مذکورہ بالا قسم کی انتالیس تحریفات اور غلطیوں کی نشاندہی کی گئی ہے، قرآن مجید کے 39، الفاظ کے مادے غلط طور پر بیان کرنا اس کی عربی سے ناواقفیت کی واضح مثال ہے، اور عربی میں مادوں کے بدلنے سے گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

اس کے علاوہ مستشرقین کی ایسی تحریفات و اغلاط کی نشاندہی کی جاسکتی ہے جن سے قرآن کے معانی پر گہرا اثر پڑتا ہے یا پھر کسی مقام پر قرآن ک فصاحت و بلاغت اور اس کے معجزانہ اسلوب پر زد پڑتی ہے، مستشرقین بعض جگہوں پر قرآن مجید کے الفاظ دوسرے الفاظ سے بدل

دیتے ہیں، جو لوگ قرآن کے حافظ یا ماہر نہیں ہوتے وہ سمجھ ہی نہیں سکتے کہ یہاں تحریف ہوئی بھی ہے یا نہیں، اس کی ایک مثال سورۃ الاعراف کی آیت نمبر 40 میں "اقرب الموارد" کے مؤلف سعید الخوری کی تحریف ہے:

سورۃ الاعراف میں ہے:

"وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ" اس آیت میں مستشرق نے "یلج" کی جگہ "یدخل" اپنی طرف سے داخل کر دیا ہے۔

بادی النظر میں یہ تبدیلی شاید زیادہ بڑی نظر نہ آئے، لیکن ایک تو اس سے قرآن کے لفظ میں تبدیلی واقع ہوئی جو کسی بھی طرح روا نہیں، دوسرے یہ کہ "یلج" کے لفظ میں یہ معنٰی تھا "تنگ جگہ میں داخل ہونا"، جبکہ "یدخل" میں کوئی معنوی خصوصیت نہیں پائی جاتی۔

مستشرقین نے تاریخی اور علمی لحاظ سے بے بنیاد مفروضے قائم کئے، مثلاً ان کا یہ دعویٰ کہ حروف مقطعات کے سلسلہ میں نبی کریمؐ یہودیوں سے متاثر ہوئے اور یہ الزام کہ قرآن آپ ﷺ ہی کی تصنیف کردہ کتاب ہے، جرمن مستشرق "نولدکے" اپنی کتاب "تاریخ قرآن" میں حروف مقطعات کو قرآن مجید کا جزء تسلیم نہیں کرتا، اس کا دعوی ہے کہ مصحف عثمانی کی ترتیب سے پہلے مسلمانوں کے پاس قرآن کے جو نسخے موجود تھے ان میں یہ حروف علامتوں کے طور پر درج تھے، مثال کے طور پر حضرت مغیرہؓ کے نسخہ کے لئے "م"، حضرت ابوہریرہؓ کے نسخہ کے لئے "ھ" اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے نسخہ کے لئے "ص" علامتوں کے طور پر لکھے ہوئے تھے، اسی طرح حضرت عثمانؓ کے نسخہ کے لئے "ن" کی علامت تھی، دوسرے لفظوں میں نولدکے کے نزدیک یہ حروف دراصل مختلف نسخوں کی ملکیت کی طرف اشارہ کرتے تھے، جو غلطی سے مصحف عثمانی کی بعض سورتوں میں باقی رہ گئے اور زمانہ کے ساتھ وہ قرآن کا حصہ بن گئے، قرآن کے سلسلہ میں یہ کتنی صریح تحریف اور غلطی ہے، نولدکے کو اگرچہ بعد میں اپنی اس غلطی کا احساس ہو گیا تھا، مگر دوسرے مستشرقین اس کی اس غلطی کو اپنی تحریروں میں برابر نقل کرتے رہے۔

مدینہ میں چونکہ تحریر و کتابت کے وسائل پر یہودی قابض تھے اور ان سے مسلمانوں کی کشمکش جاری تھی، بلاشیر اس سے یہ نتیجہ نکال لیتا ہے کہ دور نبوت میں پورے قرآن مجید کی کتابت نہیں ہو سکی تھی اور حافظہ کی مدد سے بھی قرآن کا تحفظ نہیں کیا جا سکا تھا، اس لئے یہ ممکن ہے کہ متن قرآن کے ساتھ وہ لوگ اپنی طرف سے کچھ اضافہ بھی کر دیتے ہوں، اور جن کو بعد میں قرآن کا حصہ مان لیا گیا ہو، بلاشیر نے ان تمام دعوؤں کے لیے جو دلیلیں پیش کی ہیں ان کی حیثیت فرضی تخیلات اور تحریفات سے زیادہ کچھ نہیں ہے، یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خلفاء راشدین، حضرت ابی بن کعب، زید بن ثابت اور معاویہ رضی اللہ عنہم جیسے نمایاں ترین صحابہ سے کتابت وحی کا کام لیا، آپؐ کی وفات سے پہلے ہی چمڑے کی کھالوں اور کھجور کی ٹہنیوں پر پورے قرآن کو قید تحریر میں لایا جا چکا تھا، اس دور میں قرآن کو ضبط تحریر میں لانے کی تفصیلات بخاری، ابوداؤد اور دوسرے ائمہ حدیث نے بیان کی ہیں، مگر ایک بلاشیر ہے جو اس طرح کی صحیح روایتوں اور تاریخی شواہد کو بالائے طاق رکھ کر اپنی طرف سے خیال آرائیاں کر رہا ہے۔

قرآن کے بعد مستشرقین نے دین اسلام کے مصادر میں سے سب سے زیادہ حدیث نبوی کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا ہے، قرآن کے بعد دین و شریعت اور قانون اسلامی کا دار و مدار حدیث ہی پر ہے، چنانچہ مستشرقین نے کوشش کی کہ حدیث کے سارے ذخیرہ کو ہی مشکوک بنادیا جائے تاکہ سارا دین مشکوک ہو جائے، حدیث کے بارے میں عام طور پر مستشرقین کا دعوی ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں اس کا کوئی وجود نہیں تھا، بعد کے زمانوں میں مختلف ضروریات کے تحت مسلمانوں میں مروج باتوں اور روایات کو احادیث و سننِ رسول ﷺ کے عنوان سے مرتب و مدون کر لیا گیا، اور دعویٰ کیا گیا کہ یہ محمد ﷺ سے مروی و منقول ہیں، گولڈ زیہر (Ignac Goldziher) نے لکھا ہے کہ حدیث اسلام کے ابتدائی دور کی دستاویز نہیں، بلکہ مسلم سوسائیٹی کے ارتقا کے پختہ تر مراحل کے رجحانات کا عکس ہے۔

گولڈ زیہر کے مطابق اکثر و بیشتر احادیث فرضی اور جعلی ہیں، اموی حکمران اور علمائے صالحین اپنے اپنے مقاصد کے لیے احادیث وضع کر لیا کرتے تھے، علماء نے فسق وارتداد کے مقابلے کی غرض سے حکمرانوں کے کہنے پر بھی احادیث وضع کیں، مثلاً امام زہری نے خلیفہ عبدالملک کے لیے بخاری کی وہ روایت وضع کی جس میں آپ ﷺ کی جانب یہ بیان منسوب ہے کہ سفر کا قصد صرف تین مساجد کے لیے کیا جائے: مسجدِ حرام، میری مسجد اور مسجد اقصیٰ۔ بعض اوقات راویاں حدیث اپنی ذاتی اغراض کے لیے بھی احادیث وضع کر لیا کرتے تھے، گولڈ زیہر کے بعد حدیث پر استشراقی افکار اکثر و بیشتر اسی کے افکار کی صدائے بازگشت ہے، اے گیوم (Alfred Guillaume) کا کہنا ہے کہ حدیث کا اکثر ذخیرہ محمد ﷺ کے اڑھائی سو سال بعد کی پیداوار ہے، حدیث سازی میں اموی حکمرانوں کا کردار واضح ہے۔

حدیث پر تنقید کے حوالہ سے جوزف شاخت (Joseph Franz Schacht) کا نام کافی مشہور ہے، اس نے فقہی و قانونی امور سے متعلق احادیث پر بحث کر کے تحقیق پیش کی کہ ان میں سے کوئی ایک روایت بھی مشکل ہی سے ثقہ تسلیم کی جاسکتی ہے، یہ روایات فی الواقع بعد کے ادوار کے قانونی و فقہی نظریات کا فرضی اظہار ہیں، جیفری کے مطابق احادیث حضور ﷺ کے زمانے کے بعد ان مذہبی و معاشرتی مسائل کے حل کے لئے وجود میں آئیں، جن سے متعلق قرآن میں کوئی رہنمائی نہ ملی، ول ڈیوراں کے خیال میں آں جناب ﷺ کے معجزات سے متعلق احادیث جعلی و فرضی ہیں، شاخت دروغ بیانی سے بھی کام لیتا ہے، احادیث گھڑ کر رسولؐ کی طرف منسوب کر دینا اگر اتنا آسان ہوتا جتنا کہ شاخت سمجھ رہا ہے تو خلق قرآن کے مسئلہ میں عباسی خلفاء کو امام احمد بن حنبل اور دوسرے علماء کے ساتھ بدترین سختی کا معاملہ کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی، جب کہ علماء، قضاۃ، متکلمین اور معتزلہ کی ایک زبردست تعداد موجود تھی؟ یہ الگ ایک بھی ایسی حدیث پیش نہیں کر سکے جس سے خلق قرآن کے مسئلہ میں عباسی خلفاء کی تائید ہو سکے، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وضع حدیث کا مسئلہ اتنا آسان نہیں ہے۔ شاخت کا دعوی ہے کہ ابتدائی دور میں اسلام میں حدیث کو حجت تسلیم نہیں کیا جاتا تھا، حدیث کی حجیت کا قاعدہ امام شافعی نے ایجاد کیا، اسی طرح مستشرقین نے متواتر احادیث کو موضوع قرار دے دیا ہے۔

نابیہ ایبٹ (Nabia Abbott) ایک امریکن خاتون مستشرق ہیں جو یونیورسٹی آف شکاگو میں مشرقی علوم کی پہلی پروفیسر تھیں، انہوں نے گولڈ زیہر اور شاخت کے اس نقطۂ نظر پر تنقید کی ہے کہ احادیث کے ایک بڑے ذخیرہ کی اسناد نظریہ ضرورت کے تحت وضع کی گئی ہیں، ایبٹ کا کہنا ہے کہ میں نے احادیث کے جن مخطوطات پر ریسرچ کی ہے، اس کے مطابق احادیث زبانی اور تحریری دونوں صورتوں

میں پیغمبر اسلام ﷺ کے زمانے سے نسل در نسل نقل ہوتی چلی آئی ہیں، لہذا ان کے بارے میں یہ دعوی کرنا کہ یہ دوسری یا تیسری صدی ہجری میں وضع کی گئیں غلط ہے اور سنت نبوی پر الزام اور ایک تحریف ہے، ایبٹ نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ یہ غلط فہمی احادیث کی اسناد کے میکانزم کو نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے، ایبٹ کے بقول احادیث کے متون (Texts) تو پیغمبر اسلام ﷺ کے زمانے سے نسل در نسل چلے آرہے تھے لیکن بعد کے زمانوں میں ان متون کو نقل کرنے والوں کی تعداد بڑھ جانے کی وجہ سے مختلف طبقات میں اسناد (Chains of Transmitters) کی کثرت ہوگئی۔

روایات کے نقل کرنے میں متون کی اتنی کثرت نہیں ہے جتنی کہ اسناد کی ہے، محدثین کے نزدیک ایک ہی متن جب دس اسناد سے منقول ہو تو وہ اسے دس احادیث شمار کرتے ہیں، مثلاً صحیح بخاری کی روایات کی تعداد 7275 ہے، امام بخاریؒ سے منقول ہے کہ انہوں نے چھ لاکھ احادیث میں سے "صحیح بخاری" کی حدیثوں کا انتخاب کیا ہے، مستشرقین مثلاً ڈنکن مکڈونلڈ وغیرہ نے اسی بات کو طعن بنالیا کہ امام بخاریؒ کو چھ لاکھ میں سے ساڑھے سات ہزار احادیث احادیث ہی صحیح مل سکیں، لہذا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ احادیث لاکھوں کی تعداد میں گھڑی گئی تھیں، جبکہ صحیح بات یہ ہے کہ لاکھوں روایات لاکھوں متون نہیں تھے بلکہ لاکھوں اسناد تھیں جو ہزاروں متون کو نقل کررہی تھیں جیسا کہ علامہ ابن جوزیؒ وغیرہ نے وضاحت کی ہے۔

ہمام بن منبہ جو حضرت ابوہریرہ کے شاگرد ہیں، ان کا جمع کردہ حدیثوں کا مجموعہ 'صحیفہ ہمام ابن منبہ' کے نام سے جانا جاتا ہے، جس کا اصل نام الصحیفۃ الصحیحہ ہے، انہوں نے یہ صحیفہ لکھ کر اپنے استاد حضرت ابوہریرہ (وفات: 58ھ) کے سامنے پیش کرکے اس کی تصحیح و تصویب کرائی تھی، اس مجموعہ میں 138 حدیثیں ہیں، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ صحیفہ سن 58 ہجری سے بہر حال پہلے ہی ضبط تحریر میں لایا گیا تھا، اس کا ایک قلمی نسخہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے سن 1933ء میں برلن کی کسی لائبریری سے ڈھونڈ نکالا اور دوسرا مخطوطہ دمشق کی کسی لائبریری سے، پھر ان دونوں نسخوں کا تقابل کرکے 1955ء میں حیدر آباد دکن سے شائع کیا، یہ صحیفہ پورے کا پورا مسند احمد بن حنبل میں مندرج ہے، اور بعینہٖ اسی طرح درج ہے جس طرح قلمی نسخوں میں ہے سوائے چند لفظی اختلافات کے، جن کا ذکر ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے کر دیا ہے، لیکن جہاں تک زبانی روایات کی وجہ سے معنوی تحریف کے امکان کا تعلق ہے، اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اس کی اکثر روایات صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں بھی ملتی ہیں، الفاظ ملتے جلتے ہیں کوئی نمایاں فرق نہیں، اس سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہوتی ہے کہ احادیث حضور اکرم ﷺ کے دور سے ہی محفوظ کی جاتی رہیں تھیں، پہلے اعتماد زیادہ حافظہ پر تھا، لیکن کتابت کا ثبوت بھی ملتا ہے، بعد میں چل کر کتابت اور جمع کرنے کا رجحان عام ہوگیا۔

فقہ اسلامی اور قانون شریعت مستشرقین کے مطالعہ کا خاص محور رہے ہیں، چونکہ فقہ اسلامی انسان کی عملی زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے، اور ایک طرح سے گویا فقہ اسلامی قرآن وسنت کے عملی و قانونی تشریح اور انسانی زندگی پر اس کی پریکٹیکل تطبیق ہے، جس طرح مغربی قانون کا مأخذ رومن لا (Roman Law) ہے، اسی طرح فقہ اسلامی کا مصدر و مأخذ قرآن وسنت ہے، چنانچہ مستشرقین کی ایک جماعت نے اسلامی قانون اور فقہ اسلامی کو خاص طور پر اپنی تحقیقات کا موضوع بنایا ہے تاکہ اس کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرکے اس

کی اہمیت کو کم کیا جا سکے، بعض مستشرقین کا دعوی ہے کہ فقہ اسلامی بھی 'رومی قانون' سے ہی ماخوذ ہے، اس موضوع پر لکھنے والے مستشرقین میں سب سے اہم چند نام یہ ہیں: ڈنکن بلیک میکڈونلڈ(Duncan Black Macdonald)، نویل جے کولسن(Noel J. Coulson)، گاف ہیف بیگش ٹراسا(Gotthelf Bergstrasser)، جوزف شاخت(Joseph Franz Schacht) اور نور من کولڈر(Norman Clader)۔

فقہ اسلامی کو مستشرقین غیر عقلی، قدیم عربی روایات پر مبنی اور جادوئی وافسانوی قرار دیتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ اسلامی قانون کی تجویز کردہ سزائیں نہایت سخت اور ناقابل عمل ہیں، یہی وجہ ہے کہ خود فقہائے اسلام مختلف حیلوں سے ان کے اطلاق و نفاذ کو محدود و ناممکن بنانے کی کوشش کرتے نظر آتے ہیں، جوزف شاخت کو اہل مغرب میں فقہ اسلامی یا قانون اسلامی کا ماہر ترین اسکالر سمجھا جاتا ہے، فقہ اسلامی پر اس کی کتاب "Origins of Muhammadan Jurisprudence" آج بھی مغرب میں اپنے موضوع پر ایک مصدر سمجھی جاتی ہے، یہ کتاب پہلی مرتبہ 1950ء میں شائع ہوئی، اس کے علاوہ اس موضوع پر اس کی ایک اور کتاب " An Introduction to Islamic Law" بھی ہے جو 1964ء میں شائع ہوئی ہے، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں اس کے کئی مضامین شامل ہیں، معروف اسلامی اسکالر محمد مصطفی الاعظمی نے اپنی کتاب "On Schacht's origins of Muhammadan jurisprudence" میں اس کے نظریات کا علمی محاکمہ کیا ہے۔

شاخت کے نقطۂ نظر کا خلاصہ یہ ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کا نہ تو کوئی نیا قانونی نظام وضع کرنے کا پروگرام تھا، نہ ہی دین اسلام میں محمد ﷺ کے پاس کوئی قانونی حیثیت تھی اور نہ وہ منبع قدرت(Source of authority) تھے۔ اس کا کہنا یہ بھی فقہی مذاہب کی بنیاد دوسری صدی کے اوائل میں مسلم معاشرے میں سنت کے نام سے ہونے والے اعمال وافعال پر رکھی گئی، جبکہ ان اعمال وافعال کا کسی بھی قسم کا تعلق پیغمبر اسلام ﷺ کے اقوال وافعال سے نہیں تھا، اس کا یہ بھی دعوی ہے کہ کوئی ایک بھی قانونی یا فقہی حدیث ایسی نہیں ہے جو پیغمبر اسلام ﷺ سے مروی ہو بلکہ یہ مسلمان علماء کا کارنامہ ہے کہ انہوں نے ہزاروں قانونی اور فقہی احادیث پر مشتمل ذخیرہ وضع کر کے ایک عظیم اسلامی قانون کی بنیاد رکھی۔

جہاں تک شاخت کا یہ زعم ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کو دین اسلام میں کوئی قانونی حیثیت حاصل نہیں ہے یا ان کا مقصود امت مسلمہ کو کوئی قانونی نظام دینا نہیں ہے تو یہ قطعاً غلط مفروضہ ہے، قرآن کی صریح آیتیں اس دعوی کی تردید کے لئے کافی ہیں، ارشاد باری ہے:

" وَيُحِلُّ لَهُمُ ٱلطَّيِّبَٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيۡهِمُ ٱلۡخَبَٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنۡهُمۡ إِصۡرَهُمۡ وَٱلۡأَغۡلَٰلَ ٱلَّتِي كَانَتۡ عَلَيۡهِمۡ "(سورۂ اعراف: 157)

اس آیت میں تحلیل وتحریم کی نسبت اللہ کے رسول ﷺ کی طرف کی گئی ہے، گویا کہ جسے اللہ کے رسول ﷺ نے حلال قرار دیا، قرآن نے اسے حلال کہا ہے اور جسے اللہ کے رسول ﷺ نے حرام قرار دیا ہے، قرآن نے اسے حرام کہا ہے، سورۂ نحل کی آیت 44 میں

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

"اور ہم نے آپ کی طرف قرآن مجید کو نازل کیا تا کہ آپ لوگوں کے لئے وہ چیز کھول کھول کر بیان کریں جو ان کی طرف نازل کی گئی ہے۔"

اس آیت میں اللہ کے رسول ﷺ کی یہ ذمہ داری بیان کی گئی ہے کہ آپ اللہ کی کتاب کی تبیین کریں اور قرآن کی اصطلاح میں تبیین کے معنی اصل متن میں تشریح (Interpretation) اور اس پر اضافہ (Addition) بھی ہے، اور اسے ہی قانون سازی (Legislation) کہتے ہیں، اس موضوع پر قرآن میں متعدد آیتیں ہیں جن سے دین میں حضور اکرم ﷺ کی قانون و آئینی حیثیت ثابت ہوتی ہے، (ملاحظہ ہو: سورۂ نساء، آیت نمبر: 59 اور: 65)، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ کی دین اسلام میں اس قدر واضح آئینی اور قانونی حیثیت کے انکار کو ایک متعصبانہ رویہ تو قرار دیا جا سکتا ہے لیکن کوئی علمی سوچ نہیں۔

اسی طرح شاخت اپنی تحقیق میں اس اہم نکتے کو جانتے بوجھتے نظر انداز کر رہا ہے کہ احادیث کے علاوہ قرآن مجید میں بھی تو ہر شعبۂ زندگی کے بارے میں کچھ نہ کچھ قوانین بیان ہوئے ہیں، اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ فقہی احادیث کا ذخیرہ علماء نے وضع کیا ہے تو قرآن مجید میں اسلامی قانون سے متعلق جو ہدایات موجود ہیں، ان کا واضع کون ہے؟ کیا ان آیات کو بھی مسلمان فقہاء نے گھڑ لیا تھا، اس نے اپنے اس نکتہ کو ثابت کرنے کے لئے انتہائی غلط بیانی اور تحریف سے کام لیا ہے اور یہاں تک کہہ دیا کہ اسلام کی پہلی صدی میں اسلامی قانون نام کی کوئی چیز سرے سے موجود ہی نہیں تھی، حتی کہ اس نے یہ بھی لکھ ڈالا کہ خلفائے راشدین کے دور میں کوئی قاضی موجود نہیں تھا، یہ بات تاریخی اعتبار سے کس قدر غلط اور جھوٹ ہے۔!

نویل جے کولسن (Noel J. Coulson) کا شمار استشراق کے میدان میں ان قلیل افراد میں ہوتا ہے جنھوں نے فقہ اسلامی پر کام کیا ہے، لندن یونیورسٹی میں وہ مشرقی قوانین کا پرفیسر تھا، اس نے مندرجہ ذیل کتابیں لکھی ہیں:

(1) A History of Islamic Law (1964)

(2) Conflicts and Tensions in Islamic Jurisprudence (1969)

(3) Succession in the Muslim Family (1971)

اس کے علاوہ بہت سے برطانوی امریکی پرچوں میں کولسن کے متعدد مقالات اور تحقیقی مضامین شائع ہوئے ہیں۔

کولسن کی کتابیں اور مقالات خالص قانونی تقابلی مطالعہ کے رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں، اس کی تحقیقات میں سیاسی مقاصد نظر نہیں آتے جو دوسرے مستشرقین کے یہاں ملتے ہیں، اس کی تحریروں میں مذہبی تعصب اور اسلام دشمنی بھی نہیں ملتی، فقہ اسلامی کے مطالعہ میں پروفیسر کولسن کا طریقہ کار اس نظریہ پر مبنی ہے کہ ایک قانونی نظام کی حیثیت سے فقہ اپنی تنفیذی طاقت اس بات سے حاصل کرتی ہے کہ وہ ارادۂ خداوندی کی تعبیر ہے، بعض مستشرقین جیسا کہ فقہ اسلامی کا مطالعہ رومن لا سے متاثر ہونے کے تناظر میں کرتے ہیں لیکن پروفیسر کولسن کا نقطۂ نظر اس سے بالکل مختلف ہے، کولسن نے اسلامی قانون کا مطالعہ ایک زندہ قانونی نظام کے طور پر کیا ہے، کولسن ثابت کرتا ہے کہ اسلامی

قانون ان قواعد کا مجموعہ ہے جو اللہ کی طرف سے وحی کردہ ہیں۔

7.4 سیرت، سوانح و تصوف (میں تحریفات)

مطالعہ اسلامیات میں سیرت ایک ایسا موضوع ہے جس پر مستشرقین نے سب سے زیادہ لکھا ہے اور سب سے زیادہ اپنی تحقیقات کا موضوع بنایا ہے، چونکہ پیغمبر اسلام ﷺ کی شخصیت پورے دین اسلام کے لئے، قرآن کی حقانیت اور اسلامی نظام قانون کے لئے ایک سرچشمہ اور سب سے بڑے برہان کی ہے، چنانچہ اگر آپ ؐ کی شخصیت ہی مجروح کر دی جائے تو اسلام سے منسوب ہر چیز شک کے دائرہ میں آجائے گی، سیرت کے موضوع پر مستشرقین نے تعصب و عناد کی انتہا کر ڈالی ہے، حتی کہ انصاف پسند مستشرقین کو خود اس کا اعتراف کر کے ان غیر معقول اور بے بنیاد الزامات کی نفی کرنی پڑی، جسے کوئی بھی صاحب عقل و فہم انسان کسی طور قبول نہیں کر سکتا، مستشرقین نے حضور اکرم ﷺ کے دامن کو داغدار کرنے کے لئے مختلف انداز اختیار کئے، انہوں نے آپ ﷺ کو اپنے ڈراموں، فلموں اور تصویری کہانیوں کے ناپسندیدہ کردار کی شکل میں پیش کیا، کبھی یہ ظاہر کیا کہ آپ ؐ کا جسد انور زمین و آسمان کے درمیان معلق ہے، کبھی آپ کو دشمن مسیح علیہ السلام بنا کر پیش کیا، کبھی آپ ﷺ کو ایک بت کی شکل میں پیش کیا، کبھی کہا کہ محمد (ﷺ) نے ایک کبوتر پال رکھا ہے جو ان کے کانوں پر آکر بیٹھتا ہے تا کہ وہ لوگوں کو یہ تاثر دے سکیں کہ یہ وہ فرشتہ ہے جو وحی لیکر آتا ہے۔

علامہ پیر کرم شاہ ازہری لکھتے ہیں کہ: مستشرقین نے حضور اکرم ﷺ کی سیرت ہر جو اعتراضات کئے ان کی مختلف نوعیتیں ہیں، عربوں کے یہاں خاندانی وجاہت ایک بہت بڑا انسانی کمال شمار ہوتا تھا، مستشرقین حضور ﷺ کی خاندانی وجاہت کو کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جدید مادیت زدہ دور میں دولت کو انسانی عظمت کی کسوٹی سمجھا جاتا ہے ، مستشرقین اس کسوٹی کو حضور ؐ پر لاگو کر کے آپ کا مقام گرانے کی کوشش کرتے ہیں، حضور ﷺ کو دھوکے باز ثابت کرنے کے لیے وہ پورا زور لگاتے ہیں تا کہ یہ ثابت کر سکیں کہ حضور ﷺ نے یہودیت اور عیسائیت سے تعلیمات اخذ کیں، ان کی بنیاد پر ایک دین وضع کیا اور دعوی کیا کہ یہ دین الہامی ہے اور اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے، وہ حضور ﷺ کے اخلاق پر حملہ کرتے ہیں، آپ کو شہوت پرست اور ظالم قرار دیتے ہیں، اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ آپ کسی اصول کے پابند نہیں تھے، بلکہ جب ضرورت پڑتی اصولوں کو توڑ دیتے تھے اور دعوی کرتے تھے کہ انہیں وحی کے ذریعہ اس غلط اصول کو توڑنے کا حکم ملا ہے۔

مستشرقین اپنے دعووں کو ثابت کرنے کے لیے مصدقہ تاریخ کا انکار کرتے ہیں، قرآنی آیات کی من مانی تشریح کرتے ہیں اور اپنے الزامات اور بے بنیاد مفروضوں کو سچ دکھانے کے لئے طرح طرح کے خیالات پیش کرتے ہیں، عیسائی دنیا میں صلیبی جنگوں سے بھی پہلے حضور اکرم ﷺ کو دشمن اعظم (Great Enemy) اور تاریکی کے شہزادے (The Prince of Darkness) کی شکل میں پیش کیا جاتا تھا، اہل مغرب نے آپ ﷺ کو (نعوذ باللہ) ماہوئن (Mahoin)، ماہوئنڈ (Mahoind)، ماہومٹ (Mahomet) وغیرہ ناموں کے ساتھ بہت بہت بڑے بت سے تعبیر کیا اور مسلمانوں کو اس بت کا پرستار قرار دیا۔ اللہ کے رسول ﷺ کی حیات طیبہ کے

بارے میں اس قسم کے متعصب مستشرقین کا رویہ ایسا نامنصفانہ ہے کہ خود دیگر مستشرقین کو بھی اس پر افسوس اور پشیمانی ہے، معروف مستشرق ڈاکٹر کے فلپ ہٹی نے اپنی کتاب "Islam and the West" میں اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے میں قرون وسطیٰ کے مستشرقین کے بے ہودہ الزامات اور بے سروپا کہانیاں نقل کی ہیں۔ تعصب وعناد سے بھری ہوئی اس ذہنیت سے کیسے امید کی جاسکتی تھی کہ حضور اکرم ﷺ کے سلسلہ میں کوئی منصفانہ اور مبنی برحق رائے قائم کرتی۔ پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے میں مغرب کے موقف میں مذہبی تعصب، کبیدگی، نفرت اور غصہ کا رنگ نمایاں ہے، ناواقفیت نے خالص علمی، تاریخی اور معروضیت پسندانہ مطالعہ کی راہیں مسدود کردی ہیں، ارباب کلیسا نے اپنے تمام رجحانات اور مقاصد کے ساتھ علم کے نام پر سب وشتم کا بے پناہ سلسلہ شروع کرر کھا تھا، بعد میں یہی کام ایسے سیکولر افراد نے انجام دیا جن کا کلیسا سے دور کا بھی رشتہ نہ تھا، مگر نفرت اور تعصب کا یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی ازدواجی زندگی اور آپؐ کے تعدد ازدواج کو خاص تنقید کا نشانہ بنایا ہے، اسی طرح جہاد اور آپ کے غزوات کے واقعات کے سہارے آپؐ کو ایک ظالم وجابر اور خوں ریز ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

سیرت کے موضوع پر مستشرقین کی تحریفات کا اگر جائزہ لیا جائے تو چند ایسی غلطیاں نظر آتی ہیں جو دوسری بہت سے غلطیوں کی اصل وجہ ہے:

- شک وشبہ پیدا کرنے میں مبالغہ سے کام لینا، مفروضے قائم کرنا، حقائق کا کیفیاتی انکار اور ضعیف روایتوں پر اعتماد کرنا، ضعیف بلکہ موضوع روایتوں پر اعتماد کرتے ہیں اور اپنے موقف کے خلاف مضبوط دلیلوں کو نظر انداز کردیتے ہیں، در منگھم جو خود بھی مستشرق ہے مستشرقین کی اس عام روش کا عتراف کرتا ہے، وہ لکھتا ہے کہ واقعی یہ بات افسوس ناک ہے کہ میور، نولدکے، اسپرنگر، دوزی، کیتانی، ،مارسین، گریم، گولڈزیہر، گوڈفریں جیسے ماہر مستشرقین نے تنقید میں غلو سے کام لیا ہے، ان کی کتابیں خاص طور پر تخریبی رنگ کی حامل ہیں، جن نتائج تک مستشرقین پہنچے وہ سب سلبی اور ناقص ہیں۔

- بعض مستشرقین قرآن کو مطالعۂ سیرت کے لیے ایک بنیادی مرجع قرار دیتے ہیں، مگر وہ سیرت کے ان تمام واقعات کا انکار کردیتے ہیں جن کا تذکرہ قرآن میں نہیں ملتا۔

- مستشرقین تاریخ کے واقعات کو خود ساختہ سیکولر نقطہ نظر اور معاصر تناظر میں دیکھنا چاہتے ہیں، "اے تین دینے" کے بقول: مستشرقین کے لیے اپنے ماحول، جذبات رجحانات سے کنارہ کش ہونا بے حد مشکل بلکہ ناممکن ہے، اسی وجہ سے نبیؐ اور صحابہؓ کے حالات پر قلم اٹھاتے وقت انھوں نے اس قدر تحریفیں کی ہیں کہ ان کی اصل تصویر نظروں سے اوجھل ہو کر رہ گئی ہے۔

سوانح نویسی میں مستشرقین کے کام دو قسم کے ہیں، ایک ان کا مستقل کام یہ ہے کہ انہوں نے اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھیں یا مجلات ورسائل میں مضامین لکھے، دوسرا کام یہ ہے کہ عربی میں پہلے سے موجود سوانح، طبقات اور تراجم کی کتابوں کو از سر نو تحقیق اور ترتیب وتدوین کے ساتھ شائع کیا، سوانح نویسی میں مستشرقین نے اپنی خاص روش کو اپنایا ہے، تاریخ اسلام کی عظیم شخصیات اور قائدین کی سوانح کو غلط

طریقے پر پیش کرنے کی کوشش کی ہے، اسی طرح صرف ظن و تخمین کی بنیاد پر بے جا الزامات ان سے منسوب کئے ہیں، بعض ایسی مسلم شخصیات یا حکمراں جن میں واقعی کوئی اخلاقی کمزوری پائی جاتی تھی اس کو بنیاد بنا کر اسلام کے نظام اخلاقیات وادب کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔

تصوف مستشرقین کی تحقیقات کا اہم موضوع رہا ہے، تصوف پر مستشرقین کی کم و بیش 30ء سے زائد کتابیں ہیں، اے جے آربرے جن کی اسلام دشمنی مشہور رہی ہے، کیمبرج یونیورسٹی کے پروفیسر تھے، ان کی کتاب مقدمۃ التصوف (1947ء)، اور التصوف (1950ء)، لوئی ماسینیون (L. Massegaon) فرانسیسی مستشرق ہیں، فلسفہ اور علم تصوف ان کا خاص موضوع رہا ہے، جن کی تصنیف الحلاج الصوفی الشہید فی الاسلام ہے، نیکولسن (R. A. Nicholson) کی تصنیف متصوفوا الاسلام ہے، مسیحی افکار اور مادی نظریات کے زیر اثر اکثر مستشرقین نے تصوف کو غیر اسلامی اصول سے ماخوذ مانا ہے، بعض مستشرق تصوف کو ہندو مذہب کے ویدانتا سے ماخوذ بتاتے ہیں، دراصل تصوف کے مطالعہ کے دوران ان مستشرقین نے وحدۃ الوجود کو ہی اصل تصوف سمجھا اور ویدانتا سے ظاہری مشابہت کی وجہ سے ایسی رائے قائم کی، شیخ محی الدین ابن عربی کا نظریہ ''وحدۃ الوجود'' کی تشریح و تفہیم مشہور مستشرق نکلسن (Nicholson) نے اپنی کتاب "Studies In Islamic Mysticism" (Delhi-1876)" (یعنی اسلامی تصوف کا مطالعہ) میں ابن عربی کے فلسفہ میں جو ترمیمات کی ہیں ظاہر ہے کہ اس کا مقصد راہ سلوک کے اس اہم ''ذہنی مرحلے'' پر شیخ محی الدین ابن عربی کے مخصوص مفہوم اور تاثرات کو غلط معنی پہنا کر مسلمانوں کے ذہنوں پر ابن عربی کی غلط شبیہ بٹھانا ہی ہے اور اس طرح تصوف کا ایک منفی تعارف کرانا ہی نکلسن کا مطمح نظر ہے۔ چنانچہ نکلسن اپنی اس کتاب Islamic Mysticism میں تصوف کا تعارف کراتے ہوئے لکھتا ہے:

''صوفی وہ ہے جو اپنی ذات میں فنا ہو جاتا ہے اور خدا میں زندہ رہتا ہے۔ اس معنوں میں فنا ہو جانا دراصل خدا کے ساتھ متحد ہو جانا ہے۔ خلاصہ یہ کہ مسلم صوفیہ کی آخری غایت خدا بن جانا اور الوہیت میں شریک ہو جانا (Deification) ہی ہے''

حالانکہ حقیقی ''اسلامی تصوف'' کا مقصد اسرار و رموز کائنات کی معرفت یا ذات باری تعالیٰ میں ادغام یا وصل ہرگز نہیں ہے اور نہ ہی الوہیت یا صفات الٰہی میں انسان کی شرکت اس کی منتہا و مقصود ہے۔

مستشرقین کی جانب سے تصوف پر کئے جانے والے چند مشہور اعتراضات یہ ہیں: تصوف کی اصل دین اسلام نہیں ہے، تصوف ایک عجمی تصور ہے، تصوف پر مستشرقین کی جانب سے جو یہ اعتراضات کئے گئے اس کے متعدد اسباب رہے ہیں، اور وہ اس طرح ہیں: مستشرقین کی اصل اسلامی مآخذ تک عدم رسائی، یورپی محققین کا ایرانی مآخذ پر انحصار، بعض غلطیاں اس وجہ سے بھی ہوئی کہ انہوں نے کسی ایک لفظ کے معنی کچھ کا کچھ سمجھ لیا اور اسی کی بنیاد پر اپنا موقف اختیار کر لیا جیسے کہ ایران میں صفوی حکومت کو صوفیاء کی حکومت سمجھنا اور پھر تصوف کا صفوی حکومت کے تناظر میں مطالعہ قائم کرنا اور نتائج اخذ کرنا، بعض مستشرقین جیسے گولڈ زیہر وغیرہ کی رائے تھی کہ تصوف بدھ ازم کے اثرات سے پیدا ہوا ہے، پروفیسر نکلسن وغیرہ کی رائے تھی کہ تصوف عیسائیت سے ماخوذ ہے لیکن بعد میں چل کر انھیں اپنی غلطی تسلیم کرنی پڑی اور انہوں نے اپنی اس رائے سے رجوع کر لیا۔

7.5 تاریخ، ادب اور لغت (میں تحریفات)

مستشرقین نے علوم اسلامیہ کی دیگر شاخوں کے ساتھ تاریخ اسلام کو بھی موضوع بحث بنایا ہے اور اس میدان میں بھی ان کی تحقیق کا ایک بڑا حصہ بہتان، جھوٹ اور بے سروپا کہانیوں پر مبنی ہے تاکہ دین اسلام کی اصل تصویر کو مسخ کیا جاسکے۔

فرانسیسی مستشرق پال کیزانوواکا دعوی ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنی وفات سے پہلے کسی کو اس لیے اپنا خلیفہ مقرر نہیں کیا تھا کہ آپ کو یقین تھا کہ آپ کی وفات کے ساتھ ہی قیامت قائم ہو جائے گی اور یہ دنیا ختم ہو جائے گی۔تاریخ اسلام پر بروکلمان کی معروف کتاب "Geschichte der islamischen Völker und Staaten" ہے، جس کا انگریزی ترجمہ "History of the Islamic Peoples" کے نام سے ہوا ہے اور اس کے مترجمین جوائل کارمائیکل اور موشے پرلمان ہیں، بروکلمان کی یہ کتاب اسلام کے خلاف جھوٹ اور بہتان سے بھری پڑی ہے، بیت اللہ کی تاریخ بیان کرتے ہوئے حجر اسود کے بارے میں بروکلمان یہ کہتا ہے کہ یہ اس علاقے کا قدیم ترین بت ہے جس کی عبادت کی جاتی رہی، بروکلمان یہ کہنا چاہتا ہے کہ اسلام میں بھی اس بت کے اس مقام کو برقرار رکھا گیا ہے، یہ بات تاریخ عرب کا ایک ادنی طالب علم بھی جانتا ہے کہ مشرکین نے کبھی بھی حجر اسود کی عبادت نہیں کی جیسا کہ وہ لات، منات، عزی اور ہبل وغیرہ کو پوجتے تھے، حجر اسود ان کے باطل معبودوں میں کبھی بھی نہیں رہا، رہی بات حجر اسود کے بوسہ لینے کی تو یہ ہرگز اس کی پوجا کے مترادف نہیں ہے جیسا کے حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے حجر اسود کا بوسہ لیتے ہوئے یہ الفاظ کہے کہ میں جانتا ہوں تو صرف ایک پتھر ہے، تو نہ کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے نہ نفع، اگر رسول اللہ ﷺ کو میں تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھتا تو میں تجھے بوسہ نہ دیتا۔

بروکلمان کا یہ بھی دعوی ہے کہ عراق کے موالی(Non-Arab Muslims) کو اسلام قبول کرنے کے بعد بھی دوسرے درجہ کا شہری سمجھا جاتا تھا، بروکلمان کا یہ دعوی جھوٹ پر مبنی ہے، تاریخ اسلامی کے سینکڑوں واقعات اس بات پر شاہد ہیں کہ موالی کو عرب مسلمانوں کے برابر حقوق حاصل تھے، قاضی شریحؒ جو کہ حضرت عمرؓ کے زمانے سے عبدالملک بن مروان کے زمانے تک کوفہ کے قاضی رہے، وہ بھی موالی میں سے تھے، عامر شعبیؒ کوفہ میں، حسن بصریؒ بصرہ میں اور عبداللہ بن یزیدؒ مصر کے قاضی تھے اور یہ سب موالی میں سے تھے۔ یزید بن ابی حبیبؒ، عبداللہ بن جعفرؒ اور لیث بن سعدؒ مصر کے بڑے مفتیوں میں سے تھے اور یہ بھی موالی میں سے تھے۔

پروفیسر فلپ خوری ہٹی نے اگرچہ اپنی بعض تحریروں میں اسلام کے حق میں کلمہ خیر بھی کہا ہے لیکن اس نے اپنی کتاب "History of the Arabs" میں کئی ایسے تاریخی واقعات درج کئے ہیں جن کی کوئی اصل نہیں ہے، ہٹی کا کہنا ہے کہ خلیفہ عبدالملک بن مروان نے بیت المقدس میں "قبۃ الصخرہ" اس لئے بنوایا تھا تاکہ مکہ کے حاجیوں کے قافلوں کا رخ بیت اللہ سے ہٹا کر بیت المقدس کی طرف پھیر دے، کیونکہ بیت اللہ پر اس وقت حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا قبضہ تھا۔

مستشرقین نے تاریخ نویسی میں غیر تاریخی یا بے سند کتابوں پر اعتماد کیا، اسی طرح تاریخی واقعات کے لئے ایسے مصادر و مراجع پر بھروسہ کیا جو خود مسلمانوں کے نزدیک قابل اعتماد نہیں ہیں، اسلامی تاریخ کے مثبت اور قابل تعریف پہلوؤں کو بالکل نظر انداز کر کے صرف

کمیوں اور کمزوریوں کو نمایاں کر کے پیش کیا، ایسی غلطیاں جو انسانی سماج کی کمزوری ہوا کرتی ہیں اور تمام قوموں میں مشترکہ طور پر پائی جاتی ہیں ان کو بنیاد بنا کر سخت تنقیدیں کی ہیں، واقعات کی کڑیوں کو جوڑنے کے لئے قیاس اور مفروضے قائم کر کے بے جا الزامات لگائے، مسلم حکومتوں اور ان کے حکمرانوں کی ایسی تصویر کشی کی جس سے قاری کے ذہن میں اس سے تنفر پیدا ہو، اور ان کی عظیم سیاسی، علمی اور فنی خدمات کو یکسر فراموش کر دیا۔ اسلام دشمن قبائل مثلاً بنو نضیر و بنو قریضہ کو مظلوم دکھانے کی کوشش کی گئی اور ان کے خلاف کی جانے والی مسلمانوں کی کاروائی کو ظلم و زیادتی سے تعبیر کیا گیا۔

عربی زبان و ادب کے موضوع پر مستشرقین نے کافی کچھ کام کیا ہے، لیکن عربیت اور اسلام دشمنی کے زیر اثر مارگولیوتھ نے اپنے ایک مقالہ میں بدترین علمی منہج کا مظاہرہ کیا اور عجیب و غریب قسم کے خرافات منسوب کئے، مارگولیوتھ کا یہ مقالہ بعنوان: "The Origins of Arabic Poetry" ہے، عربی مخطوطات کو ایڈٹ کر کے شائع کرنے کے حوالے سے مارگولیوتھ کی خدمات لائق اعتراف ہیں، لیکن اسلام پر اس کے مضامین تعصب، علمی اصول تحقیق سے کی خلاف ورزی، نادانی اور زہر افشانی کا نمونہ ہیں، اس کے مقالہ ''عربی شاعری کی بنیادیں'' میں اس کا تعصب اور اسلام دشمنی بے حد نمایاں ہے، اس مقالہ میں اس نے اگرچہ جاہلی شاعری کو موضوع بنا کر تنقیدیں کی ہیں، مگر بالواسطہ اسلام کو نشانہ بنایا ہے، جاہلی ادب سے متعلق اس نے یہ رائے پیش کی کہ جاہلی ادب کے نام سے شاعری کے ذخیرہ کا جاہلی دور سے کوئی واسطہ نہیں، بلکہ اسلام کی آمد کے بعد مسلمانوں کی جانب سے ایسے اشعار گھڑ کر جاہلی شعراء کی جانب منسوب کر دیا گیا ہے، لہٰذا یہ اسلامی ادب ہے جو جاہلی دور کی زندگی کے مقابلہ میں مسلمانوں کی زندگی اور ان کے افکار و رجحانات کا آئینہ دار ہے۔

پروینولسن نے مارگولیوتھ کی تردید میں ''جاہلی شاعری کی صحت کا مسئلہ'' کے عنوان سے ایک مضمون لکھا ہے، جس میں اس کے بیشتر نظریات کو حماقت آمیز قرار دیا ہے، اسی طرح پروفیسر آر بری نے معلقات سبعہ کے موضوع پر اپنی کتاب میں مارگولیوتھ کے نظریات کا خلاصہ پیش کر کے ان کی تردید کی ہے، مارگولیوتھ نے اپنے مقالہ میں جو مفروضے پیش کئے ہیں ان میں اس نے بعض قرآنی آیتوں کی غلط تشریح کی اور اسی بنیاد پر غلط نتائج اخذ کئے ہیں، قرآن کریم سے جاہلی شعراء کے وجود پر استدلال کرتا ہے، وہ کاہن، مجنون اور شاعر کو ایک ہی درجہ میں رکھتا ہے اور استدلال کے طور پر قرآن کی یہ آیت پیش کرتا ہے:

فَذَكِّرْ فَمَآ أَنتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَلَا مَجْنُونٍ أَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهِۦ رَيْبَ ٱلْمَنُونِ

اس آیت سے مارگولیوتھ نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ شاعر غیب کی باتیں بھی بتا دیتا تھا، ایک جملہ میں چند الفاظ اگر جمع ہو جائیں تو کیا سب کے ایک معنیٰ ہوتے ہیں؟

هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَن تَنَزَّلُ ٱلشَّيَٰطِينُ تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ

مارگولیوتھ کہتا ہے کہ آیت میں ''افاک و اثیم'' سے مراد شعراء ہیں جن پر شیاطین کا نزول ہوتا ہے، حالانکہ یہ بات بالکل خلاف واقعہ ہے۔

اسی طرح مستشرقین نے عربی زبان کی اہمیت کو گھٹانے میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی، عربی قواعد کو یونانی قواعد سے مستعار قرار دیا،اوراس واسطہ سے پورے عربی ادب اور خود قرآن وحدیث کے ذخیرہ کو کمزور اور بے حیثیت ثابت کرنے کی کوشش کی۔

المنجد میں "ط ل ق" کے تحت الطلقاء کا معنی یہ بیان کیا گیا ہے:" الطلقاء الذین ادخلوا فی الاسلام کرھا" یعنی طلقاء وہ لوگ ہیں جنہیں جبرا اسلام میں داخل کیا گیا، حالانکہ یہ لفظ حضور ﷺ نے اس وقت استعمال فرمایا تھاجب فتح مکہ کے موقع پر آپؐ نے اپنے دشمنوں کو معاف فرمادیا تھا،آپؐ نے فرمایا تھا:" اذھبوا انتم الطلقاء" جاؤتم سب آزاد ہو،اس سلسلہ میں بہت سی احادیث کا حوالہ دیا جاسکتا ہے، جن میں یہ لفظ انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے کہ طلقاء آزاد کردہ لوگ ہیں،خود صاحب المنجد لوئیس معلوف نے طلیق کا معنی غیر المقید لکھا ہے جس کی جمع طلقاء ہے۔

7.6 تحریفات کے اسباب، نتائج،اثرات

اسلامی موضوعات پر تحریفات کے محققین نے مختلف اسباب بیان کیے ہیں جن میں عربی زبان سے عدم واقفیت، تعصب،اسلام سے عدم واقفیت، مسلم تہذیب وثقافت سے ناواقفیت وغیرہ شامل ہیں۔آپ ان اسباب کا تفصیلی مطالعہ اگلی اکائی میں کریں گے۔

اسی طرح تحریک استشراق اور مستشرقین کی ریشہ دوانیوں کے عمومی دنیا بالخصوص عالم اسلام اور مسلمانوں پر بہت گہرے اثرات مرتب ہوئے۔جن کو یہاں مختصرا بیان کیا جاتا ہے۔

استشراقی لٹریچر اور بطور خاص ان میں پائی جانے والی تحریفات کے نتیجہ میں علمی فکری دنیا میں اسلام کے خلاف ایک اچھا خاصا مواد تیار ہوگیا، جو معاندین اسلام کا فکری سرمایہ ہے، پوری دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تہذیبی وفکری یلغار میں شدت آگئی، اسلام کے تعلق سے غلط فہمیاں عام ہوگئیں،اور ہر سادہ لوح انسان کے دل میں شکوک وشبہات پیدا ہونے کے امکانات حد سے زیادہ بڑھ گئے۔

یورپ وامریکہ کارخ کرنے والے مسلم طلبہ کے ذہنوں میں اسلام کے تئیں شکوک وشبہات پیدا ہوگئے،اسی طرح وہ مسلم دانشور، مفکرین اور ادباء جو جن کے مطالعہ میں زیادہ تر استشراقی لٹریچر رہا وہ کسی نہ کسی حد تک ان افکار وخیالات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے، بلکہ ان میں سے بعض ان افکار کے ترجمان اور داعی تک بن گئے،اسی طرح وہ خالی الذہن مثقف طبقہ جو اسلام کو سمجھنے کے لئے علماء اسلام کی کتابوں کے بجائے یورپی زبانوں میں لکھی جانے والی استشراقی کتابوں کو پڑھتا ہے وہ اسلام اور قانون اسلامی سے بن ظن وبدگمان ہوجاتا ہے۔

بہ ظاہر طاقت ور علمی اسلوب میں اور ترقی یافتہ زبانوں میں پیش کئے جانے والے یہ تحریفات والزامات پوری دنیا میں عام ہوگئے، بہت سے لوگوں کے خیال میں اسلام کو سمجھنے کا اولین ذریعہ بن گئے،آج دنیا کے جن جن حصوں میں اسلام، پیغمبر اسلام اور قانون اسلامی سے متعلق جو غلط فہمیاں پھیلائی جاتی ہیں ان کا مأخذ ومصدر یہی استشراقی لٹریچر ہے،اور وہی پرانے اعتراضات والزامات آج بھی بار بار مختلف طریقوں سے دہرائے جاتے ہیں،ان میں سے بعض مستشرقین ایسے بھی ہوئے جو عربی زبان وادب کے ماہر تھے،ان کی علمی قابلیت اور زبان دانی سے بھی مشرقی ممالک کے عربی ادباء کی ایک جماعت متاثر ہوئی،اور وہ مسلم حلقوں میں تشکیک کے علمبردار بن گئے۔

7.7 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- مستشرق مصنفین نے علوم اسلامی کے تقریبا ہر گوشہ پر قلم اٹھایا ہے۔
- مستشرقین کی تحریفات کے متعدد اسباب ہیں، مثلا عربی زبان سے ناواقفیت، اسلامی تہذیب وثقافت سے دوری اور اسلام سے تعصب وعناد۔
- مستشرقین نے جو غلطیاں کی ہیں اور اسلام پر الزام لگانے میں جس مبالغہ آمیزی سے کام لیا ہے، اس کا اعتراف کبھی انہوں نے خود اور کبھی دوسرے مستشرقین نے کیا ہے۔
- علوم اسلامی پر مستشرقین کی تصنیفات دو طرح کی ہیں، ایک باضابطہ ان کی تصنیفات، دوسرے پہلے سے عربی میں موجود علماء اسلام کی اہم تصنیفات کی تحقیق اور از سر نو اشاعت۔
- مستشرقین نے جو غلطیاں اور تحریفات کی ہیں کبھی وہ ناواقفیت یا بے شعوری کی وجہ سے ہوئیں، اور بسا اوقات بالارادہ اور بالقصد انجام دی گئیں۔

7.8 نمونہ امتحانی سوالات

7.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. المنجد کے مصنف ہیں؟

(a). جوزف شاخت (b). فلپ کے ہٹی (c). جارج سیل (d). لوئیس معلوف

2. ببلی انڈر نے 1543ء میں قرآن مجید کا کس زبان میں ترجمہ کیا؟

(a). انگریزی (b). فرنچ (c). لاطینی (d). جرمن

3. فلوگل نے 1842ء میں شائع کیا

(a). تفسیر قرآن (b). ترجمہ قرآن (c). قرآن کی ایک کاپی (d). قرآن مجید کی ایک لغت

4. اقرب الموارد کا مصنف ہے

(a). پروفیسر آرنلڈ (b). سعید الخوری (c). پروفیسر نکلسن (d). پروفیسر میک ٹگارٹ

5. اکثر وبیشتر احادیث فرضی اور جعلی ہیں، کس نے کہا؟

(a). جوزف شاخت (b). پروفیسر نکلسن (c). گولڈ زیہر (d). جیفری

6. کس کا خیال ہے کہ آپ ﷺ کے معجزات فرضی ہیں؟

(a).ول ڈیوراں (b).بلاشیر (c).نولدکے (d).فلوگل

7. صحیفہ ہمام بن منبہ کا اصل نام کیا ہے؟

(a).الصحیفۃ الصادقہ (b).الصحیفۃ الثابتہ (c).الصحیفۃ الصحیحہ (d).الصحیفۃ الظاہرہ

8. صحیفہ ہمام بن منبہ کے مخطوطات کا تقابل کرکے کس نے شائع کیا؟

(a).سرسید احمد خاں (b).صباح الدین (c).عبدالرحمان حبنکہ میدانی (d).ڈاکٹر حمید اللہ

9. Origins of Muhammadan Jurisprudence کس کی تصنیف ہے؟

(a).آرنلڈ (b).براؤن (c).نکلسن (d).جوزف شاخت

10. Conflicts and Tensions in Islamic Jurisprudence کس کی تصنیف ہے؟

(a).نویل جے کولسن (b).بلاشیر (c).نولدکے (d).جیفری

7.8.2 مختصر جوابی سوالات

1. قرآن مجید سے متعلق مستشرقین کی تحریفات پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالیں۔
2. مستشرقین کی تحریفات کے اثرات و نتائج کا جائزہ لیجیے۔
3. تصوف پر مستشرقین کے اعتراضات پر اپنا حاصل مطالعہ پیش کریں۔
4. حدیث نبوی پر کئے جانے والے اعتراضات کا جائزہ لیں۔
5. مستشرقین کی تحریفات کے نتائج پر روشنی ڈالیے۔

7.8.3 طویل جوابی سوالات

1. تاریخ اسلام پر مستشرقین کی تحریفات اور غلطیوں پر تفصیل سے روشنی ڈالیں۔
2. فقہ اسلامی پر مستشرقین کے اعتراضات اور تحریفات پر مفصل مضمون قلم بند کریں۔
3. سیرت نبوی پر مستشرقین کی تحریفات کا جائزہ لیں۔

7.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. اسلام اور مستشرقین از سید صباح الدین عبدالرحمن (7-1)، دارالمصنفین، شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ 2003ء
2. علوم اسلامیہ اور مستشرقین از ڈاکٹر محمد ثناءاللہ ندوی، نشریات، لاہور 2009ء
3. اسلام اور مستشرقین از ڈاکٹر حافظ محمد زبیر، مکتبہ رحمۃ للعالمین، لاہور 2014ء

اکائی 8: مستشرقین کی غلط فہمیاں اوران کے اسباب

اکائی کے اجزا:

8.0 تمہید

8.1 مقاصد

8.2 مستشرقین کی غلط فہمیوں کے اسباب

8.3 غلطیوں اور غلط فہمیوں کی مثالیں

8.3.1 عربی زبان سے ناواقفیت کی بناء پر غلطیاں اور غلط فہمیاں

8.3.2 لفظ امی کے معنی و مفہوم میں غلطی

8.3.3 لفظ مسلم کے اشتقاق کے بارے میں من گھڑت تاویل

8.3.4 ضمائر کا غلط مرجع قرار دینے کی وجہ سے الزام

8.4 مذہبی بغض و عناد کی وجہ سے غلطیوں کی مثالیں

8.4.1 اسلام پر گذشتہ مذاہب سے ماخوذ ہونے کاالزام

8.4.2 قرآن مجید کے الفاظ کی بے بنیاد تعبیر و تشریح

8.4.3 بحیرا راہب کے قصہ سے غلط استدلال

8.4.4 ثانوی مصادر سے استفادہ

8.5 اکتسابی نتائج

8.6 نمونہ امتحانی سوالات

8.6.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

8.6.2 مختصر جوابی سوالات

8.6.3 طویل جوابی سوالات

8.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد

8.0 تمہید

گذشتہ اکائیوں میں آپ نے جانا کہ مستشرقین نے قرآن، حدیث، تفسیر اور تصوف جیسے اسلامی موضوعات پر کام کیا، اور اہم خدمات انجام دیں۔ مستشرقین کے پیش کردہ علمی کاموں میں مختلف اسباب سے غلطیاں ہوئی ہیں، یہ غلطیاں کبھی نادانستہ ہوئی ہیں، اور کبھی لگتا ہے کہ جان بوجھ کر انجام دی گئیں ہیں۔ اس کی مختلف وجوہات رہیں کبھی ان کے پیچھے مستشرقین کا مذہبی عناد پوشیدہ تھا، اور کبھی علمی کمزوری، جس کی وجہ سے وہ یا تو دلیل تک نہیں پہونچ سکے، یا دلیل کو جانتے ہوئے اس سے اعراض کیا۔ اس اکائی میں آپ مستشرقین کی اہم غلطیوں اور غلط فہمیوں کے اسباب کا مطالعہ کریں گے، اور ان کی مثالیں معلوم کریں گے۔

8.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد یہ ہے کہ ہم اس بات کا پتہ لگائیں کہ مغرب کے ماہرین مشرقیات کو اسلامیات کے میدان میں کیا غلط فہمیاں ہوئیں، اسلامی علوم کے عربی وغیر عربی مصادر کا مطالعہ کرتے وقت دانستہ یا نادانستہ ان سے کون سی چوک ہوئی۔ اس اکائی میں آپ کو یہ بتانا مقصود ہے کہ مستشرقین کے تیار کردہ لٹریچر میں ان غلطیوں کے درآنے کے اسباب کیا تھے۔ اس اکائی کو پڑھنے کے بعد آپ ان غلطیوں کو اور ان کے اسباب کو جان سکیں گے، اور ان کا تحلیل و تجزیہ بھی کر سکیں گے۔

8.2 مستشرقین کی غلط فہمیوں کے اسباب

ابتدائی دور میں یوروپ میں مسلمانوں کے بارے میں عجیب وغریب توہمات اور خیالات پائے جاتے تھے۔ وہ مسلمانوں کو بت پرست سمجھتے تھے، جو خود اپنے دیوتاؤں کی توہین کے مرتکب ہوتے ہیں۔ ان غلط خیالات اور بدگمانیوں کا سبب یہ تھا کہ اہل یوروپ کو مسلمانوں کے بارے میں جو معلومات حاصل ہوئیں، وہ سنی سنائی باتوں اور مبالغہ آمیز شاعری اور خوف کے ماحول میں بولی گئی داستانوں کے راستہ سے آئی تھیں۔

گیارہویں سے چودہویں صدی عیسوی تک ہونے والی اکثر صلیبی جنگوں میں یورپ کی متحدہ افواج کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑھا، جس کی وجہ سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت میں میں اضافہ ہوا۔ اس دوران جو نثری اور شعری لٹریچر تیار ہوا، اس میں اس نفرت اور انتقام کی متعدد مثالیں پائی جاتی ہیں۔

ایک مصنف گلبرٹ نے اپنی تالیف میں حضرت محمد ﷺ پر ایک باب لکھاہے، جس میں لکھاہے کہ اسکندریہ میں ایک پادری تھا، جو صدر پادری کے انتخاب میں نام ہونے کی وجہ سے مایوس ہو گیا، اور نیا دین ایجاد کیا، تاکہ اس کے ذریعہ عیسائیت میں پھوٹ ڈالے۔ اور چرچ سے

بدلہ لے سکے۔ اسی نے حضرت محمد (ﷺ) کی تربیت کی، اور ان کی شادی ایک مالدار عورت سے کرادی۔ اس طرح محمد نبی بن گئے۔

اس طرح کی خرافات کی بے شمار مثالیں ہمیں اس دور کے لٹریچر میں مل جاتی ہیں، جو خود یہ بتاتی ہیں کہ آں حضور ﷺ کی شبیہ کو مسخ کرنے کی کتنی کوششیں کی گئیں۔

بارہویں صدی عیسوی میں پطرس محترم نے چند عربی کتابوں کے لاطینی زبان میں ترجمے کروائے۔ یہ ترجمے رابرٹ آف کیٹون اور ہرمن آف کارنتھیا نامی مترجمین نے کئے۔ رابرٹ نے قرآن مجید کا ترجمہ بھی کیا۔ پطرس (پیٹر) نے ان پر مقدمے تحریر کئے، اور ان مقدموں میں اسلام کی شبیہ خراب کرنے کی پوری کوشش کی۔ اور نہایت نامناسب زبان استعمال کی۔

سترہویں صدی میں جب یوروپ میں نشاۃ ثانیہ کے نتیجہ میں علم وفن کی طرف توجہ ہوئی، تو اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں عربی کتابوں کا ترجمہ شروع ہوا۔ اور وقت کے ساتھ اس میں اضافہ ہوتا رہا، لیکن اس کے بعد بھی اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں علمائے یورپ میں غلط فہمیاں باقی رہیں۔ جس کے مختلف اسباب رہے ہیں، ان کو اجمالی طور پر درج ذیل نقاط میں بیان کیا جاسکتا ہے:

الف۔ عربی زمان میں مہارت کی کمی

مستشرقین کی ایک بڑی تعداد کے بارے میں یہ بات درست ہوگی کہ وہ عربی زبان میں مہارت نہیں رکھتے تھے، ان میں سے بعض تو عربی کی شدبد کی بناپر عربی مصادر سے استفادہ کی کوشش کرتے تھے۔ متعدد مستشرقین ایسے بھی تھے، جنہوں نے ترجمہ کی مدد سے اسلام اور علوم اسلامیہ پر مضامین لکھے اور کتابیں تحریر کیں۔ اس وجہ سے وہ بڑی عجیب وغریب غلطیوں کا شکار ہوئے۔

عربی زبان سے نابلد رہ کر دوسرے مصنفین کی تصنیفات اور تراجم کو سامنے رکھ کر جن مستشرقین نے اپنی تحریریں مرتب کیں، ان کی تصانیف اغلاط کا پلندہ ہو جاتی ہیں۔

ب۔ اسلامی علوم سے ناواقفیت

مستشرقین کا ایک اور طبقہ ہے، جو عربی زبان سے تو واقف ہے، ان میں سے بعض نے عالم عرب اور مسلم ممالک میں رہ کر عربی زبان وادب کی تعلیم حاصل کی ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ غلطیوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اسلامی علوم سے نابلد ہیں۔ علم تفسیر وحدیث اور فقہ وکلام کی باریکیاں جانے بغیر ان پر صرف عربی کے سہارے ان پر تنقید کرنا ناانصافی ہے۔ علوم دینیہ سے ناواقفیت رکھتے ہوئے عربی دانی پر تکیہ نہیں کیا جاسکتا۔ لہذا جو مستشرقین صرف عربی دانی کی بناپر اسلامی علوم پر قلم اٹھاتے ہیں، وہ ان علوم کے مالہ وما علیہ سے ناواقف ہونے کی وجہ سے غلطیوں میں پڑتے ہیں۔

ج: اسلامی علوم کے مناہج سے ناواقفیت

مستشرقین کا ایک طبقہ وہ ہے، جو عربی زبان وادب اور مذہبی علوم سے واقف ہے، اور وہ مذہبی تعصب میں بھی مبتلا نہیں ہے، لیکن پھر بھی غلطیوں کے مرتکب ہوتے ہیں، اس کی ایک اور وجہ اسلامی علوم کے مناہج سے ناواقفیت ہے۔ علم تفسیر کے لئے اصول تفسیر کو جاننا

ضروری ہے، علم حدیث و سیرت پر کام کرنے کے لئے اصول حدیث، اسماء الرجال اور جرح و تعدیل کے فن سے آشنا ہونا ضروری ہے۔ علم فقہ پر قلم اٹھانے سے پہلے اصول فقہ اور قواعد و ضوابط فقہیہ سے واقفیت بہم پہچانی چاہئے۔اسی طرح علم سیرت ہے، سیرت رسول ﷺ کے بنیادی مصادر اگرچہ سیرت کی کتابیں ہیں۔ جن سے مستشرقین اور عام مسلم سیرت نگار استفادہ کرتے ہیں، لیکن رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے حالات وواقعات کا اصل اور مستند سرمایہ حدیث کی کتابیں ہیں، جہاں سیرت کی کتابوں کے مقابلہ زیادہ صحیح اسانید کے ساتھ ان کو قلم بند کیا گیا ہے۔ان تک رسائی مستشرقین کی نہیں ہوپاتی۔ جس کی وجہ سے وہ غلطیوں میں پڑ جاتے ہیں۔

د۔ ثانوی مصادر سے استفادہ

مستشرقین کی غلطیوں کا ایک اہم سبب بنیادی مصادر کے بجائے ثانوی مصادر سے استفادہ ہے۔انہوں نے ترجموں پر بھروسہ کرکے معلومات فراہم کیں، اور اس کی وجہ سے جن غلطیوں میں مترجمین پڑے، ان غلطیوں میں وہ بھی پڑ گئے۔ کئی مستشرقین نے عربی مصادر سے استفادہ کیا، لیکن یہ نہیں دیکھا کہ اس فن میں اس مصدر کا کیا مقام ہے، ہر فن اور موضوع میں تحقیق کرتے وقت بنیادی مصادر سے استفادہ کیا جاتا ہے۔ کتاب کا عربی میں ہونا کافی نہیں ہوتا، بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اس فن کے بنیادی مصادر میں سے ہو۔ تراجم پر اور ثانوی مصادر بھروسہ کرکے کسی بات کو مان لینا، اور اصل مصدر تک جانے کی زحمت نہ اٹھانا تحقیق کے منہج کے یکسر خلاف ہے۔ جس کی وجہ سے بڑی غلطیوں میں انسان پڑ سکتا ہے۔

ھ۔ مذہبی بغض و عناد

مستشرقین کا ایک طبقہ وہ ہے، جو عربی زبان وادب میں مہارت رکھتا ہے، مذہبی علوم سے بھی آشنائی ہے۔ مناہج وطرق سے کی واقفیت بہم پہنچائی ہے، لیکن پھر بھی وہ غلطیوں کا شکار ہوتے ہیں، اس کی ایک وجہ بے جا تعصب اور مذہبی منافرت ہے۔مار گولیتھ کی مذہبی علوم سے واقفیت کا یہ حال ہے کہ انہوں نے مسند احمد کی پچیس ہزار سے زیادہ حدیثوں کا بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے۔ لیکن جب آں حضور ﷺ کی سیرت پر کتاب لکھنے بیٹھے تو کمیاں نکالنے کے علاوہ کوئی کام نہیں کیا۔

عام طور سے ایسے مستشرقین مذہبی پس منظر رکھتے تھے، اور اپنے مذہب کے بارے میں متشدد تھے۔ اسلام کو دانستہ طور پر بد نما کرکے پیش کرنے کے لئے انہوں نے مختلف قسم کی تاویلات کا سہارا لیا، اس لئے ان کے کاموں میں واضح طور پر انحراف نظر آتا ہے۔ان کی تحریروں میں جو غلط معلومات اور من گھڑت تاویلات نظر آتی ہیں، محسوس ہوتا ہے کہ وہ اکثر دیدہ ودانستہ کی گئی ہیں۔

8.3 غلطیوں اور غلط فہمیوں کی مثالیں

مستشرقین کی غلطیوں اور غلط فہمیوں کے درج بالا اسباب آپ نے جانے۔ ساتھ میں یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ مستشرقین اپنی تحریروں میں جہاں بھی ٹھوکر کھاتے ہیں، وہاں مذکورہ اسباب میں سے کوئی ایک ہی سبب پایا جانا ضروری نہیں۔ بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک ہی فرو گزاشت میں متعدد اسباب جمع ہو جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان اسباب کی علیحدہ علیحدہ مثالیں تلاش

کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس لئے آئندہ سطروں میں تین اسباب کو عنوان بنا کر مثالیں دی گئی ہیں۔ اور جیسا کہ ابھی کہا گیا، ان مثالوں میں متعدد اسباب کو تلاش کرنا کوئی مشکل نہیں۔

8.3.1 عربی زبان سے ناواقفیت کی بناء پر غلطیاں اور غلط فہمیاں

اس کی سب سے واضح مثال قرآن مجید کے وہ تراجم ہیں، جن کے مترجمین عربی سے ناواقف تھے، اس کے باوجود انہوں نے قرآن مجید کا ترجمہ کرنے کی کوشش کی، اور بے شمار غلطیوں کے مرتکب ہوئے۔ انگریزی زبان کے اولین مترجم سر الیگزنڈر راس (Alexander Ross)، (وفات: 1654) نے جو قرآن کا ترجمہ کیا تھا، وہ دراصل ایک فرانسیسی ترجمہ کا ترجمہ تھا، کیوں کہ راس عربی زبان سے مطلقاً ناواقف تھے۔

8.3.2 لفظ امی کے معنی و مفہوم میں غلطی

قرآن مجید میں ایک لفظ ''امی'' استعمال ہوا ہے، جو ایک جگہ (سورہ اعراف: 157-158) رسول اللہ ﷺ کی صفت کے طور پر استعمال ہوا ہے، اور ایک جگہ (سورہ جمعہ: 3) اہل عرب کے لئے استعمال ہوا ہے۔ ایک اور جگہ (سورہ البقرہ: 78) اہل کتاب یعنی یہود کے لئے بھی استعمال ہوا ہے۔

عربی زبان میں اس لفظ کے دو معنی ذکر کئے گئے ہیں: ۱۔ پہلا یہ کہ امی لفظ 'ام' سے مشتق ہے، جس کے معنی ہوتے ہیں: جو شخص پڑھا لکھا نہ ہو۔ ۲۔ دوسرے یہ کہ امی لفظ 'امۃ' سے مشتق ہے، جس کے معنی ہیں: قوم سے منسوب۔

اب آیئے اس لفظ کے بارے میں مستشرقین کے اقوال جائزہ لیتے ہیں۔ مشہور مستشرق اے اسپر نگر نے اپنی جرمن کتاب 'محمد کی حیات اور عقائد' میں جو برلن سے (1861) میں شائع ہوئی لکھا ہے کہ: 'محمد کی زندگی سے پہلے قوموں کی دو قسمیں تھیں، ایک اہل کتاب، دوسرے امیین (بت پرست)، اہل کتاب میں یہودی، عیسائی اور اہل سباء شامل تھے، ان قوموں اور قبیلوں میں مقدس کتابیں موجود تھیں، جب کہ بت پرستوں کے پاس کوئی آسمانی کتاب نہیں تھی'۔ اسپر نگر نے ایک اور جگہ لکھا ہے کہ 'امی کا مطلب ہے: جنٹیلس (Gentilis)، جو بت پرست کے مفہوم میں آتا ہے۔ یہی بات جے ہوروویٹز (J. Horovitz) نے اپنی کتاب 'قرآنی مباحث' میں لکھی ہے۔ اور اے جے ونسنک (AJ Wensink) نے بھی اپنے ایک مقالہ میں ذکر کی ہے۔ (دیکھئے: الدفاع عن القرآن، از: عبدالرحمن بدوی)

اسپر نگر اور اس کے بعد آنے والے دیگر مستشرقین کی یہ بات غلط ہے کہ امی کے معنی بت پرست کے ہوتے ہیں۔ کیوں کہ:

- یہ لفظ جس طرح اہل عرب کے لئے استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح ایک اور جگہ اہل کتاب یعنی یہود کے لئے بھی استعمال ہوا ہے۔
- اسلام دین توحید ہے، جو توحید پر زور دیتا ہے۔ اس لئے وہ اپنے نبی کو بت پرست کیسے کہہ سکتا ہے۔ قرآن وحدیث کی تمام تعلیمات اس کے برخلاف ہیں۔
- نیز یہ کہ بت پرست کے معنی میں اگر لفظ امی کو لیا جائے، تو اس میں ایک قسم کی حقارت پائی جاتی ہے۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ

قرآن مجید اپنے پیش کرنے والے کو تعریف و توصیف کی جگہ ایسے الفاظ سے مخاطب کرے، جو تحقیر کے لئے استعمال ہوتے ہوں۔

ہم یہاں ایک اور مثال دینا چاہتے ہیں:

اسی لفظ امی کے بارے میں مشہور اطالوی مستشرق کارلو الفانسو نلیلنو نے لکھا ہے کہ یہ لفظ 'امۃ عربیۃ' سے نکلا ہے۔ یہاں پر نللینو نے رسول اللہ ﷺ پر قوم اور نسل کا رنگ چڑھانے کی کوشش کی ہے۔ یہ بات اگرچہ درست ہے کہ عربی زبان کے مطابق یہ لفظ امت سے نکلا ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ صرف عرب قوم کی طرف مبعوث تھے۔ کیوں کہ قرآن مجید نے آپ کی بعثت کو کافۃ للناس کے لئے قرار دیا ہے (سورہ سبا:28)۔اور آپ کو رحمۃ للعالمین بنایا ہے (سورہ انبیاء:107)۔

8.3.3 لفظ مسلم کے اشتقاق کے بارے میں من گھڑت تاویل

مشہور مستشرق ڈیوڈ مار گولیتھ (David Margoliouth) (وفات:1940) نے لندن سے شائع ہونے والے رسالہ جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی میں اپنے ایک مقالہ میں یہ دعوی کیا کہ لفظ مسلم پہلے مسیلمہ کے پیروکاروں کے لئے استعمال ہوتا تھا، جس نے نبوت کا دعوی کیا تھا۔اس من گھڑت دعوی کا جواب خود ایک مستشرق چارلس لائل نے دیا۔

یہ دعوی اس لئے غلط ہے کہ عربی گرامر کے مطابق لفظ مسلم 'اسلام' سے ماخوذ ہے۔اور اس کے معنی خود سپردگی کرنے والے کے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن نے مکی زندگی ہی میں آں حضور ﷺ کی اتباع کرنے والوں کے لئے مسلم کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جب کہ مسیلمہ ایک جھوٹے نبی کا نام تھا، جس نے حضور ﷺ کے بعد نبوت کا دعوی کیا تھا۔ یہ اس قدر بودا دعوی تھا کہ دوبارہ کبھی ماگولیتھ نے اپنی تحریروں میں اس کو جگہ نہیں دی۔

8.3.4 ضمائر کا غلط مرجع قرار دینے کی وجہ سے الزام

یہ بات ثابت ہے کہ نبوت سے پہلے بھی حضرت محمد ﷺ بت پرستی سے دور رہتے تھے، بلکہ اس کی برائی بیان کرتے تھے۔اس سلسلہ میں مشہور مستشرق مارگولیتھ نے ایک دعوی کیا ہے کہ حضرت محمد (ﷺ) اور آپ کی زوجہ حضرت خدیجہؓ سونے سے پہلے ایک بت کی پرستش کرتے تھے، جس کا نام عزی تھا۔اپنے اس دعوی کی دلیل کے طور پر انہوں نے مسند احمد کی ایک روایت کا حوالہ دیا ہے، جو درج ذیل ہے:

مسند احمد میں ہے: حدثني جار لخديجة بنت خويلد أنه سمع النبي صلى الله عليه وسلم وهو يقول لخديجة: أي خديجة! والله لا أعبد اللات والعزي، والله لا أعبد أبدا. قال: فتقول خديجة: خل اللات وخل العزي. قال: كانت صنمهم التي كانوا يعبدون ثم يضطجعون. (*مسند احمد، حدیث نمبر*:17487)

عروہ بن زبیر کہتے ہیں: حضرت خدیجہ بنت خویلد کے ایک پڑوسی نے مجھ سے بیان کیا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا، وہ خدیجہؓ سے فرما رہے تھے: اے خدیجہ! خدا کی قسم میں لات و عزی کی پرستش نہیں کروں گا، خدا کی قسم میں ان کی کبھی عبادت نہیں

کروں گا۔ راوی کہتے ہیں: اس پر حضرت خدیجہ کہتیں: چھوڑیئے لات کو اور چھوڑیئے عزی کو۔ راوی کہتے ہیں: یہ دونوں ان کے (اہل عرب کے) بت تھے، جن کی وہ لوگ عبادت کرتے تھے، پھر سوتے تھے۔

اس روایت سے استدال کرتے ہوئے مار گولیتھ کا مذکورہ بالا دعوی نہایت غلط ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ یا تو عربی گرامر سے ناواقف ہیں، یا دانستہ اس غلطی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں جمع کی ضمیر استعمال کی گئی ہے، جو اہل عرب کی طرف لوٹ رہی ہے، اگر اس کا مرجع آں حضور ﷺ اور حضرت خدیجہ ہوتے، تو تثنیہ کی ضمیر استعمال ہوتی، نہ کہ جمع کی۔ دوسرے خود اس روایت سے ہی ثابت ہوتا ہے کہ حضور ﷺ بتوں کی عبادت نفرت اور انکار کا اظہار کر رہے ہیں۔ اگر ما گولیتھ ارباب حدیث کی شروحات دیکھ لیتے تو معلوم ہو جاتا کہ اس حدیث سے اس بات پر استدلال کیا گیا ہے کہ آں حضور ﷺ نبوت سے پہلے بھی شرک اور بت پرستی سے محفوظ تھے۔

8.4 مذہبی بغض و عناد کی وجہ سے غلطیوں کی مثالیں

مستشرقین کی ایک بڑی تعداد مذہبی پس منظر رکھتی ہے، وہ مذہبی خاندانوں میں پلے اور بڑھے، اپنے مذاہب کے پیشوا بنے۔ انہوں نے مذہبی اختلاف کی بناء پر اسلام کے بارے میں قلم اٹھایا، اور بغض و تعصب کی وجہ سے متعدد غلطیوں کا شکار ہوئے۔

مثال کے طور پر چند نام یہاں ذکر کئے جا سکتے ہیں:

پطرس المحترم (Peter the Venerable) فرانس میں کلونی کی اہم اور مشہور عیسائی خانقاہ کا راہب تھا، جو اپنی مذہبیت کی وجہ سے دیر کلونی کے راہبوں کا سربراہ (Abbot) مقرر کیا گیا تھا اسی نے سب سے پہلے قرآن مجید کا لاطینی ترجمہ کرایا تھا۔

جرمن مستشرق ابراہم گیگر (Abraham Gieger) ایک یہودی ربی تھا۔ اس نے یہودی کنیسا میں اصلاحات کیں، اور ایک رسالہ جاری کیا، جس میں یہودیوں کے مذہبی اسکالرس مضامین لکھا کرتے تھے۔

جرمن مستشرق جرمانوس ایک مسیحی مبلغ تھا، جس نے قرآن کا لاطینی ترجمہ کیا تھا، اور اس پر ایک رد تحریر کیا تھا۔ مسیحیت کی تبلیغ کے لئے کتاب مقدس کے عربی ترجمہ کی ٹیم کا حصہ تھا۔

انگریز مستشرق جارج سیل (George Sale) نے اپنی ابتدائی تعلیم عبادت گاہ میں حاصل کی تھی، جس میں سوسائٹی فار پروموٹنگ کرسچن نالج کے نام سے ایک ادارہ بھی چلتا تھا۔ انہوں نے اس ادارہ میں عہد نامہ جدید کے عربی ترجمہ میں حصہ لیا تھا، اور ترجمہ کمیٹی کے ذمہ دار بھی مقرر ہوئے تھے۔

عام طور سے اس قسم کے مستشرقین سے جو غلطیاں سرزد ہوئی ہیں، ان کو دانستہ کی گئی فروگزاشتوں میں ہی جگہ دی جا سکتی ہے۔

8.4.1 اسلام پر گذشتہ مذاہب سے ماخوذ ہونے کا الزام

ان مستشرقین کا ایک اہم دعوی یہ رہا ہے کہ اسلام نے اپنی تعلیمات گذشتہ دو مذہبوں یعنی یہودیت اور عیسائیت سے مستعار لی ہیں۔

اس موضوع پر متعدد کتابیں تحریر کی گئی ہیں، مثلاً ریچرڈ بیل (Richard Bell) کی کتاب: مسیحی ماحول میں اسلام کا آغاز (The

(Origin of Islam in its Christian Environment)،اور ہارٹ وتیج ہیر چ فیلڈ کی کتاب: قرآن میں یہودی عناصر (Judische Elemente in Koran)۔اس دعوی کے لئے ثبوت فراہم کرنے میں ان مستشر قین نے بڑی ٹھوکریں کھائی ہیں، اور بہت سخت غلط بیانیوں کے مرتکب ہوئے ہیں۔ ہم یہاں چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔

سورہ کہف میں دو باغ والوں کا قصہ بیان کیا گیاہے۔اس کے بارے میں ہینر یچ اسپر نگر کا کہناہے کہ یہاں جو مثال دی گئی ہے،اس کی اصل مجھے عہد نامہ قدیم،کتاب تلمود،سفر لاو یین میں ملی ہے۔

جس قصہ کی طرف اسپر نگر نے اشارہ کیاہے،اس کو اگر دیکھا جائے،اور قرآنی قصے کو دیکھا جائے تو صاف معلوم ہوتاہے کہ دونوں میں سوائے ایک لفظ باغ کے اور کوئی مشابہت نہیں پائی جاتی۔نہ تو الفاظ و معانی کی مشابہت ہے،نہ تو اس مقصد اور حکمت کی جو قرآن بیان کرنا چاہتاہے۔عہد نامہ قدیم کی مثال میں صرف ایک باغ کی مثلادی گئی ہے،جب کہ قرآن میں دو باغ والوں کا قصہ بیان کیاہے۔عہد نامہ قدیم میں قصہ کی مدت 26 نسلوں کی ہے،جب کہ قرآن مجید میں صرف ایک نسل ہے۔عہد نامہ قدیم میں باغ کے بچنے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اسرائیل نے وہاں ایک گلاب دیکھا،اسے سونگھااور اس کا غصہ ٹھنڈاہو گیا۔جب کہ قرآن مجید میں باغ اجڑنے کی وجہ شرک اور تکبر کو بتایاہے، اور دوسرے باغ کے بچنے کی وجہ نعمت کا شکر اور فروتنی کو بتایاہے۔

8.4.2 قرآن مجید کے الفاظ کی بے بنیاد تعبیر و تشریح

ایک مستشرق جوزف ہارووٹزہیں،انہوں نے اپنی کتاب 'قرآن مجید میں یہودی نام اوران کے مشتقات' (Jewish Proper Names and Derivatives in the Koran)میں یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ قرآن میں متعدد الفاظ عبرانی زبان کے ہیں۔مثلا ایک لفظ ہے 'بعیر'، جو سورہ یوسف میں آیاہے، ہارووٹز کا کہناہے کہ یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے، جو حضرت محمد نے استعمال کیا ہے۔عبرانی میں اس کے معنی مویشی کے ہیں۔ محمد (ﷺ) نے اس کو اونٹ یااونٹنی کے معنی میں استعمال کیاہے۔

لفظ 'مثانی'(سورہ حجر:87) کے بارے میں مستشرق ابراہم گیگر کا کہناہے کہ یہ لفظ آرامی زبان کاہے۔

قرآن میں متعدد جگہ ایک لفظ 'فرقان 'آیاہے، جو کہیں قرآن مجید کی صفت کے طور پر ہے، کہیں کسی دوسرے واقعہ کے وصف کے طور پر۔ عربی زبان میں اس کے معنی ہیں: فرق کرنے والا۔ اس لفظ کی اصل کی تلاش میں متعدد مستشرقین نے سر گردانی کی ہے، نولیڈکے(Noldeke)،شفالی(Schwaly)،ونسنک(Wensink)اور بیل(Bell)کے مطابق یہ لفظ یاتو سریانی الاصل ہے،یا آرامی زبان کاہے،اوراس لفظ کے معنی ہیں: نجات(Solvation)۔ یہاں یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ حضرت محمد ایک لفظ کو سریانی سے نقل کریں گے، پھراس کو عربی لفظ 'فرق' کے قریب کریں گے، پھراس کو معنی بھی عربی پہنائیں گے۔اس کی ضرورت کیاہے۔ان مستشرقین نے اس لفظ کو عربی اشتقاق کی طرف کیوں نہیں لوٹایا۔قرآن مجید میں تو یہ لفظ حق و باطل میں فرق کرنے والی چیز کے معنی میں استعمال ہواہے، نہ کہ نجات کے معنی میں۔

عبدالرحمن بدوی نے درست کہاکہ :اگر مستشرقین کی ان باتوں کو تسلیم کیاجائے کہ قرآن میں بہت سے الفاظ سریانی، عبرانی، آرامی

اور دیگر زبانوں کے ہیں، اور بہت سارے قصے اور مثالیں یہودی اور عیسائی مذہب کی کتابوں سے لی گئی ہیں، تو پہلے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت محمدؐ یہ تمام زبانیں جانتے تھے، اور ان کے پاس ایک عظیم الشان لائبریری تھی، جس میں یہودیت اور عیسائیت کی تاریخ کی کتابیں اور مذہبی صحائف موجود تھے۔ جب کہ حضور ﷺ کی زندگی کے بارے میں جو مصادر ہیں، ان میں اس طرح کی کسی بات کا تذکرہ نہیں ملتا۔

یہاں ایک اور بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے، عربی اور عبرانی دونوں زبانوں کا تعلق سامی زبانوں کے خاندان سے ہے، ان دونوں میں متعدد الفاظ میں مشابہت ہوسکتی ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حضرت محمدؐ نے یہ الفاظ یہودیوں سے سیکھ کر قرآن میں داخل کئے، کیوں کہ یہ الفاظ زمانہ جاہلیت سے ہی عربوں میں رائج تھے۔ اور فصیح عربی کا حصہ بن چکے تھے، اور اہل عرب کے اشعار میں یہ الفاظ مستعمل تھے۔

ان تمام نام نہاد تحقیقات بلکہ کھینچاتانیوں کے پس پشت مذہب عداوت کار فرما نظر آتی ہے۔ اور ان کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ مذہب اسلام کو عیسائیت اور یہودیت کا چربہ بتایا جائے۔

8.4.3 بحیرا راہب کے قصہ سے غلط استدلال

رسول اللہ ﷺ کے بچپن کے واقعات میں بحیرا راہب کا قصہ بہت مشہور ہے۔ آپ کی بارہ برس کی عمر تھی، جب آپ نے اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ ملک شام کا سفر کیا۔ اسی سفر میں ملک شام کے مشہور شہر بصری میں بحیرا راہب کا واقعہ پیش آیا۔ بحیرا نے آپ کو دیکھ کر کہا کہ یہ تو سید المرسلین ہیں۔ جب یہ پہاڑ سے اترے تو جس قدر درخت اور پتھر تھے، سب سجدے میں جھک گئے تھے۔

اس واقعہ سے مستشرقین سے ایسے نتائج اخذ کئے ہیں، جو بعید از قیاس ہیں۔ سر ولیم میور، مار گولیتھ اور دوسروں نے دعوی کیا ہے کہ حضرت محمد (ﷺ) نے مذہب کے اسرار و حقائق اسی بحیرا راہب سے سیکھے تھے۔ مستشرق ڈریپر نے لکھا ہے کہ بحیرا راہب نے بصری کی خانقاہ میں محمد (ﷺ) کو نسطوری عقائد کی تعلیم دی۔ سر ولیم میور نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ کو بت پرستی سے جو نفرت پیدا ہوئی، اور مذہب اسلام جس کی آپ نے تعلیم دی، وہ اسی سفر سے ماخوذ ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اس واقعہ سے یہ نتائج اخذ کرنا درست نہیں، اولا تو یہ روایت علم حدیث کے اصولوں پر پوری نہیں اترتی۔ دوسرے یہ کہ اگر اس کو درست مانا جائے تو اسی قدر ماننا چاہئے، جس قدر خبر روایت میں وارد ہے۔ روایت میں کہیں یہ بات مروی نہیں ہے کہ راہب نے حضور کو مذہبی تعلیم دی، یا کچھ سکھایا، بلکہ گفتگو کرنا بھی منقول نہیں ہے۔ لہٰذا واقعہ کے الفاظ میں اپنی طرف سے اضافہ کرنا، یا بے بنیاد نتائج اخذ کرنا، علمی اصول کی صریح خلاف ورزی ہے۔

یہاں ایک اور نکتہ قابل گرفت ہے، وہ یہ کہ راہب نے اگر عیسائی مذہب کی تعلیم دی ہوتی، تو آپ تثلیث سے اس قدر براءت و بیزاری کا اظہار نہ کرتے، جب کہ توحید خالص پر زور اور شرک سے بیزاری آپ ﷺ کی تعلیمات کا خاصہ ہے۔

8.4.4 ثانوی مصادر سے استفادہ

اسلام پر کام کرنے والے مستشرقین سے عام طور پر یہ غلطی ہوئی ہے کہ انہوں نے بنیادی مصادر کے بجائے ثانوی مصادر سے مواد منتخب کیا۔ براہ راست مسلمانوں کی لکھی گئی کتابیں پڑھنے کے بجائے یا قرآن وحدیث کے مطالعہ کے بجائے وہ قصہ کہانیوں اور خرافاتی طرز کے افسانوں سے استفادہ کرتے ہوئے اپنی کتابیں لکھتے رہے۔ اور غلطیوں میں پڑتے رہے۔

استشراق کے ابتدائی مصادر میں آٹھویں صدی عیسوی کے یوحنا دمشقی کی کتاب اور عبدالمسیح بن اسحاق کندی کا تصنیف کردہ رسالہ شامل ہے۔ نویں صدی عیسوی میں تھیوسوفین نامی مصنف نے کرانکل لکھی۔ جس کو ایک اور مصنف اناسٹاسیس نے اپنی کتاب تاریخ چرچ کا حصہ بنایا۔ یہ تمام تحریریں جانب داری کے ساتھ لکھی گئی ہیں، اور ان میں دانستہ طور پر اسلام اور پیغمبر اسلام سے نفرت پیدا کرنے کے لئے من گھڑت کہانیاں خرافات لکھی گئی ہیں۔ انہی تحریروں نے ازمنہ وسطی میں یورپ میں اسلام کی غلط تصویر پیش کی۔

نویں صدی میں قرطبہ کے رہنے والے عیسائی پادری سینٹ اولوگیوس نے ایک طویل عرصہ مسلمانوں کے درمیان گذارا، ان کو قریب سے دیکھا، لیکن اپنی تصنیف میں عربی مصادر کے بجائے لاطینی کتابوں سے استفادہ کیا۔

انگریزی کے مشہور مترجم قرآن جارج سیل اگرچہ عربی زبان جانتے تھے، لیکن انہوں نے اپنے ترجمہ میں جن تفسیروں کا حوالہ دیا ہے، ثانوی مصادر کے واسطہ سے ان سے استفادہ کیا ہے، ان کو عربی کی کتابیں جمع کرنے کا شوق تھا، لیکن ان کی عربی لائبریری میں کوئی بھی تفسیر موجود نہیں تھی۔

ثانوی مصادر سے استفادہ کی ایک اہم مثال یہ بھی ہے کہ استشراق کے ابتدائی دور میں جن عربی تصانیف کا یورپی زبانوں میں ترجمہ کیا گیا، وہ عرب مسلمانوں کی نہیں، بلکہ مسیحی عربوں کی تصانیف تھیں، مثلا:

- سعید بن بطریق (وفات: 328ھ)، جو اسکندریہ، مصر کے طبیب اور کلیسا کے مذہبی پیشوا (پٹریارک) تھے۔ ان کا لقب افتوشیوس تھا۔ ان کی کتاب التاریخ المجموع علی التحقیق والتصدیق یوروپ میں مشہور تھی۔
- اسی طرح ساتویں صدی ہجری کے مؤرخ جرجیس بن العمید المکین (وفات: 672ھ)، جو مصر کے قبطی عیسائی تھے، انہوں نے المجموع المبارک کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی، جس میں حضرت عیسیٰؑ سے حضرت محمدؐ تک کی تاریخ تھی۔
- اسی طرح غرغوریوس بن اہرن، جو ابوالفرج ابن العبری (وفات: 685ھ) کے نام سے مشہور ہیں، جو مذہبی پیشوا تھے۔ انہوں نے مختصر الدول کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی، جس میں ساتویں صدی تک کے حالات تھے۔

ان مؤرخین کی تصانیف سیرت رسول اور سیرت خلفائے راشدین کے باب میں تو کم از کم ثانوی مصادر ہی تسلیم کی جائیں گی، خصوصا جب کہ ان سے کئی سو سال پیشتر کی کتابیں موجود ہوں۔

8.5 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درجہ ذیل نکات سیکھے:

- ابتدائی دور میں یوروپ کے اہل علم اور عوام میں اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں عجیب خیالات پائے جاتے تھے۔ جن کا سبب یہ تھا کہ اہل یوروپ کی معلومات کاذریعہ سنی سنائی کہانیاں اور مبالغہ آمیز شاعری تھی۔
- یوروپ کے ادبی لٹریچر پر صلیبی جنگوں میں ناکامی کے گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ جو نثری اور شعری لٹریچر تیار ہوا، اس میں نفرت اور انتقام کی متعدد مثالیں پائی جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر ایک مصنف گلبرٹ نے اپنی تالیف میں اسلام کے آغاز کو اسکندریہ کے ایک عیسائی کی سازش قرار دیا۔
- بارہویں صدی میں پیٹر المحترم نے عربی کتابوں کا لاطینی ترجمہ کروایا، ان پر جو مقدمے لکھے، ان میں اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف نامناسب زبان استعمال کی گئی۔
- اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں مستشرقین کی غلطیوں کے چند اہم اسباب ہیں، مثلا: ۱۔ عربی زبان میں مہارت کی کمی، ۲۔ اسلامی علوم سے ناواقفیت، ۳۔ اسلام علوم کے مناہج سے ناواقفیت ۴۔ ثانوی مصادر سے استفادہ، اور ۵۔ مذہبی بغض و تعصب، وغیرہ۔
- مستشرقین اسلامی مطالعات میں جن غلطیوں کا ارتکاب کرتے ہیں، ان کی متعدد مثالیں ان کی تحریروں میں نظر آتی ہیں، ان مثالوں کو کسی ایک سبب کے تحت بیان نہیں کیا جاسکتا، کیوں کہ ایک ہی مثال میں متعدد اسباب پائے جاتے ہیں۔
- عربی زبان سے ناواقفیت کی بنا پر مستشرقین نے جو غلطیاں کی ہیں، ان کی ایک مثال یہ ہے کہ وہ قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کی تعریف میں استعمال کئے لئے لفظ 'امی' کو بت پرست کے معنی میں لیتے ہیں، حالاں کہ اسلام اور پیغمبر اسلام کی تعلیمات بت پرستی کی مذمت سے بھری ہوئی ہیں۔ اسی طرح ایک مستشرق نے لکھا تھا کہ لفظ مسلم 'مسیلمہ' کو ماننے والوں کے لئے استعمال ہوتا تھا، حالاں کہ لفظ مسلم کا استعمال قرآن وحدیث میں زمانی اعتبار سے پہلے ہوا ہے، اور مسیلمہ کا ظہور حضور کی وفات کے بعد ہوا ہے۔
- مستشرقین کی غلطیوں کا ایک اہم سبب مذہبی بغض وعناد بھی ہے۔ عام طور سے مستشرقین مذہبی پس منظر سے آتے ہیں۔ وہ یہودی یا عیسائی عبادت گاہوں کے ذمہ ہوتے ہیں۔ پطرس المحترم فرانس کے دیر کلونی کے راہبوں کا سربراہ () تھا۔ جرمن مستشرق گیگر یا ایک یہودی ربی تھا۔ جرمن مستشرق جرمانوس ایک مسیحی مبلغ تھا، جس نے قرآن کا لاطینی ترجمہ کیا تھا۔ انگریز مستشرق جارج سیل بھی گرجاگھر سے متعلق تھا۔
- اپنے مذہبی پس منظر کی وجہ سے مستشرقین نے اسلام پر ایک الزام یہ لگایا کہ یہ یہودیت یا عیسائیت سے ماخوذ ہے، اور اس کا چربہ ہے۔ اس بات کو ثابت کرنے کے لئے ان مذہبی ذمہ داروں نے بڑی غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کیا ہے، اور بے بنیاد الزامات اسلام پر تھوپے ہیں، جس کی کوئی دلیل نہیں ملتی۔ مثلا بحیرا راہب کے قصہ کو نقل کر کے کہتے ہیں کہ آں حضور ﷺ نے مذہبی تعلیمات عیسائی راہب سے حاصل

کی تھیں، حالاں کہ یہ حضور ﷺ کے بچپن کا واقعہ ہے، اور بحیرا راہب کے ساتھ آپ کا نہ تو مستقل قیام ہوا، نہ ہی دونوں کے درمیان بات چیت ہوئی۔ تو جو بات مصادر میں موجود نہیں، اس کو اپنی طرف سے گڑھ کر روایت میں اضافہ کرنا تحقیق کے فرائض کے یکسر خلاف ہے۔

- ایک اور الزام قرآن مجید پر یہ لگایا گیا ہے کہ اس میں بہت سے الفاظ دوسری زبانوں مثلاً عبرانی، سریانی اور آرامی سے لئے گئے ہیں۔ اس بات کو تسلیم کرنے کے لئے پہلے یہ ماننا پڑے گا کہ حضرت محمد ﷺ یہ تمام زبانیں جانتے تھے۔ حالاں کہ آپ کی سیرت مبارکہ میں یہ بات نہیں ملتی۔ ہاں چند الفاظ کے بارے میں یہ بات درست ہو سکتی ہے کہ وہ پہلے سے عربی زبان میں داخل ہو کر عربی بن چکے تھے، پھر قرآن میں استعمال ہوئے۔
- مستشرقین کی غلطیوں کا ایک اور سبب یہ بھی ہے کہ وہ ثانوی مصادر سے استفادہ کرتے ہیں، اور بنیادی مصادر تک نہیں پہونچ پاتے۔ قرون وسطی میں یورپ میں اسلام کے بارے معلومات کا جو مصدر تھا، وہ یوحنا دمشقی، عبد المسیح کندی، تھیوسوفین اور اناسٹاسیس کی تحریریں تھیں، جو غیر جانب داری کے بجائے تعصب اور نفرت سے بھری ہوئی تھیں۔ بعد میں عربی کتابوں کے ترجمے ہوئے، لیکن اس میں بھی مسلمان عربوں کے بجائے مسیحی عربوں کی تالیفات کے تراجم پہلے کئے گئے۔ ان ثانوی مصادر سے استفادہ کے نتیجہ میں مستشرقین سے بہت غلطیاں ہوئیں۔
- مسلمان علماء کی کتابوں کے جب ترجمہ ہوئے تو منہج سے ناواقفیت کی وجہ سے سیرت کے مسائل میں ایسے روایوں کی روایات پر اعتماد کیا گیا، جن پر محدثین جھوٹ کا الزام لگاتے ہیں۔ یا وہ ضعیف الروایت ہیں۔ صحیح احادیث کے ہوتے ہوئے ضعیف روایت کو کیسے قبول کیا جا سکتا ہے، اور حدیث کی کتابیں حیات رسول کا پہلا مرجع ہیں، اور سیرت کی کتابیں دوسرے نمبر پر آتی ہیں۔ یہی بات یورپی مصنفین سمجھ نہیں پائے، جس کی وجہ غلطیوں کے مرتکب ہوئے۔

8.6 نمونہ امتحانی سوالات

8.6.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. مستشرقین کی غلطیوں کے اسباب کیا تھے؟

(a) عربی زبان سے ناواقفیت　(b). مذہبی عناد　(c). ثانوی مصادر سے استفادہ　(d). گذشتہ سب

2. یوحنا دمشقی کا زمانہ کون سی صدی عیسوی کا ہے؟

(a) آٹھویں　(b). نویں　(c). بارہویں　(d). تیرہویں

3. حضرت محمد پر بحیرا راہب سے استفادہ کا الزام کس نے لگایا ہے؟

(a) سر ولیم میور　(b). مارگولیتھ　(c). گذشتہ دونوں　(d). کارلائل

4. بحیرا راہب سے استفادہ کا الزام کیوں درست نہیں ہے ؟

(a) کیوں کہ مستشرقین عربی نہیں جانتے تے۔ (b). کیوں کہ وہ ثانوی مصادر سے استفادہ کرتے تھے۔

(c) کیوں کہ مصادر میں اس قسم کی کوئی بات نہیں ملتی (d). کیوں کہ یہ مسلمانوں کو پسند نہیں۔

5. لفظ مسلم کو 'مسیلمہ' سے منسوب کرنا غلط ہے، کیوں کہ :

(a) عربی گرامر کے لحاظ سے یہ درست نہیں

(b) لفظ مسلم زمانی اعتبار سے پہلے استعمال ہوا ہے،اور مسیلمہ بعد میں

(c) گذشتہ دونوں (d). ان میں سے کوئی نہیں

6. 'قرآن مجید میں یہودی نام اور ان کے مشتقات' نامی کتاب کس نے لکھی ؟

(a) رابرٹ بریفالٹ (b). پطرس محترم (c). دانتے (d). جوزف ہاروٹز

7. پطرس محترم نے قرآن مجید کے ترجمہ کی ذمہ داری کس کو دی:

(a) ہرمن آف کارنتھیا (b). ڈیوڈ گیگر (c). رابرٹ آف کیٹون (d). جارج سیل

8. سرالیگزنڈرراس نے قرآن کا ترجمہ کس زبان سے انگریزی میں منتقل کیا؟

(a) لاطینی (b). جرمن (c). فرانسیسی (d). اطالوی

9. 'مسیحی ماحول میں اسلام کا آغاز' نامی کتاب کس نے لکھی:

(a) جوزیف ہارویٹز (b). ہارٹ وتج ہیرچ فیلڈ (c). ریچرڈ بیل (d). اسپرنگر

10. ابوالفرج ابن العبری کی کی کتاب کا نام کیا ہے ؟

(a) مختصر الدول (b). تاریخ الدول (c). تاریخ الامم (d). گذشتہ کوئی نہیں

8.6.2 مختصر جوابی سوالات

1. ثانوی مصادر سے استفادہ نہ کرنے کی وجہ سے مستشرقین کن غلطیوں کا شکار ہوئے، تحریر کیجئے۔
2. لفظ ''امی'' کے مفہوم کو سمجھنے میں مستشرقین سے کیا غلطیاں ہوئیں۔ بیان کیجئے۔
3. بحیرا راہب کے قصہ سے مستشرقین کے غلط استدلال کو واضح کیجئے۔
4. حضرت محمد ﷺ پر نبوت سے پہلے بت پرستی کے الزام کی حقیقت کیا ہے ؟ لکھئے۔
5. اسلام کے بارے میں مستشرقین کے ابتدائی مصادر پر ایک نوٹ لکھئے۔

8.6.3 طویل جوابی سوالات

1. مستشرقین کی غلط فہمیوں کے اسباب پر روشنی ڈالئے۔
2. عربی سے ناواقفیت کی بناء پر ہونے والی مستشرقین کی غلطیوں کو بیان کیجئے۔
3. مذہبی بغض وعناد کی وجہ سے ہونے والی غلطیوں کو مثالوں سے واضح کیجئے۔

8.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد

---

1. اسلام اور مستشرقین : سید صباح الدین عبدالرحمن
2. مقدمہ سیرت النبی : علامہ شبلی نعمانی
3. الدفاع عن القرآن ضد منتقديه: : عبدالرحمن بدوی
4. مستشرقین اور انگریزی تراجم قرآن : عبدالرحیم قدوائی، ترجمہ :اختر الواسع
5. شرق شناسی ایڈورڈ سعید، ترجمہ : محمد عباس

اکائی 9: ہندوستانی غیر مسلموں کی مذہبی تصانیف (حصہ اول)

اکائی کے اجزا:

9.0 تمہید

9.1 مقاصد

9.2 ہندوستانی تہذیب پر اسلامی تہذیب و تمدن اور ثقافت کے اثرات

9.3 اسلامی عہد میں ہندوؤں کی تعلیمی ترقی

9.4 اسلامی موضوعات اور ہندو مصنفین و مؤلفین

9.4.1 ہندو مصنفین و مؤلفین کی تصانیف و تالیفات کی موضوعاتی تقسیم

9.4.2 ہندو مصنفین کے مرتب کردہ ذخیرہ اسلامیات کی اہمیت وافادیت

9.5 قرآنیات

9.5.1 قرآن کے تراجم

9.6 حدیث نبوی

9.6.1 مشکاۃ المصابیح کا ترجمہ

9.7 اکتسابی نتائج

9.8 نمونہ امتحانی سوالات

9.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

9.8.2 مختصر جواب کے حامل سوالات

9.8.3 طویل جواب کے حامل سوالات

9.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

9.0 تمہید

اسلامی تعلیمات میں ایسی کشش ہے کہ اس نے اپنوں کے علاوہ غیروں کو بھی کافی حد تک متاثر کیا ہے۔اس تاثر کا منھ بولتا ثبوت وہ تصانیف ہیں جن کے مصنفین،اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب سے تعلق رکھتے ہیں۔عیسائی،یہودی اور ہندو مصنفین کا اسلامی تعلیمات سے متاثر ہونے کا سب سے بڑا ثبوت ان کی وہ کتابیں ہیں جو اسلام اور اس سے متعلق دیگر امور کا احاطہ کرتی ہیں۔غیر مسلم محققین ودانشوران کے یہ مطالعات مثبت اور منفی پہلو کے حامل ہیں کہ ان میں سے کچھ میں اسلام کا مثبت مطالعہ تو کچھ میں منفی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔

اسلام اور اس کی تعلیمات کے حوالہ سے غیر مسلم مصنفین ومؤلفین،خاص طور سے ہندو مصنفین ومؤلفین کی کشش کی سب سے بڑی وجہ اور سبب قرآن اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والاصفات ہے۔انھوں نے اسلامی علوم وفنون کے ان دونوں بنیادی موضوعات کا بھرپور مطالعہ کیا ہے اور اپنی مثبت یا منفی سوچ اور فکر کے اعتبار سے مطالعہ کا ماحصل کو قارئین کے سامنے پیش کردیا ہے۔غیر مسلم مصنفین و مؤلفین کی کاوشوں اور کوششوں کے نتیجہ میں اکٹھا ہونے والے ذخیرہ اسلامیات میں زیادہ تر کتابیں قرآن وحدیث کے تراجم،قرآن،سیرت نبوی،اسلامی تعلیمات اور اسلام کے مختلف پہلو وجہات وغیرہ کے مطالعہ پر مشتمل ہیں۔

9.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد اسلام اور اس کی تعلیمات کے حوالہ سے اس علمی ذخیرہ وورثہ کا تعارف کرانا ہے جو برادران وطن کا مرہون منت ہے۔ برادران وطن کا فراہم کردہ یہ ذخیرہ مختلف موضوعات جیسے قرآن وحدیث کے تراجم،قرآن اور سیرت نبوی اور ان سے مستفاد تعلیمات کا مطالعہ،تاریخ،زبان وادب، تصوف وغیرہ پر مشتمل ہے۔موضوع کی تحدید کے پیش نظر اور صفحات کی قلت کی وجہ سے اس اکائی میں صرف ان کتب وتصانیف کا ذکر کیا گیا ہے جن کا تعلق براہ راست "مذہب" سے ہے۔اس اکائی کے ذریعہ طلباء کو قرآن وحدیث کے ان تراجم سے متعارف کرایا جائے گا جن کے مترجمین ہندوستان کے غیر مسلم حضرات ہیں۔یہ تراجم ہندوستان کی مختلف علاقائی زبانوں میں کیے گئے ہیں۔

9.2 ہندوستانی تہذیب پر اسلامی تہذیب وتمدن اور ثقافت کے اثرات

اسلامی تہذیب وتمدن اور ثقافت کے گہرے اثرات جن ممالک پر مرتب ہوئے تھے ان میں ہندوستان جیسا قدیم اور کثیر ثقافتی ملک بھی شامل ہے۔ہندوستان میں اسلام کی آمد کے ساتھ ہی اس کی تہذیب وتمدن وثقافت کے اثرات کا آغاز ہو جاتا ہے تاہم اس کی رفتار اتنی مدہم اور سست تھی کہ اس کے اثرات ظاہری پر محسوس نہیں کیے جاسکتے تھے لیکن وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ اس کی رفتار میں تیزی آتی گئی اور ہندوستانی تہذیب وتمدن وثقافت بہت تیزی کے ساتھ اسلامی تہذیب وتمدن وثقافت کے رنگ میں رنگتی چلی گئی۔اسلامی تہذیب وتمدن وثقافت کا ایک اہم پہلو مختلف علوم وفنون کو فروغ دینا بھی ہے جس نے ہندو قوم کے اندر تعلیم کے میدان میں آگے بڑھنے کا جذبہ پیدا کردیا تھا۔عہد اسلامی کے حکمرانوں نے ان کو تعلیمی ترقی کے مواقع فراہم کیے اور ایسے اقدامات کیے کہ وہ تعلیم کے میدان میں آگے بڑھتے چلے

جائیں۔ مشہور مؤرخ تاراچند (م 1973ء) نے اپنی کتاب Influence of Islam on Indian Culture میں ہندوستانی تہذیب پر اسلامی تہذیب وتمدن اور ثقافت کے مرتب ہونے والے اثرات کا تفصیلی جائزہ لیا ہے جس کا ترجمہ رحم علی الہاشمی صاحب نے ''اسلام کا ہندوستانی تہذیب پر اثر'' نے نام سے کیا ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ اسلامیات کے ہر طالب علم کے لیے مفید ہوگا۔

9.3 اسلامی عہد میں ہندوؤں کی تعلیمی ترقی

اسلامی حکمرانوں کی مذہبی رواداری نے برادران وطن کو اسلام اور اس کی تعلیمات سے بہت زیادہ متاثر کیا تھا۔ سید سلیمان ندویؒ کے بقول ہندو قوم ایک ایسی قوم تھی جو باہر سے آنے والی ہر قوم سے شدید نفرت کرتی تھی لیکن اسلام اور مسلمانوں کے حوالہ سے وہ اپنی اس روش پر باقی نہ رہ سکی اور اسلامی تعلیمات اور اخلاقیات سے متاثر ہو کر ان سے قریب سے قریب تر ہوتی چلی گئی حتی کہ برادارن وطن مسلم حکمرانوں کے دربار سے نہ صرف وابستہ ہوئے بلکہ اپنی تعلیمی لیاقتوں کی بناپر اعلی عہدوں پر بھی فائز ہو گئے۔

برادارن وطن کا مسلم حکمرانوں کے قریب ہونے کے کئی بنیادی اسباب ہیں جن میں سے ایک مسلم حکمرانوں کا ہندوؤں کی تعلیم وتربیت کا بہترین انتظام کرنا اور اس حوالہ سے ہر قسم کی سہولیات مہیا کرانا ہے۔ مسلمانوں کے ساتھ تعلقات اور میل وجول کی وجہ سے برادران وطن میں اسلامی علوم وفنون کو سیکھنے کی نہ صرف دلچسپی بڑھتی چلی گئی بلکہ وہ اسلامی موضوعات پر قلم بھی اٹھانے لگے۔ ابوالفضل نے آئین اکبری میں ہندو علماوفضلا کی ایک فہرست نقل کی ہے۔ سید سلیمان ندویؒ نے اس حوالہ سے کئی دلائل نقل کیے ہیں جن میں برہمن عالم بھوجر کا قاضی رکن الدین سے اسلامی علوم کی تکمیل کرنا، سری بھٹ کا طب کا علم حاصل کرنا، راجہ ٹوڈرمل کا اکبر کے نورتن میں شامل ہونا، داراشکوہ کے دربار کا ہندو فضلاو شعرا کا بھرا ہونا، راجہ موہن رائے اور ان کے خاندان کے افراد کا عربی پڑھنا وغیرہ شامل ہیں۔

9.4 اسلامی موضوعات اور ہندو مصنفین ومؤلفین

سوال یہ اٹھتا ہے کہ ہندو مصنفین ومؤلفین نے اسلامی موضوعات کو اپنے مطالعہ کا محور کیوں بنایا تھا اور عقیدہ اور مذہب سے اختلاف اور بُعد بلکہ نفرت اور دشمنی کے باوجود وہ اسلامی موضوعات قلم اٹھانے پر کیوں آمادہ ہوئے تھے؟ اس سوال کے حسب ذیل اسباب ہو سکتے ہیں:

- اسلامی حکمرانوں کی مذہبی رواداری اور ان کا برادران وطن کی تعلیم وتربیت کا معقول انتظام کرنا اور انھیں ہر قسم کے مواقع فراہم کرتے ہوئے ان کی ہمت افزائی کرنا۔

- ہر قوم ومذہب میں ایسے افراد واشخاص ہوتے ہیں جو دیگر اقوام ومذاہب کا احترام کرتے ہیں اور ان کی تعلیمات کا مطالعہ کسی تعصب کے بغیر کرتے ہیں اور دیگر مذاہب کی بہترین تعلیمات کا کھلے دل سے اعتراف کرتے ہیں۔

- اسلامی تعلیمات کا برادران وطن کو متاثر کرنا اور انھیں اس بات پر آمادہ کرنا کہ وہ ان تعلیمات کا براہ راست مطالعہ کریں۔

- ذاتی دلچسپی اور رغبت کی وجہ سے اسلامی تعلیمات کا اپنے مذہب کی تعلیمات سے موازنہ کرنا۔

-اپنے مذہب کی تعلیمات کو صحیح ثابت کرنے کے لیے اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کرنا تاکہ اسلامی تعلیمات کی خامیوں کو اجاگر کیا جاسکے۔

-اسلام دشمنی کے لیے اسلام کا مطالعہ کرنا وغیرہ۔

-پروفیسر ضیاءالدین ملک صاحب کے بقول "ہندوستان کے خمیر میں مذہبی جذبہ وہ مشترک قدر ہے جس نے بے شمار ہندو اہل علم کو مجبور کیا ہے کہ وہ عصبیت کی عینک اتار کر حقائق کو پیش کریں اور تقابلی مطالعہ مذاہب کے جلو میں مذہب اسلام کا خصوصی مطالعہ پیش کریں"۔

9.4.1 ہندو مصنفین و مؤلفین کی تصانیف وتالیفات کی موضوعاتی تقسیم

برادران وطن نے اسلامیات کے مختلف پہلوؤں پر کتب وتصنیفات بطور یادگار چھوڑی ہیں جن کی تالیف وتصنیف کا دورانیہ صدیوں پر محیط ہے تاہم پروفیسر محمد فہیم اختر ندوی صاحب کے بقول "عہد وسطی کے مقابلہ میں معاصر دور میں نسبتاً زیادہ کام انجام پائے ہیں"۔ ہندو مصنفین اور مؤلفین کے فراہم کردہ ذخیرہ اسلامیات کو حسب ذیل موضوعات میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

-قرآنیات: قرآنیات، ہندو مصنفین اور مؤلفین کا پسندیدہ موضوع ہے۔ متعدد ہندو دانشوران نے قرآن کا مکمل یا نامکمل ترجمہ کیا ہے۔ یہ تراجم ہندوستان کی مختلف زبانوں جیسے ہندی اور بنگالی وغیرہ میں کیے گئے ہیں۔اب تک کی معلومات کے مطابق برادران وطن نے ہندوستان کی جن علاقائی زبانوں میں قرآن کے تراجم کیے ان میں سے بنگالی زبان کو اولیت کا درجہ حاصل ہے کہ انیسویں صدی کے اواخر میں قرآن کے جزوی اور مکمل تراجم کیے گئے تھے۔

تراجم قرآنی کے علاوہ ہندو محققین و مصنفین نے قرآن کے مختلف پہلوؤں کو بھی اپنے مطالعہ کا محور بنایا ہے لہذا کچھ نے اس کا موازنہ وید اور دیگر مذہبی کتابوں سے کیا ہے تو کچھ نے اس کی اخلاقی تعلیمات وغیرہ پر بحث کی ہے۔

-مطالعہ حدیث: ہندو اہل قلم نے قرآن کے مقابلہ میں احادیث نبوی پر براہ راست بہت ہی کم قلم اٹھایا ہے بلکہ اسے نا کے برابر کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ اب تک فراہم ہونے والی معلومات کے مطابق صرف مشہور بنگالی مصنف گریش چندر اسین نے مشکاۃ المصابیح از علامہ بغوی کا نامکمل ترجمہ بنگالی زبان میں کیا تھا۔ یہ ترجمہ تقریباً نصف مشکاۃ المصابیح پر مشتمل ہے۔ان کے علاوہ اب تک کسی ہندو مصنف کی حدیث کے براہ راست مطالعہ پر مبنی کسی کتاب کا علم نہیں ہوسکا ہے۔تاہم کچھ حضرات نے اپنی تصانیف وتالیفات میں ضمناً احادیث کا مطالعہ کیا ہے۔

-سیرت نبوی: قرآنیات کے بعد ہندو مصنفین و مؤلفین کا پسندیدہ موضوع نبی اکرم ﷺ کی ذات والا صفات ہے۔اس موضوع پر برادران وطن نے کافی کتابیں لکھی ہیں۔ یہ کتابیں مختلف زبانوں میں جیسے اردو، ہندی اور انگریزی وغیرہ میں لکھی گئی ہیں۔

-اسلامیات: اسلامیات سے مراد وہ کتابیں جو اسلام کے مختلف پہلوؤں پر بحث کرتی ہیں۔اس ضمن میں مالک رام کی کتاب "اسلامیات" کا شمار نمائندہ کتب میں ہوتا ہے۔اس ضمن میں پی ایچ ڈی کے مقالوں کو بھی شامل کیا جاسکتا ہے جو ہندوستان کی مختلف

یونیورسٹیز خاص طور سے لکھنؤیونیورسٹی، لکھنؤمیں جمع کیے گئے ہیں۔

-تاریخ: ہندوستان کے عہد اسلامی میں ہندو علما وفضلا کی دربار سے وابستگی نے انھیں اپنے اپنے عہد یا ما قبل عہد کے ساتھ ساتھ اپنے عہد کی تاریخ قلم بند کرنے پر آمادہ کیا تھا۔ یہ سلسلہ مابعد کے ادوار میں نہ صرف جاری رہا بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ آج بھی جاری وساری ہے کہ ہندوستان کی مختلف یونیورسٹیز کے شعبہ تاریخ کے نصاب میں ''ہندوستان کا عہد اسلامی'' بطور ایک مضمون شامل ہے۔ اس موضوع پر متعدد ہندو مؤرخین نے مثبت اور منفی انداز میں قلم اٹھایا ہے۔ ہندو علما وفضلا کی تصانیف میں سب سے بڑا حصہ تاریخی سرمایہ پر محیط ہے۔

-اسلامی تہذیب وتمدن: یہ موضوع ''ہندوستانی تاریخ'' کا ایک اہم حصہ ہے لیکن اسے مکمل تاریخ نہیں قرار دیا جاسکتا ہے۔ سیاسی تاریخ اور تمدنی تاریخ کے مابین یہ فرق پایا جاتا ہے کہ ''سیاسی تاریخ'' میں حکومتوں کے عروج وزوال اور ان کی فتوحات وشکستوں کی داستان رقم کی جاتی ہے اور ثقافت، تہذیب وتمدن کا ذکر نہ کے برابر پایا جاتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں ''تمدنی تاریخ'' میں حکمرانوں کے تمدنی کارناموں کا ذکر کیا جاتا ہے اور ان کے عہد میں پروان چڑھنے والی تہذیب اور ثقافت کو اجاگر کیا جاتا ہے۔ اس موضوع پر ڈاکٹر تاراچند کی کتاب کی اہمیت مسلم ہے اور قابل مطالعہ بھی۔ اس موضوع پر بھی مثبت اور منفی انداز میں کتابیں لکھی گئی ہیں۔

- تصوف: اس موضوع پر بھی ہندو مفکرین ومحققین نے لکھا ہے لیکن کہیں اسے تصوف کا نام دیا ہے تو کہیں اسے بھکتی سے موسوم کیا ہے۔

-تذکرہ وتراجم: ہندو مصنفین نے اسلامی شخصیات کے تذکرہ بھی قلم بند کیے ہیں۔

- لغت نویسی: اس فن میں بھی برادران وطن کے نقوش دستیاب ہیں۔

- نعت گوئی: متعدد ہندو شعرا نے بارگاہ رسالت میں نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے۔ ان شعرا کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ ہندو نعت گو شعرا پر مستقل تصانیف موجود ہیں جیسے ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ کی ضخیم کتاب ''ہمارے رسول''۔ اس کتاب میں پروفیسر اخترالواسع کے بقول سو سے زائد ہندو نعت گو شعرا کا ذکر کیا گیا ہے۔

- ترجمہ نگاری: ہندو مترجمین کی تاریخ کے ڈانڈے عہد عباسی سے جاملتے ہیں اس عہد کے مشہور علمی ادارہ یا آج کی عصری زبان میں علمی اکیڈمی ''بیت الحکمت'' کے مترجمین کی ٹیم میں ہندو اہل علم وفضل بھی شامل تھے جن کے تراجم نے علمی دنیا میں ایک تہلکہ مچادیا تھا اور مختلف علوم وفنون خاص طور پر ریاضیات اور طب کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ بطور مثال ونے کمار اوستھی جی کے ترجمہ قرآن کو پیش کیا جاسکتا ہے جسے اکثر حضرات مولانا عبدالماجد دریابادی کے ترجمہ قرآن کا ہندی ترجمہ قرار دیتے ہیں۔

9.4.2 ہندو مصنفین کے مرتب کردہ ذخیرہ اسلامیات کی اہمیت وافادیت

سوال یہ اٹھتا ہے کہ ہندو مصنفین کے مرتب کردہ ذخیرہ اسلامیات کی اہمیت وافادیت کیا ہے جب کہ وہ عام طور ثانوی مصادر یعنی عربی مصادر کے مختلف زبانوں میں کیے گئے تراجم کے مدد سے مرتب کیے گئے ہیں۔ قرآن وسیرت اور اخلاقیات پر ہندو اہل دانش کی آراء

کے مطالعہ کو مفید اور حوصلہ بخش قرار دیتے ہوئے اس سوال کا جواب پروفیسر ضیاءالدین ملک فلاحی صاحب جن الفاظ میں دیا ہے اس سے ایک طرف اس ذخیرہ اسلامیات کی حقیقت سامنے آتی ہے تو وہیں اس کی افادیت بھی اجاگر ہو جاتی ہے: "تعلق بالقرآن کے معاملہ میں ہندو محققین کی کاوشوں کے ذریعہ وہ مومنانہ، مثبت اور روح پرور زاویے ہمارے سامنے نہیں آسکیں گے جو مسلم مطالعے کی شناخت ہیں۔تاہم غور وفکر اور حقیقت واقعہ تک رسائی کے بے شمار دل کش مناظر واضح ہو سکیں گے جن سے استفادہ، دعوت دین کی راہ آسان کرے گا"۔

وہ مزید لکھتے ہیں: "ہندوستان میں اسلام کے تہذیبی و ثقافتی اثرات کا جائزہ لینے میں اس نوعیت کا مطالعہ حوصلہ میں اضافہ کا باعث ہے۔ہندو مصلحین کے یہ شہ پارے کسی تاریخی دستاویز سے کم اہم نہیں ہیں۔ان تحریروں سے سماجی تعامل، تہذیب وتمدن میں توحید کی اثرانگیزی، عمل وکردار میں اخلاقیات کے رول، مشرقی دنیا کے اتحاد وسالمیت کے لیے اسلام اور مسلمانوں کی ضرورت، اسلامی عقیدے کی معنویت، تکریم انسانیت اور اسلام کی برکات جیسے موضوعات پر روشنی پڑتی ہے جو دعوت دین کی مہم کے معاون ہو سکتے ہیں"۔

جناب ڈاکٹر وزیر حسن صاحب (شعبہ عربی، بنارس ہندو یونیورسٹی) نے قرآن کے غیر مسلم مترجمین کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان کی کاوشوں کی وجہ سے اس بات کی توقع کی جا سکتی ہے کہ آئندہ ہندو قلمکاروں کے خامہ سے مزید اچھا ترجمہ قرآن نکلے گا۔ یہ ترجمہ جہاں مختلف زبانوں کے اہل قلم کے درمیان مذہبی تبادلہ کو بڑھاوادے رہے ہیں وہیں ان محققین کے لیے بھی معاون ثابت ہو رہے ہیں جو صرف ایک علاقائی زبان تک محدود ہیں اور قرآن پر کام کرنے کا جذبہ وشوق رکھتے ہیں۔

9.5 قرآنیات

ہندو مصنفین نے جن موضوعات پر قلم اٹھایا ہے ان میں قرآنیات کا ایک بڑا حصہ ہے۔قرآن پر قلم اٹھانے والے ہندو مصنفین کو ڈاکٹر اورنگ زیب اعظمی صاحب (شعبہ عربی، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی) نے دو خانوں میں تقسیم کیا ہے:

- قرآن میں کمی نکالنے والے اور بے جا و غیر معقول اعتراض کرنے والے مصنفین جن کی تعداد زیادہ ہے۔
- اس کی صداقت کا اعتراف کرنے والے اور دیگر صحائف سے منصفانہ موازنہ کرنے والے مصنفین جن کی تعداد کم ہے۔

ڈاکٹر اعظمی کے مقابلہ میں پروفیسر ضیاءالدین ملک فلاحی (شعبہ اسلامیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) ہندوستانی غیر مسلم مترجمین کو تین گروپ میں تقسیم کیا ہے:

- قرآن کو منزل من اللہ سمجھنے والے دانشوران جو قرآن کی منفرد ادبیت اور اعجاز اور ایجاز کے قائل ہیں اور ان کا مطالعہ قرآن وسیرت مبنی بر اعتدال ہے جس میں اعتراف حق بھی پایا جاتا ہے۔
- قرآن کی عصری افادیت کے قائل، اس کا مطالعہ کرنے والے اور دیگر کو اس کا مطالعہ پر ابھارنے والے دانشوران لیکن وہ قرآن کے منزل من اللہ ہونے کے حوالہ سے تردد کا شکار ہیں۔۔
- تیسرا زمرہ ان متشدد ومتعصب دانشوران پر مشتمل ہے جو قرآن کی افادیت کے منکر اور اس کی تعلیمات کو انسانیت کے خلاف

سمجھتے ہیں اور اسے ایک غیر منطقی کلام قرار دیتے ہیں۔

قرآنیات کی موضوعاتی تقسیم

قرآنیات کے موضوع پر ہندو مصنفین اور مؤلفین کے مطالعات کو دو زمروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

- مختلف زبانوں میں قرآن کے مکمل و نامکمل تراجم۔
- مختلف جہات سے قرآن کا مطالعہ۔

9.5.1 قرآن کے تراجم

قرآنیات کے حوالہ سے جب ہندو مؤلفین و مصنفین کی کاوشوں کا جائزہ لینے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا بڑا حصہ ہندوستان کی مختلف زبانوں میں کیے گئے قرآن کے مکمل یا نامکمل تراجم پر مشتمل ہے۔ حسب ذیل سطور میں زبان کے اعتبار سے ان تراجم کا ذکر کیا جا رہا ہے:

بنگالی تراجم

-راجندر ناتھ مترا کا ترجمہ: اس ترجمہ کا ذکر پروفیسر امیت دے نے اپنے مضمون میں کیا ہے۔ان کی بیان کردہ معلومات کے مطابق یہ قرآن کا جزوی بنگالی ترجمہ ہے اور اس میں قرآن کے ابتدائی پاروں کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ جزوی ترجمہ 1879ء میں شائع ہوا تھا۔اس ترجمہ کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد مجیب الرحمن/پروفیسر محمد صلاح الدین عمری (مترجم) نے اپنے مضمون "بنگالی تراجم و تفاسیر قرآن: کتابیاتی مطالعہ" میں لکھا ہے کہ مترا صاحب نے صرف سورہ بقرہ کا ترجمہ کیا تھا جسے مترجم نے خود ہی 1879 میں کلکتہ سے شائع کیا ہے اور اس کی طباعت کا اہتمام مہر چندر رائے نے کیا تھا۔

بنگال لائبریری کے کٹیلاگر کے بقول اس ترجمہ کے ذریعہ مسلمانوں کی مقدس کتاب کی پہلی سورت کے ترجمہ کی کوشش کی گئی ہے اور اس بات کا دعوی کیا گیا کہ قرآنی متن کا صحیح ترجمہ کیا گیا ہے حالانکہ یہ بات مکمل طور پر صحیح نہیں ہے کیونکہ اس میں مختلف قسم کی غلطیاں پائی جاتی ہیں جیسے اسماء و افعال کو آپس میں ملا دیا گیا ہے، اسی طرح ترجمہ اور قرآنی الفاظ اور تراکیب میں مطابقت نہیں پائی جاتی ہے۔

- گریش چندر اسین (1835-1910) ترجمہ: گریش چندر اسین کا شمار بنگالی زبان و ادب کے اہم ترین ادبا و شعرا میں ہوتا ہے ۔وہ بیک وقت قلم و قرطاس کے مالک اور مذہبی افکار و خیالات کے حامل تھے۔ انھیں قرآن کو جدید بنگالی زبان کا قالب دینے میں اولیت کا شرف حاصل ہے۔ ڈاکٹر عبد الرشید، شعبہ اسلامیات، عالیہ یونیورسٹی، کولکتا کے بقول یہ ترجمہ اس لحاظ سے قابل ذکر ہے اس کا شمار ہندوستانی زبان کے اولین اور ابتدائی مکمل تراجم میں ہوتا ہے۔

کیشب چندر سین اور بیجوئے کرشنا گوسوامی سے متاثر ہونے کی وجہ سے گریش چندر سین جی ''برہمو سماج'' (Brahmo Samaj) سے جڑ گئے تھے۔ کیشب چندر سین نے اپنے چار شاگردوں کو چار قدیم عالمی مذاہب کے مطالعہ پر مامور کیا تھا جن میں گریش چند

رابوس بھی شامل تھے اور انھیں ''اسلام'' کا مطالعہ کرنے کا ہدف دیا گیا تھا۔ موضوع سے براہ راست واقفیت حاصل کرنے کے لیے انھوں نے لکھنؤ میں پانچ سال (1876 تا 1881ء) قیام کیا اور اسلامی علوم وفنون کے ساتھ عربی وفارسی زبان بھی سیکھی۔

لکھنؤ کے اساتذہ میں جناب احسان علی مرحوم کا، اور نال گولہ (Nalgola) ڈھاکہ کے اساتذہ میں مولانا علیم الدین کا ذکر مجیب الرحمن اور میزان الرحمن صاحبان نے اپنے اپنے مقالات (علوم القرآن، علی گڑھ، جنوری-دسمبر 1994 اور IJOSPER، جولائی 2023 بالترتیب) میں کیا ہے۔ اول الذکر سے انھوں نے تقریبا ایک سال تک عربی زبان، قواعد اور دینیات کی تعلیم حاصل کی تھی اور مؤخر الذکر سے تفسیر، عربی ادب اور تاریخ عرب کی تعلیم حاصل کی تھی۔ ڈاکٹر میزان الرحمن صاحب نے کلکتہ وڈھاکہ میں ان کے عربی کے دیگر اساتذہ میں "ایک اور عالم دین" کا ذکر کیا ہے لیکن ان کا نام درج نہیں کیا ہے۔

اسلامیات کی تکمیل کے بعد وہ کلکتہ واپس آگئے اور اسلامی تعلیمات کے مطالعہ میں مصروف ہو گئے۔ اسلامی تعلیمات سے واقف ہونے کے لیے انھوں نے مسلسل پانچ سال (1881 تا 1886ء) قرآن کے مطالعہ اور ترجمہ میں مصروف رہ کر قرآن کا پہلا مکمل بنگالی ترجمہ کیا تھا اور قرآن کی تفسیر لکھی تھی۔ اس ترجمہ وتفسیر کی پہلی جلد 1881ء میں، دوسری جلد 1882ء میں اور تیسری جلد 1886ء میں منظر عام پر آئی تھی۔ عام طور سے مصادر میں اس کی اولین اشاعت کا سنہ 1886ء بیان کیا جاتا ہے کہ اسی سال اس تفسیر وترجمہ کی تکمیل ہوئی تھی ۔ڈاکٹر مجیب الرحمن صاحب نے پہلی جلد کی اشاعت کا سنہ 1882ء ذکر کیا ہے۔

پروفیسر امیت دے اور ڈاکٹر مجیب الرحمن صاحبان کی فراہم کردہ معلومات کے مطابق پہلی جلد کی اشاعت موجودہ بنگلہ دیش کے شیر پور، ضلع میمن سنگھ (Mymensingh) کے چاروچندر پریس سے ہوئی تھی۔ مترجم ترجمہ کی پہلی جلد کی طباعت سے مطمئن نہیں تھے لہذا بقیہ دونوں جلدوں کی بہتر طباعت کے لیے 1882 اور 1886 کے درمیان کولکتا منتقل ہو گئے۔ یہ دونوں جلدیں رمسار باشا بدھان ینتر ور پریس (Ramsarbasha Bidhan Yantraor Press)، کولکتا سے شائع ہوئیں تھیں۔

تین جلدوں پر مشتمل گریش چندرا سین کا یہ مکمل ترجمہ وتفسیر، بنگال میں کافی مقبول ہے اور ایک عرصہ تک لوگوں کے درمیان متداول رہا جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے اس کے اب تک متعدد ایڈیشن سامنے آچکے ہیں اور ہر ایڈیشن ایک ہزار نسخوں پر مشتمل تھا۔ اس ترجمہ وتفسیر کے ایڈیشن بالترتیب 1892، 1886، 2008، 1979، 1977، 1936، 1908 اور 2015 میں منظر عام پر آئے تھے۔ یہ تمام ایڈیشن کولکتا کے مختلف مطابع سے شائع ہوئے تھے۔

ڈاکٹر مجیب الرحمن کے بقول اس ترجمہ کی زبان مجموعی طور پر فصیح لیکن کسی قدر کتابی اور سنسکرت آمیز ہونے کی وجہ سے کسی حد تک ناقابل فہم بھی ہے۔ ترجمہ کی اس کمی کا ذکر ان خطوط میں ملتا ہے جو مترجم کو مبارک باد دینے کے لیے لکھے گئے تھے۔ ان خطوط میں ان سے درخواست کی گئی تھی اگر وہ اس کا اسلوب تھوڑا اور سلیس کر دیں تو اس استفادہ کا دائرہ بڑھ جائے گا۔

تقریبا تمام مصادر اس بات پر متفق ہیں کہ گریش چندرا سین کا ترجمہ تین جلدوں پر مشتمل تھا لیکن ڈاکٹر مجیب الرحمن نے اپنے مقالہ میں اسے ایک جلد پر مشتمل ہونا بتایا ہے جس کے تین حصہ تھے۔

مولانا علیم الدین کے بقول یہ ترجمہ شاہ عبدالقادر اور تفسیر حسینی کا دوسرا روپ ہے اور ڈاکٹر مجیب الرحمن صاحب نے مذکورہ بالا دونوں مصادر کو ان کا بنیادی مرجع قرار دیا ہے۔ان محققین کے مقابلہ میں ڈاکٹر امیت دے صاحب اس بات کے قائل ہیں کہ انھوں نے قرآن کا ترجمہ براہ راست عربی سے کیا تھا اور مشکل مقامات پر دیگر زبان کے تراجم و تفاسیر سے مدد لی تھی۔ڈاکٹر امیت دے کی بات زیادہ قرین قیاس محسوس ہوتی ہے کہ لکھنؤ میں پانچ سال تک اسلامی تعلیم حاصل کرنے کے بعد انھیں دیگر زبانوں کے تراجم کی مدد سے قرآن کے ترجمہ کی تکمیل ضرورت نہیں پڑنی چاہیے۔

-تاراچرن کا ترجمہ: ڈاکٹر مجیب الرحمن صاحب کے بقول یہ ترجمہ قرآن 1882 میں شائع ہوا تھا۔کتابی شکل میں شائع ہونے سے پہلے وہ ایک بنگالی مجلہ "بنگامہر" میں قسط وار شائع ہوا تھا۔ڈاکٹر وزیر حسن صاحب نے اس ترجمہ کے مترجم کا نام "دیوناراچرن بنرجی" نقل کیا ہے۔

-سری کرن گوپال سنہا (1885-1942) کا ترجمہ: عم پارہ پر مشتمل سری کرن گوپال سنہا کے اس ترجمہ کا ذکر ڈاکٹر مجیب الرحمن اور ڈاکٹر سید عبدالرشید (شعبہ اسلامیات، عالیہ یونیورسٹی، کوکلکتا) صاحبان نے اپنے مقالات میں کیا ہے۔ ان مقالات میں مذکور معلومات کا زیادہ تر حصہ یکساں ہے تاہم دونوں کے مقالات میں فراہم کردہ معلومات میں جزوی اختلاف پایا جاتا ہے جیسے ڈاکٹر مجیب الرحمن صاحب نے مترجم کا نام 'کرن گوپال سنگھ' درج کیا ہے تو ڈاکٹر سید عبدالرشید صاحب نے مترجم کا نام 'سری کرن گوپال سنہا' بتایا ہے۔اول الذکر کے مطابق یہ صرف منظوم ترجمہ ہے تو مؤخر الذکر اس کے منظوم ہونے کی وضاحت کیے بغیر اسے پارہ عم کا ترجمہ و تفسیر قرار دیتے ہیں۔اسی طرح اول الذکر اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ مترجم نے پورے قرآن کا منظوم ترجمہ کیا تھا لیکن قارئین کی عدم دلچسپی کی وجہ سے صرف پارہ عم کو ہی شائع کیا تھا جب کہ مؤخر الذکر کے مطابق وہ قرآن کا مکمل ترجمہ کرنا چاہتے تھے لیکن قارئین کی عدم دلچسپی کی وجہ سے پارہ عم کے علاوہ کسی اور حصہ کا ترجمہ نہیں کیا۔

اس ترجمہ کا پہلا ایڈیشن سید محمد علی کے مطبع اثالی علاقہ کی بونیک یونین پریس سے 1908ء میں شائع ہوا تھا۔ وکی پیڈیا کے مطابق مذکورہ جزوی ترجمہ 1905ء میں شائع ہوا تھا۔

اس ترجمہ کا دوسرا ایڈیشن 1924ء میں شائع ہوا تھا اور اسے ایم—موسی کے نام معنون کیا گیا تھا تاہم مصادر میں دوسرے ایڈیشن کے مطبع کی وضاحت نہیں کی گئی ہے۔

وکی پیڈیا کے مضمون نگار نے انھیں قرآن کا بنگالی میں ترجمہ کرنے والا پہلا ہندو قرار دیا ہے۔ غالبا اس کی وجہ یہ ہوگی گریش چندر سین کا تعلق ''برہمو سماج'' سے تھا اور اس سماج سے تعلق رکھنے والوں کو شاید خالص ہندو نہیں قرار دیا جاتا ہے۔

-بسنتا کمار مکھوپدیائے (Basanta Kumar Mukhopadyaya) کا ترجمہ: وکی پیڈیا کے مطابق بسنتا کمار مکھوپدیائے کا یہ ترجمہ 1937ء میں ڈھاکہ سے شائع ہوا تھا۔ وکی پیڈیا کے مضمون نگار نے انھیں قرآن کا بنگالی میں ترجمہ کرنے والا پہلا برہمن قرار دیا ہے۔

ڈاکٹر وزیر حسن صاحب نے اپنی کتاب میں کل چھ بنگالی تراجم کا ذکر کیا ہے جن میں سے صرف گریش چندر اسین کے ترجمہ کے تعارف میں چند سطور لکھی ہیں۔ باقیماندہ پانچ تراجم کے حوالہ سے انھوں نے صرف مترجمین کے نام اور ان کے سنہ اشاعت کا ذکر کیا ہے جو حسب ذیل ہیں:

- رام چندر ناتھ مشرا (سنہ اشاعت: 1997ء): پروفیسر امیت دے نے غالباً انھیں کا ذکر اپنے مضمون میں راجندر ناتھ مترا کے نام سے کیا ہے اور ان کے جزوی ترجمہ کا سنہ اشاعت 1879 بیان کیا ہے۔
- دیو ناراچرن بنرجی (سنہ اشاعت: 1882ء): ڈاکٹر مجیب الرحمن صاحب نے مترجم کا نام "دیو ناراچرن بنرجی" کے بجائے "تاراچرن" نقل کیا ہے۔
- فلپ بسواس (سنہ اشاعت: 1991ء): یہ ترجمہ اس اکائی کے دائرہ سے خارج ہے کہ مترجم عیسائی ہیں۔
- ڈوتیج داس دتا (سنہ اشاعت: 1926ء)۔
- بسنتا کمار بنرجی (سنہ اشاعت: 1937ء)۔ غالباً انھیں کا ذکر وکی پیڈیا میں بسنتا کمار مکھوپدیائے کے نام سے کیا گیا ہے۔

پنجابی تراجم

- گردت سنگھ کا ترجمہ: پروفیسر محمد حبیب، شعبہ اسلامیات، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد کی فراہم کردہ معلومات کے مطابق گورمت تحریک سے وابستہ محترم گردت سنگھ صاحب نے 1911ء میں قرآن کا پہلا پنجابی ترجمہ کیا تھا۔ عربی زبان سے عدم واقفیت کی وجہ سے انھوں نے یہ ترجمہ قرآن کے اردو تراجم کی مدد سے کیا تھا۔ اس ترجمہ سے متاثر ہو کر دو نو مسلم پنجابی مترجمین – سردار محمد یوسف اور گیانی عباد اللہ – نے بھی اردو تراجم قرآنی کی مدد سے قرآن کا پنجابی میں ترجمہ کیا تھا۔ اول الذکر نے اپنا ترجمہ 1934ء میں اور ثانی الذکر نے اپنا ترجمہ 1982ء میں کیا تھا۔

وکی پیڈیا پر موجود قرآنی تراجم کی فہرست میں مذکورہ بالا کسی بھی ترجمہ کا ذکر نہیں کیا گیا ہے تاہم اس لسٹ کے مطابق گورمکھی اسکرپٹ میں شائع ہونے والے ایک ترجمہ محمد حبیب اور ہرپیت سنگھ کی مشترکہ کاوشوں کے نتیجہ میں 2017ء میں منظر عام پر آیا تھا۔

تیلگو تراجم

- چلوکوری نرائن راؤ (Chilukoori Narayan Rao) کا ترجمہ: Andhra Pithamaha کے نام سے مشہور محترم چلوکوری نرائن راؤ (1890-1951ء) کا شمار آندھرا پردیش کے ماہر لسانیات میں ہوتا ہے جو۔ انھوں نے اپنی تدریسی زندگی اناتھپورا، آندھرا پردیش کے ایک کالج میں گذاری تھی۔ 27 صفحات پر مشتمل تعارفی کلمات کے علاوہ 754 (بعض مصادر کے مطابق 756) صفحات پر مشتمل اس ترجمہ کو قرآن کا اولیں تیلگو ترجمہ قرار دیا جاتا ہے۔ مترجم کے بقول اس ترجمہ کا مقصد ہندو و مسلم کے درمیان پائی جانے والی غلط فہمیوں کو دور کرنا، انھیں ایک دوسرے سے قریب کرنا اور بھائی چارگی کے ساتھ زندگی گذارنے پر ابھارنا تھا۔

27صفحات پر مشتمل تعارفی کلمات میں مترجم نے اپنے ترجمہ کرنے کے اسباب،اس کے منہج اور مقصد کا ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ عہد جاہلیت میں عربوں کی تاریخ وعادات، سیرت محمدی اور اسلام پر بھی سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ڈاکٹر وزیر حسن صاحب نے مترجم کے تعارفی کلمات کا خلاصہ اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔ان کے خلاصہ کے مطابق اس ترجمہ کی ابتداء1915ء میں اور تکمیل 1930ء میں ہوئی تھی۔اتنے طویل عرصہ میں ترجمہ کی تکمیل کی وجہ مترجم کا عربی زبان سے واقف نہ ہونا تھالہذا وہ قرآن کے انگریزی ترجمہ کو پہلے تیلگو کے قالب میں ڈھالتے اور اس کی توثیق اپنی ٹیم کے علما سے کرانے کے بعد اسے فائنل کرتے تھے۔ترجمہ کی صحت کو برقرار رکھنے کی خاطر مترجم نے متعدد علماء سے مدد لی تھی جن میں حاجی محمد اسماعیل(استاد پریسیڈنسی کالج،اننتھ پور،آندھراپردیش)اور مولاناکے-محمد فاروق (استاد گورنمنٹ کالج،اننتھ پور،آندھراپردیش) نمایاں مقام کے حامل ہیں کہ ترجمہ کی تکمیل میں ان سے خصوصی استفادہ کیا گیا تھا۔بعدازیں مترجم نے اسے احادیث سے اچھی طرح سے واقف اپنے مسلم دوستوں کے سامنے پیش کیا تھاجنھوں نے ضروری مقامات پر ترجمہ کی اصلاح و تصحیح کی تھی اور ان اصلاحات کی تکمیل کے بعد اسے پریس کے حوالہ کیا گیا تھا۔

یہ ترجمہ پہلی بار1930ء میں شارداپریس، مدراس سے شائع ہوا تھااور مظہر ممتاز قریشی کے بقول لوگوں کے درمیان اس قدر مقبول ہوا کہ سال بھر کے اندر ہی ختم ہو گیا تھااور عوام کے مطالبہ پر اس کا دوسرا ایڈیشن 1938ء میں شارداپریس سے شائع کیا گیا تھا۔ڈاکٹر وزیر حسن اور محمد شیر علی صاحبان نے دوسرے ایڈیشن کا مقام اشاعت 'مدراس' کے بجائے بنارس لکھا ہے۔

تیلگو زبان میں قرآن کا دوسرا ترجمہ محمد قاسم خان صاحب نے چلوکوری نرائن راؤصاحب کے ترجمہ میں درکر آنے والی غلطیوں کو دور کرنے کے لیے کیا تھا۔مظہر ممتاز قریشی کے بقول اس ترجمہ کی تصحیح اور اصلاح کے لیے مترجم نے کئی مسلم و غیر مسلم ماہرین زبان وادب سے مدد لی تھی جن میں تیلگو شاعر 'راپاپرولوسبھاراؤ' بھی شامل تھے جنھوں نے ترجمہ کی زبان کی تصحیح میں اہم کردار ادا کیا تھا۔

-رمیش لوکیش راؤ کا ترجمہ: مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کے بقول یہ ترجمہ حیدرآباد سے 1974ء میں شائع ہوا تھااور صرف 1065 قرآنی آیات مشتمل ہے۔ڈاکٹر وزیر حسن صاحب کے بقول یہ انھیں 1065 آیات کا تیلگو ترجمہ ہے جن کا انتخاب ونوبابھاوے صاحب نے اپنی کتاب"The Essence of the Quran"کیا تھا۔"قرآن سائرامو" کے نام سے موسوم یہ ترجمہ گاندھی ساہتیہ پراچرانلایمو، چکاداپلی، حیدرآباد سے شائع ہوا ہے۔

-جناب ونیکاتا کا ترجمہ: ڈاکٹر وزیر حسن صاحب کے بقول نایاب ہو جانے والے اس ترجمہ کے مترجم مدراس سے تعلق رکھنے والے ایک مراٹھی اسکالر جناب ونیکاتا ہیں۔ترجمہ کی عدم فراہمی کی وجہ سے اس کی تفصیلی معلومات درج کرنا ایک مشکل امر ہے۔

-امیتھلا کیشوراؤ کا ترجمہ: ڈاکٹر وزیر حسن صاحب نے اپنی کتاب "ہندو علماء و مفکرین کی قرآنی خدمات" کے مصادر و مراجع میں امیتھلا کیشوراؤ(Ummethala Keshava Rao) کے تیلگو ترجمہ کا ذکر کیا ہے لیکن اس کا ذکر متن کتاب میں نہیں کیا ہے۔یہ ترجمہ گاندھی ساہتیہ پراچرنالائمو، چیکڈاپلی، حیدرآباد سے 1975ء میں شائع ہوا تھا۔

جناب لقمان صاحب نے اپنے مضمون A study on five quranic translation by non-muslims

of the Indian sub-continent میں تیلگو تراجم کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے اس زبان میں اب تک دس سے زائد ترجمے ہو چکے ہیں جن میں سے تین مترجمین غیر مسلم ہیں لیکن انھوں چلو کوری نرائن راؤ کے ترجمہ کا تعارف کرایا ہے بقیہ تراجم کے بارے میں کچھ بھی نہیں لکھا ہے حتی کہ ان کے مترجمین کے نام کا بھی ذکر نہیں کیا ہے۔ غالبا باقیماندہ دو تراجم مذکورہ بالا تراجم ہی ہوں گے۔

سنسکرت تراجم

-پروفیسر ستیہ دیو ورما کا ترجمہ: ہریانہ کے رہنے والے پروفیسر ستیہ دیو ورما (1918-2000ء) کا شمار سنسکرت زبان کے ان عاشقین میں ہوتا ہے جنھوں اپنی ساری زندگی اس زبان کو فروغ دینے میں گذار دی۔ انھیں اس زبان سے اس حد تک لگاؤ تھا کہ ان کے گھر میں گفتگو کی زبان، "سنسکرت "ہوا کرتی تھی۔ انھوں نے سنسکرت زبان میں کئی اہم کتابیں بطور یادگار چھوڑی ہیں۔ ان کے علمی سرمایہ میں قرآن کا سنسکرت ترجمہ، "سنسکر تم قرآنم "بھی شامل ہے جسے سنسکرت زبان کے ماہرین کے علاوہ دیگر لوگوں نے بھی ایک اہم کارنامہ اور سنگ میل قرار دیا ہے۔ اسے سنسکرت کے اولین ترجمہ کا شرف حاصل ہے۔

اکثر عالمی زبانوں میں قرآن کے تراجم کی موجودگی کے پیش نظر 1973ء میں انھیں قرآن کو سنسکرت کے قالب میں ڈھالنے کا خیال آیا تھا۔ مختلف علما سے رجوع اور مشورہ کرنے کے بعد انھوں نے اپنے خیال کو عملی جامہ پہنانا شروع کیا اور سالوں کی محنت کے بعد اسے مکمل کیا۔ 344 صفحات پر مشتمل یہ مکمل ترجمہ 1984ء میں پہلی بار منظر عام پر آیا تھا۔ مترجم کے بیٹے کے مطابق کے اس ترجمہ کی دو خصوصیات ہیں:

1-مترجم نے صرف سنسکرت ترجمہ پر ہی اکتفا نہیں کی ہے بلکہ اپنے پیش لفظ میں متعدد قرآنی آیات کے مد مقابل وید سے منتخب اشلوک بھی نقل کیے ہیں جن کے معانی قرآنی آیات سے ملتے جلتے ہیں۔ اس طرز عمل سے وہ یہ بات ثابت کرنا چاہتے تھے کہ قرآنی تعلیمات سے ملتی جلتی تعلیمات ہمارے قدیم ویدوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔

2-ترجمہ کے آخر میں 166 عربی الفاظ کی ایک فہرست درج کی گئی ہے جو اپنی اصل کے اعتبار سے سنسکرت یا اس زبان سے ملتے جلتے ہیں۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے اپنے ایک مضمون میں سنسکرت کے دو ترجموں کا ذکر کیا ہے جن میں سے ایک تو پروفیسر ستیہ دیو ورما کا، "سنسکر تم قرآنم "ہے لیکن انھوں نے دوسرے ایڈیشن کی وضاحت کیے بغیر اس کی اشاعت کا سنہ 1990ء اور مترجم کا نام "سیتا دیو ورما "نقل کیا ہے۔

مولانائے محترم کی بیان کردہ معلومات میں ترجمہ کا نام اور اس سنہ اشاعت تو درست ہے تاہم وہ اس کے دوسرے ایڈیشن کی وضاحت فرمادیتے تو زیادہ مناسب ہوتا اور کسی قسم کی الجھن نہیں پیدا ہوتی کہ اس کا پہلا ایڈیشن 1984ء میں منظر عام پر آیا تھا۔ جہاں تک مترجم کے نام "سیتا دیو ورما" درج ہونے کا تعلق ہے تو پروف ریڈنگ کی غلطی کا بہت زیادہ امکان پایا جاتا ہے۔

ڈاکٹر وزیر حسن نے بھی لکشمی پبلیکشن، نئی دہلی سے شائع ہونے والے دوسرے ایڈیشن کی وضاحت کے بغیر اس کا سنہ اشاعت 1990ء بتایا ہے۔ان کے بقول پروفیسر ورما کا یہ سنسکرت ترجمہ مولانا محمد فاروق خان مرحوم کے ہندی ترجمہ اور مارماڈیوک پکھتال کے انگریزی ترجمہ سے ماخوذ ہے۔

پروفیسر ورما کے سنسکرت ترجمہ کے معا بعد مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے سنسکرت کے ایک دوسرے ترجمہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''سیتا دیوجی نے سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ کے کچھ حصہ کا ترجمہ کیا ہے جو 1914ء میں شائع ہوا''۔ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قرآن کے سنسکرت تراجم کے حوالہ سے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کی معلومات آپس میں گڈ مڈ ہو گئی ہیں یا پروف ریڈنگ میں کچھ چھوٹ گیا ہے جس کی وجہ سے یہ غلطیاں در کر آئیں ہیں۔اس ترجمہ کا ذکر ڈاکٹر وزیر حسن صاحب نے اپنی کتاب میں قرآن کے ہندی تراجم کے ضمن میں کیا ہے اور غالباپروف ریڈنگ کی غلطی کی وجہ سے مترجم کا نام "ستیہ دیوجی" کے بجائے "سیتا دیوجی" درج ہو گیا ہے۔

-راہل سنسکر تیان کا ترجمہ: وکی پیڈیا پر موجود قرآنی تراجم کی فہرست میں راہل سنسکر تیان کے ترجمہ کے ضمن میں صرف اس کے سنہ اشاعت (1945ء) کا ذکر کیا گیا ہے۔وکی پیڈیا کے مضمون نگار نے ہرش ناتھ کے ایک مضمون کے حوالہ سے اس ترجمہ کا ذکر کیا ہے لیکن وکی پیڈیا پر ہی موجود مترجم کے حالات زندگی میں اس ترجمہ کا ذکر موجود نہیں ہے اور نہ ہی کسی اور ذریعہ سے پتہ چل سکا ہے کہ انھوں قرآن کا ترجمہ سنسکرت میں کیا تھا۔تاہم ان کی ان کی کتابوں کی فہرست میں ''اسلام دھرم کی روپ ریکھا'' نامی کتاب شامل ہے۔

-پروفیسر پنڈت رام پر یاشرما کا ترجمہ: پروفیسر رام پر یاشرما کا تعلق بہار سے ہے۔انھوں نے بھی قرآن کا سنسکرت کا ترجمہ کیا ہے۔ انٹرنیٹ پر موجود ویڈیوز کے مطابق وہ اس ترجمہ کی تکمیل میں ایک مدت سے لگے ہوئے ہیں اور 27 پاروں کا ترجمہ مکمل کر چکے ہیں۔وہ اس ترجمہ کو مکمل کر سکے تھے یا نہیں، مصادر اس حوالہ سے خاموش ہیں۔ان ویڈیوز میں وہ آیت الکرسی اور سورہ بقرہ کی ابتدائی قرآنی آیات کو اچھے انداز میں پڑھنے کے ساتھ ساتھ اس کا سنسکرت ترجمہ کرتے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں۔وکی پیڈیا پر موجود قرآنی تراجم کی فہرست میں بھی اس ترجمہ کا ذکر موجود ہے۔

کنڑ تراجم

-وینکٹ رامینا اور آرائے کیسری کا ترجمہ: جناب شیر علی کے بقول میسور کے راجہ شری کرشنا کی خواہش پر اس ترجمہ کا آغاز وینکٹ رامینا نے کیا تھا لیکن ابھی وہ پہلا پارہ ہی مکمل کر سکے تھے کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ان کے انتقال کے بعد میسور کے راجہ نے اس علمی منصوبہ کو آرائے کیسری کے سپرد کیا تا کہ وہ اسے پایہ تکمیل تک پہنچا سکیں۔مترجم نے عربی سے عدم واقفیت کی وجہ سے یوسف علی کے انگریزی ترجمہ کی مدد سے اس ترجمہ کو پورا کیا تھا تاہم وہ یوسف علی صاحب کی ترجمانی کرنے میں بھی بہت کامیاب نہ ہو سکے تھے جس کی بنا پر اس ترجمہ پر کافی اعتراضات کیے گئے ہیں۔کنڑ زبان کا یہ ترجمہ ''پوتر قرآن'' کے نام سے 1949ء میں شائع ہوا تھا اور اسے کنڑ زبان کے اولین ترجمہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔

ملیالم تراجم

انٹرنیٹ پر موجود ایک مضمون Quran translations in Malayalam (مضمون نگار مجہول الاسم) کے مطابق قرآن کے ملیالم زبان میں دو منظوم تراجم ہوئے ہیں۔اسے صرف اتفاق ہی کہا جاسکتا ہے کے دونوں مترجم کے نام میں کافی مماثلت پائی جاتی ہے۔نام کے اکثر حصہ میں یکسانیت کے باوجود دونوں کو ایک شخصیت نہیں قرار دیا جاسکتا ہے کہ دونوں الگ الگ مقامات کے رہنے والے تھے اور دونوں ترجموں کے نام الگ الگ ہیں۔

-کے۔راگھون نائر کا ترجمہ: کے راگھون نائر (Konniyur Raghavan Nair) کونی (Konni)، ضلع Pathanamthitta کے رہنے والے تھے۔ان کے منظوم ترجمہ کا نام "Divya Deepthi" ہے۔انھوں نے اپنے ترجمہ کا آغاز 1964ء میں کیا تھا۔یہ ترجمہ Samanwayam Books، کالی کٹ سے شائع ہوا تھا۔

- کے۔جی راگھون نائر کا ترجمہ: ملیالم اور سنسکرت زبان کے ماہر کے۔جی راگھون نائر (K.G.Raghavan Nair) Ottappalam، ضلع Palakkadu کے رہنے والے تھے۔ان کے منظوم ترجمہ کا نام "Amrutha Vani" ہے۔اس ترجمہ کا ایک ایڈیشن Books IPH، کالی کٹ سے 1997ء میں شائع ہوا ہے۔ڈاکٹر وزیر حسن صاحب کے بقول یہ ترجمہ یوسف علی کے ترجمہ سے ماخوذ و مستفاد ہے۔انھیں عربی سے واقفیت کم تھی جس کی وجہ سے ترجمہ میں جابجا مطبعی اور دیگر غلطیاں پائی جاتی ہیں۔

-ایس این کرشنان راؤ کا ترجمہ: کوچین سے تعلق رکھنے والے اور "سد گرو" نامی ماہانہ مجلہ کے مدیر ایس این کرشنان راؤ کے اس ملیالم ترجمہ کا ذکر ڈاکٹر وزیر حسن صاحب نے اپنی کتاب میں کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "یہ ترجمہ بھی اپنی دسترس سے باہر ہے"۔

ہندی تراجم

-کنھیالال لکھداری کا ترجمہ: کنھیالال لکھداری کا یہ ترجمہ 1882ء میں دھرم سبھالدھیانہ سے شائع ہوا تھا۔مترجم نے اپنے اس ترجمہ میں اردو کے پہلے مکمل اور مشہور ترجمہ "موضح قرآن" از شاہ عبدالقادر دہلوی سے مدد لی تھی۔یہ ترجمہ 515 صفحات پر مشتمل ہے اور رنجیت سنگھ کے نواسہ سردار جگجوت سنگھ کی فرمائش پر کیا گیا تھا۔کس زبان میں یہ ترجمہ کیا گیا تھا،اس کی وضاحت مصادر میں نہیں ملتی ہے ،اندازہ کے مطابق اسے ہندی تراجم میں صرف اس لیے شامل کیا گیا ہے کہ اس کی اشاعت دھرم سبھالدھیانہ سے ہوئی تھی۔دوسرا امکان یہ ہے کہ یہ ترجمہ پنجابی زبان میں کیا گیا ہوگا کہ وہ پنجاب کے راجہ سردار جگجوت سنگھ کی فرمائش پر کیا گیا تھا۔

-بھارتیندو ہریش چندر (Bharatendu Harishchandra) کا ترجمہ: بھرتیندو ہریش چندرا (1850-1885ء) کا شمار ہندی کے مشہور شعرا میں ہوتا ہے۔انھیں ہندی ادب اور ہندی ڈرامہ کا باوا آدم کہا جاتا ہے۔"بھرتیندو" ان کا لقب ہے جس کا مطلب "ہندوستان کا چاند" ہے۔کئی ایک مصادر سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے قرآن کا ترجمہ کرنا شروع کیا تھا لیکن شومئی قسمت سے وہ اسے مکمل نہیں کرسکے تھے۔یہ نامکمل ترجمہ ان کے رسالہ "ہرش چندر" میں 1877ء سے شائع ہونا شروع ہوا تھا۔

-ستیہ دیوی جی کا ترجمہ: بیسویں صدی کے ربع اول میں شائع ہونے والے سیتا دیوی جی نے بھی قرآن کا ہندی میں ترجمہ کیا تھااور وہ 1914ء میں تارا یتترالے، بنارس سے شائع ہوا تھا۔ یہ مکمل ترجمہ ہے یا غیر مکمل،اس کے حوالہ سے کچھ کہنا مشکل ہے کہ ڈاکٹر وزیر حسن صاحب کے بقول صرف اس کا پہلا حصہ ہی اب تک دستیاب ہو سکا ہے جو سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ کی کچھ آیات کے آسان اور خالص ہندی ترجمہ پر مشتمل ہے۔اس ترجمہ کے کئی نسخے پندنی کنیاو دیالیہ، بنارس کی لائبریری میں موجود ہیں۔

غالباپروف ریڈنگ کی غلطی کی وجہ سے ڈاکٹر وزیر حسن صاحب کی کتاب کے ترجمہ میں "ستیہ دیوی جی" کے بجائے "ستیادیوی جی" درج ہوگیا ہے۔اسی طرح غالبا سہو کی وجہ سے مولانا محمد خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نےاس ترجمہ کا ذکر سنسکرت زبان میں ہونے والے تراجم کے ضمن کیا ہے۔

-مجہول الاسم مترجم کا ترجمہ: پروفیسر شیث محمد اسمعیل اعظمی کے بقول 1928ء سے پہلے کسی پنڈت جی نے قرآن کے دو پاروں کا ہندی ترجمہ کیا تھا۔

-پریم سرن پرنت کا ترجمہ: پریم سرن پرنت صاحب نے دیوناگری(ہندی) میں قرآن کا ترجمہ کیا تھا۔ڈاکٹر وزیر حسن صاحب کے بقول ترجمہ کے مقدمہ سے پتا چلتا ہے کہ انھوں نے یہ ترجمہ مہاتما گاندھی کے افکار سے متاثر ہونے کے ساتھ ساتھ سوامی برہمانند سرسوتی کے حکم پر کیا تھااور مقصد ہندوؤں کو قرآن کی تعلیمات وافکار سے متعارف کرانا تھا۔ابتداء میں مترجم کے سامنے قرآن کے مکمل ترجمہ کے ساتھ ساتھ تفسیر کرنااور قرآنی آیات کا وید سے موازنہ بھی کرنا تھالیکن پنڈت رام چندر جی کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے انھوں نے اپنی ساری توجہ صرف ترجمہ پر مبذول کردی تھی۔

پریم سرنت پرنت کے اس ترجمہ کے حوالہ سے دو قسم کی معلومات ملتی ہیں:

- یہ ترجمہ صرف سورہ انعام کے ترجمہ پر مشتمل ہے اور پریم پستکالے آگرہ سے شائع ہوا تھا۔ترجمہ پر سنہ اشاعت مذکور نہیں ہے۔ایک اندازہ کے مطابق اس کی اشاعت 1940ء میں ہوئی تھی۔ڈاکٹر وزیر حسن صاحب نے اپنی کتاب میں مذکورہ تخمینی سنہ اشاعت کا ذکر کیا ہے لیکن اس بات کی وضاحت نہیں کی ہے کہ وہ صرف سورہ انعام پر مشتمل تھابلکہ ان کے بیانیہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس ترجمہ کے کسی بھی حصہ پر سنہ اشاعت مذکور نہیں ہے۔

- ڈاکٹر وزیر حسن صاحب کے بقول اس کے دواجزاء–پہلااور تیسرا جزء-کاشی آریاسماج، بنارس کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ پہلا جزء سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ(160 صفحات)اور تیسرا جزء سورہ مائدہ اور سورہ انعام(335تا510 صفحات) پر مشتمل ہے۔اس ترجمہ کو سیٹھ جوگل کشور جی برلا کے نام سے معنون کیا گیا ہے۔

جناب ڈاکٹر وزیر حسن صاحب کے مذکورہ بیان سے اول الذکر بیانیہ کا پہلا حصہ ''صرف سورہ انعام کے ترجمہ پر مشتمل'' خود بخود ختم ہو جاتا ہے کہ پہلے اور تیسرے جزء کے درمیان یقینی طور پر دوسرا جزء بھی شائع ہوا ہوگا۔پہلے اور تیسرے جزء کے منہج کے اعتبار سے دوسرا جزء سورہ آل عمران اور سورہ نسا پر مشتمل ہونا چاہیے جس کا کوئی نسخہ اب تک دستیاب نہیں ہو سکا ہے۔

ڈاکٹر وزیر حسن صاحب کی فراہم کردہ معلومات کے مطابق اس ترجمہ کے تمام اجزاء میں صفحہ نمبر ایک تسلسل کے ساتھ درج کیا گیا ہے: پہلا جزء 1 تا 160 صفحات اور تیسرا جزء 335 تا 510 صفحات پر مشتمل ہے۔اس لحاظ سے ترجمہ کا دوسرا جزء صفحہ 161 تا 334 پر مشتمل ہونا چاہیے۔

ڈاکٹر وزیر حسن صاحب کی فراہم کردہ معلومات کے اعتبار سے اس ترجمہ کے صرف تین اجزاء ہی شائع ہوئے ہیں جن میں ترجمہ کے ساتھ ساتھ قرآن کے متن کو بھی دیوناگری رسم الخط میں لکھا گیا ہے تاکہ قرآن کے متن کو پڑھنے میں کسی قسم کی دشواری نہ ہو۔ مترجم کے مقدمہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اس ترجمہ کو جلد کے اعتبار سے مکمل کرنا چاہتے تھے لیکن مختلف وجوہات کی بنا پر غالباوہ اپنی اس خواہش کو عملی جامہ نہیں پہنا سکے تھے۔ ترجمہ کی زبان رواں اور بامحاورہ ہے اور تقریبا ہر صفحہ پر حواشی پائے جاتے ہیں جن میں مشکل الفاظ و علمی اصطلاحات کی توضیح کی گئی ہے۔

-پنڈت رام چندر دہلوی کا ترجمہ: قرآن کے ہندی مترجمین میں پنڈت رام چندر جی اس لحاظ سے ممتاز و منفرد نظر آتے ہیں کہ وہ براہ راست عربی زبان سمجھ سکتے تھے۔ ان کا ترجمہ ایک خاص پس منظر رکھتا ہے کہ سوامی دیانند سرسوتی نے اپنی کتاب ''ستیارتھ پرکاش'' میں قرآن شریف کے ایک حصہ کا ترجمہ بھی نقل کیا ہے جس کی صحت پر مسلمانوں کو اعتراض تھا لہذا پنڈت صاحب نے اس اعتراض کو دور کرنے کے لیے ''ستیارتھ پرکاش'' میں شامل آیات کا از سرنو ترجمہ کیا اور ''ستیارتھ پرکاش'' میں آیات کے نمبرات کے حوالہ سے جہاں جہاں غلطیاں در کر آئیں تھیں انھیں دور کیا۔ ساتھ ساتھ ان آیات کا ترجمہ بھی کیا ہے جن کا ترجمہ ''ستیارتھ پرکاش'' میں موجود نہیں ہے۔

ڈاکٹر وزیر حسن صاحب کے بقول پنڈت رام چندر دہلوی نے ''ستیارتھ پرکاش'' میں مذکور غلط ترجمہ کی تصحیح کے ساتھ ساتھ ''ستیارتھ پرکاش'' کے مولف سوامی دیانند سرسوتی کا دفاع بھی کیا ہے کہ آیات کا نمبر درج کرنے میں چند غلطیاں ضرور در کر آئی ہیں لیکن اس میں مذکور آیات کے ترجمہ میں ایسی غلطیاں نہیں ہیں جن سے اسلامی اصول و مبادی پر حرف آتا ہو۔

ڈاکٹر وزیر حسن صاحب کی فراہم کردہ معلومات کے مطابق یہ ترجمہ 1943 میں شائع ہوا تھا اور کل 36 صفحات پر مشتمل ہے ۔صفحہ کے ایک جانب عربی نصوص کو دیوناگری زبان میں لکھا گیا ہے اور اس کے مدمقابل ہندی ترجمہ درج کیا گیا ہے جس کی زبان بہت آسان ہے۔اس ترجمہ کا ایک نسخہ پندنی کنیامہاودیالیہ، وارانسی کی لائبریری میں موجود ہے۔

-رگھوناتھ پرساد مشرا جی کا ترجمہ: قرآن کے ہندی مترجمین میں رگھوناتھ پرساد مشرا جی بھی شامل ہیں۔ ان کے ترجمہ میں منفی پہلو پائے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر وزیر حسن صاحب کے بقول ترجمہ کافی حد تک بہتر ہے تاہم مقدمہ کے مندرجات سے ایسا معلوم ہوتا ہے ترجمہ کرنے کا مقصد اسلامی عقائد پر تنقید کرنا تھا۔ یہ ترجمہ چپاتی، اٹاوہ سے شائع ہو چکا ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ مترجم نے قرآن کا آدرش نامی کتاب بھی لکھی تھی اور اپنے قارئین سے التماس کی تھی کہ قرآن کا ترجمہ پڑھنے سے پہلے اس کتاب کا مطالعہ کرنا زیادہ مناسب ہوگا۔

-نند کمار اوستھی کا ترجمہ: نند کمار اوستھی کا یہ ترجمہ 1949ء میں شائع ہوا تھا۔اس ترجمہ میں قرآن کے عربی متن کے ساتھ ساتھ قرآن کے مکمل متن کو دیوناگری میں نقل کیا گیا ہے اور عربی الفاظ کے تلفظ کو ہندی میں اجاگر کیا گیا جس کی وجہ سے ہندی خواں طبقہ کو

قرآن کا متن پڑھنے میں کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا ہے۔ڈاکٹر وزیر حسن کے بقول مستند انگریزی وار دو تراجم کی مدد سے کیا جانے والا یہ مثالی ترجمہ ہے جس کی علماء نے کافی سراہنا کی ہے۔ڈاکٹر وزیر حسن نے اس ترجمہ کا سنہ اشاعت 1969ء درج کیا ہے۔

-ونے کمار اوستھی کا ترجمہ: ونے کمار اوستھی، نند کمار اوستھی کے بیٹے ہیں۔انھوں نے قرآن کے ہندی ترجمہ کے حوالہ سے اپنے والد کی وراثت کو برقرار رکھتے ہوئے خود بھی قرآن کا ہندی ترجمہ کیا ہے۔ونے کمار صاحب اپنے والد صاحب کے ترجمہ سے کافی متاثر تھے اور غالباً اسی تاثر نے ان میں بھی قرآن کا ترجمہ کرنے کی خواہش پیدا کر دی تھی۔کتاب گھر، مطبع دانی پریس، لکھنؤ سے 1983ء میں شائع ہونے والا یہ ترجمہ مستقل بالذات ترجمہ نہیں ہے بلکہ انھوں نے مولانا عبدالماجد دریابادی کے ترجمہ قرآن کو ہندی قالب میں ڈھال دیا تھا۔مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کے بقول یہ ترجمہ مولانا دریابادی کے ترجمہ سے مستفاد ہے۔اس ترجمہ کا مقدمہ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے لکھا ہے۔ڈاکٹر وزیر حسن کے بقول اس کی پہلی جلد ابتدائی پانچ سورتوں اور 512 صفحات پر مشتمل ہے اور اس قدر اہتمام، احتیاط اور انداز سے اب تک کوئی ترجمہ نہیں کیا گیا ہے۔اس کی زبان آسان اور عام ہندی خواں قاری کے لیے قابل فہم ہے۔

-پنڈت کیلاش ناتھ برہست کا ترجمہ: پنڈت برہست نے یہ ترجمہ براہ راست اور تنہا نہیں کیا تھا بلکہ انھوں نے امام الدین رام نگری کے ساتھ مل کر مولانا صدر الدین اصلاحی کے اردو ترجمہ کو ہندی زبان کے قالب میں ڈھالنے کا آغاز کیا تھا لیکن وہ اسے مکمل نہ کر سکے تھے۔جماعت اسلامی، رامپور نے اس نامکمل ترجمہ کو 1955ء میں شائع کیا تھا۔یہ ترجمہ صرف پہلے پارہ پر مشتمل ہے۔پروفیسر شیث محمد اسمعیل اعظمی کے مطابق یہ ترجمہ ابتدائی دو پاروں پر مشتمل ہے اور مترجم "برہستی" کے نام سے مشہور ہیں۔

-ونود چند پانڈے کا ترجمہ: حکومت ہند کے اعلی عہدوں پر فائز رہنے والے ونود چند پانڈے ہندی مترجمین اس لحاظ سے ممتاز قرار دیے جاتے ہیں انھوں نے مکمل قرآن کا ترجمہ کیا ہے۔

-دھن پرکاش کا منظوم ترجمہ: دھن پرکاش نے قرآن کا منظوم ترجمہ کیا تھا۔"پوتر قرآن درشن" نامی یہ منظوم ترجمہ 2000ء میں الوک پرکاش نے شائع کیا تھا۔

9.6 حدیث نبوی

ہندو مؤلفین و محققین نے قرآن کے مقابلہ میں حدیث نبوی کی جانب بہت کم توجہ دی ہے بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلامیات کے اس بنیادی موضوع پر ہندو مؤلفین و محققین نے بالکل توجہ نہیں دی۔اس کی ایک بنیادی وجہ دیگر زبانوں، خاص طور سے انگریزی زبان میں احادیث نبویہ کے تراجم کی عدم فراہمی ہو سکتی ہے۔حدیث کے مقابلہ میں مختلف زبانوں میں قرآن کے تراجم کا آغاز صدیوں پہلے ہو چکا تھا لہذا غیر مسلم محققین و مؤلفین نے ان تراجم کی مدد سے قرآن اور اس کی تعلیمات کا مطالعہ کیا اور وہ احادیث کے تراجم کی عدم موجودگی کی وجہ سے اسلام کے دوسرے بنیادی مصدر کا مطالعہ کرنے سے محروم رہ گئے۔اس وقت احادیث کی اہم کتب کے تراجم دستیاب ہیں تو برادران وطن نے اسلامیات کے ذخیرہ میں اضافہ کرنے کی عادت کو ترک کر دیا ہے۔

9.6.1 مشکاۃ المصابیح کا ترجمہ

ہندو محققین و مؤلفین کے فراہم کردہ ذخیرہ اسلامیات کا جائزہ لینے کے بعد یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ انھوں نے اسلام کے دوسرے بنیادی مصدر کو اپنا مرکز مطالعہ نہیں بنایا ہے اور اس موضوع پر نا کے برابر ہی قلم اٹھایا ہے۔ برادران وطن کے فراہم کردہ پورے ذخیرہ اسلامیات میں صرف حدیث کی ایک مشہور و معروف کتاب "مشکاۃ المصابیح" کا ایک نامکمل ترجمہ کا ذکر ملتا ہے۔ یہ ترجمہ مشہور بنگالی مصنف گریش چندر اسین نے کیا تھا۔ سوئے اتفاق سے وہ "مشکاۃ المصابیح" کا مکمل ترجمہ نہیں کر سکے تھے کہ ان کا یہ نامکمل ترجمہ تقریباً نصف کتاب پر مشتمل ہے۔ ان کے علاوہ کسی نے بھی حدیث کا براہ راست مطالعہ پیش نہیں کیا ہے تاہم چند اہل قلم نے اپنی تصانیف میں ضمناً احادیث کا مطالعہ پیش کیا ہے۔

9.7 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- ہندوستان کے غیر مسلم مصنفین و مؤلفین کے فراہم کردہ ذخیرہ اسلامیات میں ہندو مصنفین کی کاوشوں کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے۔ انھوں نے قرآن و حدیث کے ساتھ ساتھ دیگر اسلامی موضوعات جیسے تاریخ، اسلامی تہذیب و تمدن اور تصوف وغیرہ پر قلم اٹھایا ہے۔ ہندوستان کے متعدد غیر مسلم اہل قلم نے قرآن کا ترجمہ مختلف علاقائی زبانوں میں کیا ہے تاکہ اس کی تعلیمات سے ہندو مذہب کے پیروان کار حضرات کو واقف کرایا جاسکے اور ہندو و مسلم کے درمیان بڑھنے والی غلط فہمیوں اور نفرتوں کو دور کیا جاسکے۔
- یہ اکائی بنگالی، پنجابی، تیلگو، سنسکرت، کنڑ، ملیالم اور ہندی زبان میں کیے جانے والے قرآنی تراجم اور ان کے مترجمین سے متعارف کراتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس بات کی جانب اشارہ کرتی ہے کہ ان مترجمین کے کن اسباب اور مقاصد کے پیش نظر قرآن کا ترجمہ کیا تھا اور ان کے ترجمہ کا کیا منہج تھا۔ اس اکائی سے حسب ذیل زبانوں کے قرآنی تراجم اور ان کے مترجمین کا علم ہوتا ہے.
- بنگالی: بنگالی زبان میں قرآن کے تراجم کا آغاز انیسویں صدی کے اواخر میں ہو چکا تھا۔ اس زبان میں کئی ایک نامکمل اور ایک مکمل ترجمہ ملتا ہے۔ اولین مکمل ترجمہ کرنے کا سہرا گریش چندر اسین کے سر بندھتا ہے۔ ان کے علاوہ راجندر ناتھ مترا، تاراچرن (بعض مصادر میں دیو ناراچرن بنرجی)، سری کرن گوپال سنہا (بعض مصادر میں کرن گوپال سنگھ) اور بسنتا کمار مکھوپدیائے (بعض مصادر میں بسنتا کمار بنرجی) کے جزوی تراجم بھی پائے جاتے ہیں
- پنجابی: گردت سنگھ نے 1911ء میں قرآن کو پنجابی زبان میں منتقل کیا تھا۔ ان کے اس ترجمہ سے تحریک پاکر دونو مسلم حضرات نے قرآن کا ترجمہ پنجابی میں کیا تھا۔ گورمکھی اسکرپٹ میں ایک ترجمہ محمد حبیب اور ہرپیت سنگھ کی مشترکہ کوششوں کے نتیجہ میں منظر عام پر آچکا ہے۔
- تیلگو: چلوکوری نرائن نے پندرہ سال کی مسلسل کوشش و محنت کے بعد مکمل قرآن کو تیلگو کا قالب عطا کیا تھا۔ اس ترجمہ کو تیلگو کا پہلا

ترجمہ قرار دیا جاتا ہے۔اس ترجمہ کے علاوہ رمیش لو کیش راؤ، ونیکاتااور امیتھلا کیشوراؤ نے بھی قرآن کے جزوی تراجم کیے تھے۔

- سنسکرت: عصر حاضر کے مشہور سنسکرت داں پروفیسر ستیہ دیوورما نے قرآن کو سنسکرت کا قالب دیا ہے۔اس مکمل ترجمہ کو سنسکرت کے اولین ترجمہ کا شرف بھی حاصل ہے۔اس کے علاوہ راہل سنسکرتیان اور پنڈت رام پریاشرما نے بھی قرآن کو سنسکرت زبان میں منتقل کیا ہے۔
- کنڑ: کنڑ زبان میں صرف ایک ترجمہ کا ذکر ملتا ہے۔یہ ترجمہ وینکٹ رامینااور آرائے کیسری کی مشترکہ کاوشوں کا ثمرہ ہے۔
- ملیالم: ملیالم زبان میں قرآن کے دو منظوم تراجم کا ذکر مصادر میں پایا جاتا ہے۔اسے صرف اتفاق ہی کہا جاسکتا ہے کہ دونوں مترجمین کے نام میں کافی یکسانیت پائی جاتی ہے کہ ایک کا نام کے راگھون نائراور دوسرے کا نام کے جی راگھون نائر ہے۔
- ہندی: برادران وطن کی جانب سے کیے جانے والے قرآنی تراجم میں سب سے زیادہ تراجم ہندی زبان میں پائے جاتے ہیں۔ہندی زبان میں قرآن کو منتقل کرنے کا کارنامہ کنھیالال لکھداری، بھارتیندو ہریش چندر، ستیہ دیو، پریم سرن پرنت، پنڈت رام چندر دہلوی، رگھوناتھ پرساد مشرا، نند کمار اوستھی، ونے کمار اوستھی، پنڈت کیلاش ناتھ برہست، ونود چند پانڈے اور دھن پرکاش جیسے افراد نے انجام دیا ہے۔
- قرآن کے تراجم کے علاوہ حدیث کی مشہور کتاب مشکوۃ المصابیح کے ترجمہ کا ذکر مصادر میں پایا جاتا ہے۔مشکوۃ المصابیح کا نامکمل بنگالی ترجمہ گریش چندر اسین نے کیا تھا۔یہ ترجمہ نصف سے زائد کتاب پر مشتمل ہے۔

9.8 نمونہ امتحانی سوالات

9.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. ۔برادران وطن کے قرآنی مطالعات کو کتنے حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے؟

(a) 2 (b) 4 (c) 3 (d) 8

2. گریش چندر اسین نے حدیث کی کس کتاب کا بنگالی میں ترجمہ کیا تھا؟

(a) موطا (b) صحیح بخاری (c) مشکاۃ المصابیح (d) سنن ابن ماجہ

3. ہندوستان کی کس علاقائی زبان میں سب سے پہلے قرآن کا ترجمہ کیا گیا تھا؟

(a) تیلگو (b) ہندی (c) سنسکرت (d) بنگالی

4. قرآن کے پہلے تیلگو مترجم کا نام کیا تھا؟

(a) گریش چندر اسین (b) چلوکوری نارائن (c) ونے کمار (d) عبدالماجد دریابادی

5. قرآن کے پہلے سنسکرت مترجم کا نام کیا تھا؟

(a) گریش چندر اسین (b) نند کمار (c) ونے کمار (d) ستیہ دیو ورما

6. ؟ چلوکوری نرائن کا ترجمہ پہلی مرتبہ کب شائع ہوا تھا

(a) 1925ء (b) 1935ء (c) 1928ء (d) 1930ء

7. بھارتینڈو ہریش چندر کا ترجمہ کس رسالہ میں شائع ہوتا تھا؟

(a) بھارت (b) ہرش چندر (c) امر اجالا (d) دینک جاگرن

8. رمیش لوکیش راؤ نے قرآن کا ترجمہ کس زبان میں کیا تھا؟

(a) تیلگو (b) ملیالم (c) ہندی (d) انگریزی

9. قرآن کے پہلے سنسکرت ترجمہ کا نام کیا ہے؟

(a) سنسکرتم قرآن (b) سنسکرتم قرآنم (c) سنسکرت قرآن (d) سنسکرتی قرآنی

10. قرآن کے پہلے بنگالی مترجم کا نام کیا تھا؟

(a) گریش چندر اسین (b) چلوکوری نارائن (c) ونے کمار (d) عبدالماجد دریابادی

9.8.2 مختصر جواب کے حامل سوالات

1. ہندو مؤلفین نے اسلامی موضوعات پر کیوں لکھا؟ وضاحت کریں۔
2. ہندو مؤلفین کے فراہم کردہ ذخیرہ اسلامیات کی موضوعاتی تقسیم پر مختصر نوٹ لکھیے۔
3. کم از کم تین بنگالی تراجم قرآنی کا مختصر تعارف کرائیں۔
4. نند کمار او ستھی اور ونے کمار او ستھی کے قرآنی تراجم پر مختصر نوٹ لکھیے۔
5. کنڑ اور ملیالم زبان میں کیے جانے والے قرآنی تراجم پر ایک نوٹ لکھیے۔

9.8.3 طویل جواب کے حامل سوالات

1. گریش چندر اسین کے بنگالی ترجمہ قرآن پر ایک نوٹ لکھیے۔
2. چلوکوری نرائن کے تیلگو ترجمہ قرآن پر ایک نوٹ لکھیے۔
3. قرآن کے بنگالی تراجم پر ایک تفصیلی نوٹ لکھیے۔

9.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. موسوعۃ المستشرقین، عبدالرحمان بدوی' دارالعلم للملائین بیروت' بار سوم 1993ء
2. ہندو علماو مفکرین کی قرآنی خدمات از ڈاکٹر وزیر حسن، ترجمہ ڈاکٹر اورنگ زیب اعظمی، دارالنوادر، لاہور، 2005
3. دراسات اسلامیہ کے فروغ میں ہندوؤں کی خدمات از پروفیسر شیث محمد اسمٰعیل اعظمی، کتابی دنیا، دہلی-6، 2002۔
4. ہندو محققین کا مطالعہ قرآن وسیرت از پروفیسر ضیاالدین ملک فلاحی، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی-25، جولائی 2018۔
5. ہندوؤں کی علمی و تعلیمی ترقی میں مسلمان حکمرانوں کی کوششیں از علامہ سید سلیمان ندوی، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، یوپی، 2010۔
6. اسلام اور غیر مسلم ودوان، بنارس
7. Literature on Islam in Telgu Language (1925-75) by Chinnaiah T.I., -6 Hydrabad, 1967.
8. Hindu Perception of Islam in Modern Time by Dr. Nikhat Mohammad -7 Rashid, Ph.d Thesis, unpublished.

اکائی 10: ہندوستانی غیر مسلموں کی مذہبی تصانیف (حصہ دوم)

اکائی کے اجزا:

10.0 تمہید

10.1 مقاصد

10.2 مطالعہ قرآن

10.2.1 ہندو مت کی مقدس کتابوں سے قرآن کا موازنہ

10.2.2 قرآن اور بائبل کا موازنہ

10.2.3 عمومی قرآنی مطالعات

10.2.4 قرآن کے ضمنی مطالعات

10.2.5 ہندو دانشوران کے قرآنی مطالعات کی اہمیت وافادیت

10.3 حدیث نبوی

10.4 مطالعہ سیرت نبوی

10.4.1 براہ راست مطالعہ سیرت نبوی

10.4.2 براہ راست مطالعہ سیرت نبوی (دیگر زبانوں کی تصانیف)

10.4.3 ضمنی مطالعہ سیرت نبوی (انگریزی تصانیف)

10.4.4 برادران وطن کے مطالعات سیرت نبوی کا ماحصل

10.5 اکتسابی نتائج

10.6 نمونہ امتحانی سوالات

10.6.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

10.6.2 مختصر جواب کے حامل سوالات

10.6.3 طویل جواب کے حامل سوالات

10.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد

10.0 تمہید

اسلام دنیا کا آخری آسمانی مذہب ہے جو پوری نوع انسانیت کو مخاطب کرتا ہے اور انھیں اس بات کی دعوت دیتا ہے کہ وہ اسلام کو قبول کر کے دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی حاصل کر لیں۔ اس کی دعوت پر لبیک کہنے والوں کا کیا کہنا، وہ بھی اسلامی تعلیمات سے متاثر ہیں جنھوں نے اسلام کی دعوت کو قبول نہیں کیا ہے اور اپنے پرانے مذہب کو اپنے سینوں سے لگائے ہوئے ہیں۔

پوری دنیا میں تمام آسمانی و غیر آسمانی مذاہب اور ان کی تعلیمات کا مطالعہ کیا جاتا رہا ہے۔ یہ مطالعہ کبھی تقابلی انداز میں میں کیا جاتا ہے تو کبھی اپنے مذہب کو بہتر و برتر ثابت کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔ اسلام چونکہ آخری آسمانی مذہب ہے لہذا اس کا مطالعہ بھی خوب کیا گیا ہے بلکہ اس کا مطالعہ کرنے کے لیے 'استشراق' (Orientalism) جیسی علمی تحریک کی بناڈالی گئی۔ اس تحریک سے وابستہ حضرات نے اسلام کا مثبت و منفی مطالعہ پیش کیا ہے۔ اس تحریک کے علاوہ مقامی اور علاقائی سطح پر بھی اسلام اور اس کی تعلیمات کا جائزہ غیر مسلم حضرات نے لیا ہے جن میں ہندوستان کے برادران وطن بھی شامل ہیں۔ ہندوستان کے برادران وطن نے اسلام اور اس کی تعلیمات کا اتنا مطالعہ کیا ہے کہ وہ اسلامیات کے ایک اچھے خاصے ذخیرہ میں تبدیل ہو گیا ہے۔

اس اکائی میں پچھلی اکائی کے تمہیدی مباحث جیسے ہندوستانی تہذیب پر اسلامی تہذیب و تمدن اور ثقافت کے اثرات، اسلامی عہد میں ہندوؤں کی تعلیمی ترقی، اسلامی موضوعات اور ہندو مصنفین و مؤلفین، ان کی تصانیف و تالیفات کی موضوعاتی تقسیم، ان کے مرتب کردہ ذخیرہ اسلامیات کی اہمیت وافادیت کو تکرار سے بچنے کی وجہ شامل نہیں کیا گیا۔

10.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد اسلامیات اس علمی ذخیرہ وورثہ کا تعارف کرانا ہے جو برادران وطن کا مرہون منت ہے۔ سابقہ اکائی کی طرح اس اکائی میں صرف ان کتب و تصانیف کا ذکر کیا گیا ہے جن کا تعلق براہ راست "مذہب" سے ہے۔ دیگر اسلامی علوم وفنون جیسے تاریخ اور اسلامی تہذیب و تمدن وغیرہ پر مشتمل کتب اس اکائی کے دائرہ کار میں شامل نہیں ہیں۔ پچھلی اکائی میں قرآن و حدیث کے تراجم کا جائزہ لیا گیا تھا اور اس اکائی میں قرآن، حدیث اور سیرت نبوی کے مطالعہ پر ہندو مصنفین اور مؤلفین کی کتابوں کے تعارف کرایا گیا ہے۔

10.2 مطالعہ قرآن

برادران وطن کے مطالعہ کا سب سے بڑا محور قرآن شریف ہے۔ پچھلی اکائی میں مختلف زبانوں میں کیے جانے والے ان قرآنی تراجم

کا ذکر کیا گیا ہے جن کے مترجمین برادران وطن ہیں۔ اس اکائی میں تراجم کے علاوہ برادران وطن کے دیگر قرآنی مطالعات کا جائزہ پیش کیا جائے گا۔

برادران وطن کے قرآنی مطالعات مختلف جہات کے حامل ہیں۔ یہ مطالعات عام طور پر انگریزی زبان میں پیش کیے گئے ہیں جنھیں حسب ذیل موضوعات میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

***ہندومت کی مقدس کتابوں سے قرآن کا موازنہ * قرآن اور بائبل کا موازنہ *دیگر قرآنی مطالعات**

10.2.1 ہندومت کی مقدس کتابوں سے قرآن کا موازنہ

جن ہندو محققین نے مختلف جہات سے قرآن کا مطالعہ کیا ہے، ان میں کچھ افراد ایسے ہیں جنھوں نے قرآن کا موازنہ دیگر مقدس کتابوں سے کیا ہے اور کچھ افراد نے عام قرآنی تعلیمات کو اپنے مطالعہ کا محور بنایا ہے۔ قرآن کا گیتا اور وید سے موازنہ کرنے والوں پنڈت سندر لال، مسٹر مکندن، جناب پران ناتھ اور پنڈت شری رام شامل ہیں۔ اول الذکر دو افراد نے قرآن کا موازنہ ہندو مذہب کی مقدس کتاب ''گیتا'' سے کیا ہے اور یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ان دونوں مقدس کتابوں میں مذکور تعلیمات کا سرچشمہ ایک ہے۔

پنڈت سندر لال: پنڈت سندر لال ایک معتدل مزاج رکھنے والے محقق ہیں۔ انھوں نے قرآن کا موازنہ گیتا سے بہت کھلے دماغ کے ساتھ کیا ہے حتیٰ کہ انھوں نے اسلام میں تلوار کے استعمال کا بھی دفاع کیا ہے کہ گیتا میں بھی اپنے دفاع میں تلوار اٹھانے کا ذکر ملتا ہے۔ پنڈت سندر لال کی کتاب کا نام ''The Gita and The Quran'' ہے۔ یہ کتاب اصلاً ہندی میں لکھی گئی تھی جسے سید اسد اللہ صاحب نے انگریزی کا قالب عطا کیا تھا۔ مترجم نے قرآنی آیات کا انگریزی ترجمہ پکھتال اور محمد علی کے تراجم قرآنی سے اور سنسکرت عبارات کا ترجمہ فرینکلن ایڈرسن کے ترجمہ سے نقل کیا گیا ہے۔

146 صفحات پر مشتمل اس کتاب کا شمار تقابلی مطالعہ کی اہم کتب میں ہوتا ہے۔ اس کتاب کے ابتدائی صفحات میں گیتا کی تعلیمات کا مطالعہ کیا گیا ہے اور آخری کے 48 صفحات، قرآن کے مطالعہ کے لیے مختص کیے گئے ہیں۔ ان صفحات میں قرآن کی تعلیمات و خصوصیات کو مختلف ذیلی عناوین کے تحت اجاگر کیا گیا ہے اور جہاد کی اچھی تشریح کی گئی ہے۔ اس کتاب میں قرآنی تعلیمات کے حوالہ سے ہندوؤں میں پائی جانے والی غلط فہمیوں کو دور کرنے کی ایک عمدہ کوشش کی گئی ہے۔ پروفیسر ضیاالدین ملک فلاحی کے بقول سندر لال کے نزدیک قرآن کی تعلیمات کا خلاصہ عقیدہ کی اصلاح اور اور اعمال صالحہ کی انجام دہی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ قرآن اصطلاحات کی تشریح بہترین انداز میں کرتے ہیں، تاہم جہاں انھوں نے وحدت ادیان کی بات کی ہے اسے بعینہٖ قبول نہیں کیا جاسکتا ہے۔

سندر لال صاحب کی یہ کتاب انسٹیٹیوٹ آف انڈو مڈل ایسٹ کلچر اسٹیڈیز، حیدرآباد سے 1957 میں شائع ہوئی ہے۔

جناب اے پی مکندن صاحب: جناب اے۔پی مکندن صاحب کی کتاب کا نام ''Congruencies of fundamentals in the Quran and Bhagvat Gita'' (قرآن کریم اور بھگوت گیتا کی بنیادی باتوں میں مطابقت) ہے۔ 42 صفحات پر یہ مشتمل

کتاب سمکلین پراکاشن، نیو دہلی سے 1990 میں شائع ہوئی ہے اور میں قرآن اور گیتا کی تعلیمات کا تقابلی مطالعہ کیا گیا ہے۔

جناب پران ناتھ صاحب: جناب پران ناتھ صاحب نے ''قلزم سروپ'' نامی اپنی کتاب میں قرآن کا موازنہ ''وید'' سے کیا ہے۔انھوں نے یہ کتاب گجراتی زبان میں لکھی تھی۔

پنڈت شری رام صاحب: پنڈت شری رام صاحب نے ایک کتاب انگریزی میں لکھی ہے جس میں قرآن کا موازنہ ''وید'' سے کیا ہے لیکن کتاب کا نام اب تک نہیں معلوم ہو سکا ہے۔

-چندربلی پانڈے: چندربلی پانڈے نے ہندو اور مسلمان کو ایک دوسرے سے قریب کرنے کے لیے "قرآن میں ہندی" نامی کتاب مرتب کی ہے اور اس بات کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ہندو برادری کے درمیان تعلقات پائے جاتے تھے۔اس کتاب کی تالیف کا بنیادی سبب قرآن اور ہندومت کی مذہبی کتابوں میں پائی جانے والی مطابقت اور توافق کی تلاش کو قرار دیا ہے۔انھوں نے متعدد مثالوں کے ذریعہ اس توافق و تطابق کو اجاگر کیا ہے۔یہ بات قابل ذکر ہے کہ انھوں اس کتاب میں قرآن میں مذکور تین ہندی الفاظ کے متعلق سید سلیمان ندوی کی آراء سے بھی استفادہ کیا ہے۔

مذکورہ بالا کتاب سرسوتی مندر، بنارس سے 1945 میں شائع ہوئی ہے اور صفحات کی مجموعی تعداد 59 ہے۔

پروفیسر شیث محمد اسمعیل اعظمی کے بقول آریہ سماج کی طرف سے بھی منتخب قرآنی آیات کا ترجمہ شائع ہوا تھا اور ان کا موازنہ وید سے کیا گیا تھا۔

10.2.2 قرآن اور بائبل کا موازنہ

مذکورہ ہندو محققین کے مقابلہ میں جناب باندی سری نواس صاحب نے قرآن کا موازنہ ہندومت کی کسی مقدس کتاب سے کرنے کی بجائے اس کا موازنہ بائبل سے کیا ہے۔انھوں نے اپنی کتاب ''Christ in the Quran and Bible''(حضرت مسیح:قرآن اور بائبل کی نظروں میں)میں ڈاکٹر مفتی محمد اعظم ندوی کے بقول ''قرآن کے ذریعہ مسیحی عقیدے کی سچائی کو ثابت کرنے کی کوشش ہے''۔ڈاکٹر وزیر حسن صاحب نے اس کتاب کے تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے کہ "اگرچہ کتاب کا مقصد یہ تھا کہ عیسائیت کو قرآن کی روشنی میں صحیح مذہب ثابت کیا جائے مگر بحث نے آگے بڑھ کر بہت سے قرآنی افکار کا احاطہ کر لیا۔قرآن سے متعلق مصنف کا علم قابل تعریف ہے"۔

اس کتاب میں مصنف نے اس پہلو کو اجاگر کیا ہے کہ قرآن کے نزول سے دیگر آسمانی کتابوں کی اہمیت نہ تو ختم ہوتی ہے اور نہ ہی کم ہوتی ہے اور ان میں پائی جانے والی تمام تحریفات کے باوجود ان میں مذکور اصول وضوابط آج بھی نافذ العمل ہیں اور قرآن کا نزول صرف اس لیے ہوا تھا کہ وہ "قدیم آسمانی کتب کو صحیح اور نافذ العمل ثابت کرے"۔

یہ کتاب باندی برادرس، مغربی گوداوری، آندھرا پردیش سے 1975 میں شائع ہوئی ہے۔

10.2.3 عمومی قرآنی مطالعات

مختلف جہات سے قرآن کا مطالعہ کرنے والوں میں حسب ذیل افراد شامل ہیں:

گریش چندرا سین: گریش چندرا سین کو مکمل قرآن کو بنگالی زبان کے قالب میں ڈھالنے میں اولیت کا شرف حاصل ہے۔ڈاکٹر مجیب الرحمن کے بقول انھوں نے قرآن کے ترجمہ کے علاوہ کئی ایک قرآنی مقالات بھی رقم کیے تھے جوEssay on the Quranکے نام سے شائع ہو چکے ہیں جسے اسلامی ورثہ سے واقفیت حاصل کرنے کی ایک کامیاب اور قابل تعریف کوشش قرار دیا جاسکتا ہے۔

آچاریہ ونو بابھاوے: آچاریہ ونو بابھاوے.جی کا پورا نام ''ونایک نرہاری بھاوے.جی'' ہے لیکن وہ ونو بابھاوے کے نام سے زیادہ مشہور ہیں۔انھیں مہاتما گاندھی کا روحانی جانشین بھی قرار دینے کے ساتھ ساتھ سماج کے ہر طبقہ میں عزت واحترام کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ایک ہزار سے زائد آیات(1065)پر مشتمل اپنے پچیس سالہ قرآنی مطالعہ کو انھوں نےThe Essence of the Quranسے موسوم کیا ہے اور اسے ڈاکٹر وزیر حسن صاحب کے بقول حسب ذیل نو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے جو90ذیلی عناوین پر مشتمل ہیں:

قرآن کا تعارف:اس حصہ کی ابتداء سورہ فاتحہ سے ہوتی ہے اور قرآن کا تعارف دیگر قرآنی آیات سے کرایا گیا ہے۔

خدا:اس حصہ میں قرآنی تصور توحید اور شرک کو اجاگر کرتے ہوئے دیگر خدائی صفات کا ذکر کیا گیا ہے۔

قربانی:اس موضوع کے تحت گریہ زاری،ایمان راسخ،قربانی،اخلاص وامتحان جیسے ذیلی عناوین کے تحت قرآنی آیات کا مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔

- مختلف عناوین پر مشتمل چوتھے حصہ میں قرآنی آیات کی روشنی عابد و کافر کی پہچان،بیان کی گئی ہے۔

عقیدہ:اس حصہ میں مذہب کے اصول ومبادی،مذہبی رواداری اور مذہبی رسوم ورواج کو قرآنی آیات کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔

اخلاقیات:اس حصہ میں اسلامی اخلاقیات پر روشنی ڈالی گئی ہے جیسے حق و باطل کے درمیان تمیز کرنا،حق اور نرم گفتگو،بہتان سے بچنا،عدل وانصاف سے کام لینا اور عدم تشدد وغیرہ۔

انسان:اس حصہ میں انسان اور اس کی طبیعت وفطرت کو قرآنی آیات کی روشنی میں اجاگر کیا گیا ہے۔ڈاکٹر وزیر حسن صاحب کے بقول یہ حصہ گویا چھٹے حصہ کی تکمیل ہے کہ مصنف نے انسان اور اس کی طبیعت وفطرت کی اہمیت کے پیش نظر اسے الگ سے ذکر کیا گیا ہے۔

- احوال انبیاء:اس حصہ میں اکابر انبیاء جیسے حضرات نوح،ابراہیم،موسی وعیسی علیہم السلام کے ساتھ آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کا ذکر کیا گیا ہے۔

متفرقات:ڈاکٹر وزیر حسن کے بقول یہ حصہ بھیدوں پر دلالت کرتا اور مختلف موضوعات جیسے فلسفہ عالم اور شخصی وداخلی حرمت روح وغیرہ کا احاطہ کرتا ہے۔

ان نو ابواب میں آچاریہ ونو بابھاوے.جی نے تقریباً قرآن کے چھٹے حصہ کا احاطہ کیا ہے کہ قرآن تقریباً ساڑھے چھ ہزار سے زائد آیات

پر مشتمل ہے۔بنیادی طور پر یہ کتاب مراٹھی میں لکھی گئی تھی جسے بعد میں مذکورہ انگریزی عنوان کے تحت شائع کیا گیا تھا۔

اس کتاب میں انھوں نے جن منتخب آیات کے معانی و مفاہیم کو پیش کیا ہے ان میں اخلاقی تعلیمات کے علاوہ خدا کی وحدانیت، شرک کی ممانعت، رسولوں کی رسالت، عبادت، صبر اور عقائد و نظریات وغیرہ جیسے موضوعات شامل ہیں۔پروفیسر اختر الواسع صاحب کے بقول اس کتاب میں ان آیات کا انتخاب کیا گیا ہے جو سماجی زندگی اور قومی یکجہتی کی عکاسی کرتی ہیں۔

یہ کتاب 1962 میں پہلی بار شائع ہوئی تھی اور اب تک متعدد بار شائع ہو چکی ہے۔کتاب کی اہمیت کے پیش نظر مختلف زبانوں میں اس کا ترجمہ بھی کیا جا چکا ہے۔یہ کتاب اردو اور ہندی و گجراتی زبان میں بالترتیب ''روح القرآن''اور ''قرآن سار'' کے نام سے کئی بار شائع ہو چکی ہے۔پروفیسر ضیاالدین ملک فلاحی صاحب نے اس کتاب کا تجزیہ و تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ونوبا بھاوے جی نے قرآن کی اہمیت و معنویت کو عصری اسلوب میں پیش کر کے اہم خدمت انجام دی ہے اور اسے چند حواشی کے اضافہ کے ساتھ انگریزی جاننے والوں کو بطور تحفہ پیش کیا جا سکتا ہے۔تاہم جہاں انھوں نے تمام مذاہب میں اچھائی اور سچائی کا سرچشمہ ایک قرار دیا ہے وہاں وحدت ادیان کی حقیقت کو واضح کرنا ضروری ہے۔

آر۔ بی ہرش چندر: ہرش چندر صاحب نے قرآن کے فلسفیانہ مباحث جیسے روح کی تخلیق وغیرہ کو اپنے مطالعہ کا محور بنایا ہے اور ماحصل کو Khuda-Quranic Philosophy کے نام سے پیش کیا ہے۔یہ کتاب مصنف کے طویل مطالعہ کا نچوڑ ہے جس میں انھوں نے ڈاکٹر وزیر حسن صاحب کے بقول مختلف قرآنی مفاہیم کا خالص فلسفیانہ سروے پیش کیا ہے اور روح کی پیدائش، فطرت خدا، حکمت، علم وحدت الہ اور صفات خداوندی وغیرہ پر بحث کی ہے اور ان موضوعات کو اپنی آزاد فکر کی روشنی میں جانچا اور پرکھا ہے اور تائید میں اچھی خاصی تعداد میں قرآنی آیات سے استشہاد کیا ہے لیکن سورہ اور آیت نمبر کا حوالہ موجود نہ ہونے سے انھیں تلاش کرنے میں پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔انھوں نے قرآنی آیات کے ترجمے پامر اور سیلز کے تراجم سے نقل کیے ہیں۔

77 صفحات پر مشتمل یہ کتاب برج اور سیز، ریٹا پریس، نئی دہلی سے 1979 میں شائع ہوئی ہے۔اس کتاب کا تجزیہ اور تبصرہ کرتے ہوئے پروفیسر ضیاالدین ملک فلاحی رقم طراز ہیں:

''مصنف نے قرآن کی حقانیت کو انسانی عقل کے ذریعہ سمجھنے کی کوشش کی ہے۔توحید باری کی تشریح ضمیر 'ھو' کے ذریعہ بیس نکات کے اندر قرآنی آیات کے حوالہ سے کرتے ہیں۔عقل کو تنہا رہبری کا مقام دیتے ہیں، حالانکہ عقل کی نارسائی اظہر من الشمس ہے۔اصولی مسائل میں عقل کی رہنمائی کا کافی سمجھنا خطرناک نتائج کا موجب ہو سکتا ہے۔تاہم مصنف انصاف پسند تجزیہ نگار معلوم ہوتے ہیں''۔

ہرش چندر کی انصاف پسندی کا اندازہ ان کی اس تحریر سے لگایا جاتا ہے جس میں انھوں نے قرآن کا ہر زمانہ میں موزوں و مفید ہونا بتایا ہے۔وہ لکھتے ہیں: ''قرآن ہر زمانے کے لیے اور تمام اقوام کے لیے موزوں ہے خواہ تمدنی طور پر افضل ہوں یا نچلے طبقہ سے ان کا تعلق ہو۔اس حقیقت کے پس پشت اس کی اخلاقی قدریں ہیں''۔

او پی گھئی: جناب او۔پی گھئی صاحب کا شمار ان سنجیدہ، باشعور اور انصاف پسند ہندو محققین میں ہوتا ہے جنھوں نے اپنی ساری زندگی

ادیان کے مطالعہ میں گذاری ہے اور مختلف مذاہب کے درمیان تقارب پیدا کرنے کی بہترین کوشش کی ہے۔ مختلف ادیان کے مطالعہ کا شوق مولانا محمد علی جوہر کی کتاب Selection from the Quran پڑھ کر ہوا تھا۔ ان کی پہلی کتاب Unity in Diversity ہے جس میں انھوں نے ڈاکٹر وزیر حسن کے بقول یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے دنیا کے مختلف بڑے مذاہب کے اخلاقی اصول ایک جیسے ہیں۔ اس کتاب کا ترجمہ متعدد ملکی اور غیر ملکی زبانوں میں ہو چکا ہے۔

جناب او-پی گھئی نے قرآن کی منتخب آیات کا مطالعہ اور اس کے ماحصل کو Selection from the Quran کے عنوان کے تحت شائع کیا ہے۔ کتاب کے عنوان سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ محمد علی جوہر کی مذکورہ بالا کتاب سے کس قدر متاثر تھے کہ انھوں نے اپنی کتاب کا نام بھی بعینہ وہی رکھا ہے جو محمد علی جوہر کی کتاب کا ہے۔ ڈاکٹر مفتی محمد اعظم ندوی کے بقول مصنف نے اپنی کتاب میں انتہائی عملی نوعیت کی حامل آیات کا انتخاب کیا ہے اور قرآن کے فلسفہ اور اس کی تعلیمات کو ایک نظر میں اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ ڈاکٹر وزیر حسن صاحب نے اس کتاب کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے لکھا ہے مصنف نے 'اسلام جیسے مکمل اور مجموعہ حسنات مذہب کی بہترین تعلیمات کو اس کتاب میں اکٹھا کر دیا ہے جن کا جاننا ہر ایک کے لیے ضروری ہے۔ بلاشبہ اس کتاب کی وہی قیمت ہے جو خود قرآن کی ہے، مختصراً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ کتاب آج کے دور کا قرآن ہے'۔

ڈاکٹر وزیر حسن کے بقول مصنف نے اس کتاب میں حسب ذیل اسلام کے پانچ بنیادی اصول کا ذکر کیا ہے جن کی پیروی کرنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہیں:

- اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔
- فرض نمازوں کو پابندی سے ادا کرنا۔
- صدقہ و خیرات کرنا، والدین، یتیم، پڑوسی اور اجنبی اشخاص کے حقوق کا خیال رکھنا۔
- رمضان کے روزے رکھنا۔
- حج کی ادائیگی۔

یہ کتاب انسٹیٹیوٹ آف پرسنل ڈیولپمینٹ، اسٹرلنگ پبلیکیشن، نئی دہلی سے 1992 میں شائع ہوئی ہے۔ پروفیسر رشید الدین صاحب نے اس کتاب کا مقدمہ لکھا ہے۔

- سی ای مودی راج: سی ای مودی راج جنوبی ہند کے رہنے والے ہیں اور پیشہ سے انجینئر ہیں۔ انھوں نے "قرآن شریف کی عظمت" نامی کتاب مرتب کی ہے جس میں اپنے پسندیدہ موضوعات کے حوالہ سے قرآنی آیات کو یکجا کیا گیا ہے۔ ہندو محققین کے فراہم کردہ ذخیرہ اسلامیات میں غالباً یہ اکلوتی کتاب ہے جو براہ راست اردو زبان میں لکھی گئی ہے کہ اس ذخیرہ اسلامیات کی اکثر کتابیں انگریزی اور کچھ ہندی و دیگر زبانوں میں لکھی گئی ہیں۔

ڈاکٹر وزیر حسن صاحب پیش کردہ تعارف کے بموجب قرآن کی تعلیمات آفاقی ہیں اور وہ کسی خاص گروہ وطبقہ کے ساتھ مخصوص

نہیں ہیں۔اس کتاب میں صرف چار قرآنی موضوعات-حمد باری، قوانین جنود،احکام عامہ اور رفاہی قوانین-کااحاطہ کیا گیا ہے کہ مصنف کے بقول ان چاروں موضوعات سے قرآن کی عظمت کھل کر سامنے آتی ہے۔مصنف نے مذکورہ بالا چاروں موضوعات سے متعلقہ آیات کو اپنی کتاب میں اکٹھا کر دیا ہے لیکن اپنی کوئی رائے یا تنقید یا وضاحت پیش نہیں کی ہے۔تاہم ان کے اختیار کردہ موضوعات سے قرآن کی عظمت نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے،خاص طور سے جہاں جنگی قوانین کا ذکر کیا گیا ہے اس سے قرآن کی عظمت دوگنی ہو جاتی ہے۔

60 صفحات پر محیط یہ کتاب ابوالکلام اورینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، حیدرآباد سے شائع ہوئی ہے لیکن سنہ اشاعت مذکور نہیں ہے۔

مگن لال اے-بوچ: مگن لال اے-بوچ کا شمار مذہبی موضوعات پر قلم اٹھانے والے اہم مصنفین میں ہوتا ہے۔ان کے مطالعہ کا محور مختلف مذاہب کی اخلاقی تعلیمات ہے۔دیگر مذاہب کے ساتھ ساتھ انھوں نے اسلام کی اخلاقی تعلیمات کا جائزہ Ethics of the Quran نامی کتاب میں لیا ہے۔129 صفحات پر مشتمل یہ کتاب بڑودہ سے 1977 میں شائع ہوئی تھی۔ہندو علماء و مفکرین کی قرآنی خدمات از ڈاکٹر وزیر حسن/ڈاکٹر اورنگ زیب اعظمی کے متن میں اس کتاب کا سنہ اشاعت 1997 درج ہے جب کہ کتاب کے مراجع و مصادر میں کتاب کا سنہ اشاعت 1977 ہی مذکور ہے۔

اس کتاب میں مصنف نے برادران وطن کو اس بات پر ابھارا ہے کہ وہ اسلام کی روح کو سمجھنے کی کوشش کریں اور ان قرآنی اصولوں کا احترام کریں جن کا ذکر ان کے شاستروں میں بھی ملتا ہے۔

ڈاکٹر وزیر حسن صاحب کے بقول یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے۔پہلے حصہ میں قرآن کے فلسفیانہ پہلو کی وضاحت کرتے ہوئے خدا کے موجود ہونے کو ثابت اور توحید کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے قرآنی اصولوں کے فائدے بھی درج کیے گئے ہیں۔اسی حصہ میں نماز، حج، روزہ، قرآن کے فلسفہ ایمان و عمل، وحی، اصول ثواب و عذاب، توبہ، ایمان، آخرت اور یوم حساب وغیرہ پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

کتاب کا دوسرا حصہ سات ابواب پر مشتمل ہے جن میں عملی زندگی کا تصور، مال وزر سے اجتناب، انسان کے جذباتی پہلو، محنت ومشقت، صبر، انسانی حقوق، صداقت، اخلاص، ایفائے وعدہ، تقسیم میراث، عدل اور نفاذ عدل، شادی کا مقصد اور اس کے اصول وضوابط، والدین، اولاد و بیوی وغیرہ کے حقوق، قرآن کا ثقافتی اور تعلیمی تصور، اہل کتاب کے ساتھ برتاؤ اور حق و باطل کی جنگ وغیرہ جیسے موضوعات پر بحث کی گئی ہے۔

ڈاکٹر وزیر حسن صاحب نے اس کتاب کی اہمیت کو ان الفاظ میں اجاگر کیا ہے: "سب سے اہم اور قابل ستائش بات یہ ہے کہ ہر بات کو اتنے یقین اور قرآنی دلائل سے سمجھایا گیا ہے کہ مصنف کے ارداہ و خیال کو سمجھنے میں کوئی التباس یا شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی ہے۔واقعہ یہ ہے کہ یہ کتاب صرف قرآنی فلسفہ اخلاق کو ثابت نہیں کرتی بلکہ صحیح اسلامی پیغام کے بارے میں پوری معلومات فراہم کرتی ہے"

-ڈاکٹر این کے سنگھ کا قرآنی انسائیکلوپیڈیا: قرآنیات کے ضمن میں ڈاکٹر این کے سنگھ، ڈائریکٹر بین الاقوامی مرکز مذہبی مطالعات کی مرتب کردہ قرآنی انسائیکلوپیڈیا ''Encyclopedia of the Holy Quran'' کا بھی ذکر کیا جاسکتا ہے جس میں تقریبا 1300 موضوعات کے تحت مقالات اکٹھا کیے گئے ہیں۔

10.2.4 قرآن کے ضمنی مطالعات

قرآن کا براہ راست مطالعہ کرنے والی مذکورہ بالا کتب کے علاوہ حسب ذیل کتب میں بھی قرآن کا ضمنی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ان کتب کا مختصر تعارف پروفیسر ضیاالدین ملک صاحب نے اپنی کتاب ''ہندو محققین کا مطالعہ قرآن وسیرت'' میں کرایا ہے۔ صفحات کی قلت کی وجہ سے صرف کتب کے نام درج کرنے پر اکتفا کی جا رہی ہے:

- Comparative Religion از رام شنکر سریواستو، منشی رام منوہر پبلشرز، نئی دہلی 1974۔
- The Historical Role of Islam از ایم این رائے، Renaissance Publishers، کلکتہ، 1958۔
- Influence of Islam in Indian Culture از ڈاکٹر تاراچند، انڈین پریس، الہ آباد، 1976۔
- New Light on Islam از پنڈت مہادیو شاستری دیویکر، ہندو سماج سدھار، میرج، 1943۔
- Islamic Fundamentalism in Asia از پروفیسر جے۔جی۔ تیواری، ہیومنسٹ پبلیکیشن، علی گڑھ، 1987۔

10.2.5 ہندو دانشوران کے قرآنی مطالعات کی اہمیت وافادیت

ہندو مصنفین و محققین کا فراہم کردہ ذخیرہ اسلامیات کا سب سے بڑا حصہ قرآن کے تراجم اور اس کے مطالعہ پر مبنی ہے۔ یہ تراجم و مطالعات ثانوی حیثیت رکھنے کے باوجود اپنے آپ میں اس قابل ہیں کہ ان کا مطالعہ کیا جائے اور ان سے استفادہ کرتے ہوئے ان میں درج ہو جانے والی غلط معلومات یا غلط فہمیوں کو دور کرنے کی سنجیدہ کوشش کی جائے۔ ڈاکٹر وزیر حسن صاحب نے برادران وطن کی قرآنی خدمات قرآن اور ان کی کاوشوں کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ ان غیر مسلم علما نے جو کوشش کی ہے وہ ایک دوسرے کے دین کو سمجھنے کی روح کو تقویت پہنچاتی ہے۔ یہ ہندوستان کی سیکولر عادت کا ایک عجیب تعاون ہے۔ یہ بھی ممکن ہے ان کا یہ کام آج کے دور میں باہمی مفاہمت میں ایک اہم اور فعال رول ادا کر سکتا ہے''۔

پروفیسر ضیاء الدین ملک فلاحی صاحب نے قرآن کا مطالعہ کرنے ولے ہندو اہل علم اور دانشوران کو تین زمروں میں تقسیم کرتے ہوئے ان کے مطالعہ قرآن کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ '' برداران وطن کی ایک بڑی تعداد کو اس بات کا اعتراف ہے کہ قرآن کی سماجی، معاشی، اخلاقی اور روحانی تعلیمات نے انسانی تہذیب وثقافت کو فیوض و کمالات سے مالامال کیا ہے۔ تاہم ان کے درمیان مباحثہ و مناقشہ کا ایک بڑا موضوع قرآن کا من جانب اللہ ہونا یا وحی الٰہی ہونا ہے''۔

10.3 حدیث نبوی

ہندو مؤلفین و محققین نے قرآن کے مقابلہ میں حدیث نبوی کی جانب بہت کم توجہ دی ہے بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلامیات کا یہ بنیادی موضوع پر ہندو مؤلفین و محققین نے بالکل توجہ نہیں دی۔ اس کی ایک بنیادی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ احادیث نبویہ کے تراجم کا دیگر زبانوں میں بہت ہی کم پایا جانا ہے۔ حدیث کے مقابلہ میں مختلف زبانوں میں قرآن کے تراجم کا آغاز صدیوں پہلے ہو چکا تھا لہذا غیر مسلم محققین

و مؤلفین نے ان تراجم کی مدد سے قرآن اور اس کی تعلیمات کا مطالعہ کیااور وہ احادیث کے تراجم کی عدم موجودگی کی وجہ سے اسلام کے دوسرے بنیادی مصدر کا مطالعہ کرنے سے محروم رہ گئے۔ یہ الگ بات ہے کہ متعدد ہندو دانشوران نے اپنی اپنی کتابوں میں حدیث کے مطالعہ کو ضمنی طور پر پیش کیا ہے۔

مصادر میں حدیث کے براہ راست مطالعہ کے ضمن میں برادران وطن کی صرف دو کاوشوں کا ذکر ملتا ہے جن میں سے ایک کا تعلق حدیث کے ترجمہ سے ہے یعنی مشکوۃ المصابیح کے نامکمل بنگالی ترجمہ از گریش چندرا بوس جس کا ذکر پچھلی اکائی میں کیا جا چکا ہے۔

حدیث کا براہ راست مطالعہ پیش کرنے والی کتاب کا نام Understanding Islam Through Hadis ہے جس کے مصنف مجاہد جنگ آزادی رام سوروپ ہیں۔اس کتاب کا مختصر تعارف پروفیسر ضیاالدین ملک نے اپنی کتاب ''ہندو محققین کا مطالعہ قرآن وسیرت'' کرایا ہے۔ان کی پیش کردہ معلومات کے مطابق یہ کتاب ڈاکٹر عبدالحمید صدیقی کے '' صحیح مسلم '' کے انگریزی ترجمہ سے مستفاد ہے اور 1983 میں پہلی بار امریکہ سے شائع ہوئی تھی اور اسلام اور اس کے پیغمبر کی منفی تصویر پیش کرتی ہے۔ان کے بقول ''رام سوروپ متشدد ہندو منصف ہے۔مذہب اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ کے بعض پہلوؤں پر سخت تنقیدی نگاہ ڈالتا ہے چنانچہ پیغمبر اسلام کی حیات طیبہ کو خود ان کی احادیث میں ناقدانہ طور پر جانچنے کی کوشش کی ہے۔ہر جگہ عدم اطمینان کا اظہار کرتا ہے،بسا اوقات جارحانہ انداز اختیار کرتا ہے''۔

کتاب کا تجزیہ کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں''احادیث کے ذریعہ تعلیمات نبوی اور سیرت نبوی کی تفہیم کا یہ پہلا نمونہ ہے جو ایک ہندو دانشور کی جانب سے ظہور پذیر ہوا لیکن معروضیت اور حقیقت پسندی کی کمی اور جانبداری اور تعصب نے اس کی خدمت کو ناقابل التفات بنادیا''۔

ڈاکٹر ضیاالدین ملک کے مذکورہ بالا تعارف سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کتاب بھی احادیث کا براہ مطالعہ نہیں کرتی ہے بلکہ احادیث کی روشنی میں آپ ﷺ کی عظیم شخصیت اور کارناموں کو اجاگر کرتی ہے۔غالبا کتاب کے اسی پہلو کے پیش نظر پروفیسر ضیاالدین ملک نے اس کتا ب کا تعارف سیرت نبوی پر لکھی جانے والی''غیر مستقل تصانیف'' کے ضمن میں کیا ہے۔

10.4 مطالعہ سیرت نبوی

اسلامی تعلیمات کے تیسرا مصدر سیرت نبوی ہے۔آپ ﷺ کی حیات طیبہ تمام انسانیت کے لیے اسوہ ونمونہ ہے۔ہندو اہل علم و قلم نے جس طرح قرآن کو اپنے مطالعات کا محور بنایا تھا اسی طرح انھوں نے آپ ﷺ کی ذات والا صفات کی حیات وخدمات کے مطالعہ کو اپنی توجہات کا مرکز بنایا ہے جس پر قرآن جیسی پاک ومحترم کتاب نازل ہوئی تھی۔پروفیسر ضیاالدین ملک صاحب نے برادران وطن کے مطالعہ سیرت نبوی کو ان کے ذریعہ فراہم کردہ ذخیرہ اسلامیات کا ایک اہم عنوان قرار دیا ہے جن کا معروضی مطالعہ غور وفکر کے نئے زاویوں کو پیش کرنے اور عصبیت ومنافرت کی فضا کو رواداری میں تبدیل کرنے کا سبب بن سکتا ہے۔انھوں نے ہندو دانشوارن کے مطالعات سیرت سے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش ہے کہ ہندوستان کے باشندگان اسلام کے بالکل ابتدائی زمانہ کے حالات جیسے شق القمر وغیرہ سے واقف تھے۔

برادران وطن کے مطالعات سیرت نبوی کو براہ راست مطالعہ سیرت نبوی اور ضمنی مطالعہ سیرت نبوی میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ یہ

مطالعات انگریزی، ہندی اور اردو زبان میں پیش کیے گئے ہیں۔

10.4.1 براہ راست مطالعہ سیرت نبوی

آپ ﷺ کی حیات طیبہ کا براہ راست مطالعہ کرنے والے برادران وطن نے اپنے مطالعات کو انگریزی، ہندی اور اردو میں پیش کیا ہے جن میں سے کچھ نے اعتدال ورواداری کے ساتھ اپنے مطالعہ کے مثبت ماحصل کو پیش کیا ہے تو کچھ نے نفرت اور تعصب کے ساتھ سیرت نبوی کا منفی مطالعہ کیا ہے۔

براہ راست مطالعہ سیرت نبوی (انگریزی کتب)

- Muhammad : The Prophet of Islam

اس کتاب کے مصنف نشیکانتا چٹو پادھیائے ہیں جنھوں نے بعد میں اسلامی تعلیمات سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا تھا۔ پروفیسر ضیا الدین ملک کے بقول ان کا اسلامی نام محمد عزیزالدین تھا اور مذکورہ کتاب دراصل ان کا ایک لیکچر ہے جو انھوں نے 1904 میں چھدر گھاٹ، حیدرآباد دکن میں پیش کیا تھا۔ اس مختصر کتاب میں انھوں زمانہ جاہلیت پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ ﷺ کی ولادت وباسعادت، ابتدائی حالات، اولین اسلام لانے والے، قریش کا معاندانہ رویہ، مکہ میں اسلام کی اشاعت اور مسلمان ہونے والے افراد کی تعداد میں روز وبروز اضافہ، ہجرت مدینہ، مدینہ کا دس سالہ قیام، غزوات اور تعدداز دواج کا دفاع اور اخلاق نبوی وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔

پروفیسر ضیاالدین ملک نے اس کتاب کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے ''سیرت رسول کے بیان کردہ حصوں کی معقول تشریح اور الزامات کا علمی دفاع اس کتاب کی امتیازی صفت اور اس کی نمایاں شان ہے۔ اس کتاب میں تاریخ کا صحیح شعور پیش کیا گیا ہے''۔

- Muhammad : The Prophet of Islam

سیرت نبوی کے تمام اہم پہلوؤں کا احاطہ کرنے والی اس معتبر کتاب کے مصنف پروفیسر رام کرشنا راؤ، صدر شعبہ فلسفہ، میسور یونیورسٹی ہیں۔ اس کتاب کے معتبر ہونے کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کا متعدد زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے اور اس کا شمار عالمی پیمانہ پر لکھی جانے والی کتب سیرت میں ہوتا ہے۔ اس کتاب میں سیرت نبوی کے مختلف نقوش وجہات کو مثبت انداز میں پیش کیا گیا ہے اور سیرت نبوی کی روشنی میں اسلامی تعلیمات کا ذکر کیا گیا ہے۔

اس کتاب کی ایک اہم خصوصیت کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر ضیاالدین ملک نے لکھا ہے کہ مصنف نے آپ ﷺ کے اخلاق وکردار کے شواہد مغربی مصادر سے اکٹھا کیے ہیں جس کا فوری فائدہ یہ حاصل ہوتا ہے قاری سیرت نبوی کے غیر متعصب مغربی مصنفین کے ساتھ ساتھ متعصب مغربی سیرت نگاران کے مثبت احساسات وافکار سے واقف ہو جاتا ہے۔ غیر متعصب مستشرقین اور معتدل ہندو مصنفین کتابوں سے استفادہ کی وجہ کتاب کا علمی وزن بڑھ گیا ہے

- Prophet Mohammad and His Companions

اس کتاب کے مصنف انٹر نیشنل سینٹر فار ریلیجیس اسٹڈیز، نئی دہلی کے ڈائریکٹر ڈاکٹر این کے سنگھ ہیں۔اس کتاب کا بنیادی مقصد آپ ﷺ اور صحابہ کرام کی سیرت اور تعلیمات کو پیش کرنا ہے۔پروفیسر ضیاالدین ملک صاحب کی فراہم کردہ معلومات کے مطابق کتاب کے صرف چند ابتدائی صفحات میں آپ ﷺ کی حیات طیبہ اور تعلیمات کو بہت ہی مختصر انداز میں پیش کیا گیا ہے (21 صفحات) جب کہ کتاب کے سینکڑوں باقی ماندہ صفحات (365) میں 59 ممتاز صحابہ کرام اور ان کی تعلیمات کا ذکر کیا گیا ہے۔سیرت نبوی کے لیے مختص کیے گئے صفحات میں عہد جاہلیت کی مذہبی و سماجی صورت حال، ولادِ باسعادت، حلف الفضول، غور و فکر کا آغاز، وحی کا نزول، مقصد بعثت، سماجی بائیکاٹ، معراج کا واقعہ، ہجرت مدینہ، امت کی تشکیل، باطل کے خلاف محاذ آرائی، صلح حدیبیہ، آخری حج، وفات، امت کے لیے رہنما خطوط جیسے مباحث کا ذکر کیا گیا۔

10.4.2 براہ راست مطالعہ سیرت نبوی (دیگر زبانوں کی تصانیف)

برادران وطن میں جہاں اپنے مطالعات سیرت کو انگریزی کے قالب میں پیش کیا ہے وہیں دیگر زبانوں میں بھی اسے قلم بند کیا ہے۔دیگر زبانوں میں سیرت نبوی کی حسب ذیل کتب لکھی جاچکی ہیں:

- **سوانح عمری حضرت محمد صاحب بانی اسلام از شر دھے پر کاش دیو**

سات ابواب پر مشتمل اس کتاب کے مقدمہ مصنف پر ماہ اپریل 1907، برمہ مندرد رج ہے۔یہ کتاب آپ ﷺ کی زندگی کے حوالہ سے پھیلی ہوئی غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لیے لکھی گئی تھی۔کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا کہ لاہور کے کئی اخبارات میں اس پر تبصرے اور تجزیے شائع ہوئے ہیں۔اس کتاب میں آپ ﷺ کی سوانح عمری کو تاریخی ترتیب کے اعتبار سے بیان کیا گیا ہے۔

- **رسول عربی یعنی پیغمبر اسلام حضرت محمد صاحب کی سوانح عمری از گوردت سنگھ دارا، بیرسٹر ایڈوکیٹ لاہور ہائی کورٹ**

اس کتاب میں بغیر کسی تعصب کے رسول اکرم ﷺ کی سیرت کو اول تا آخر بیان کیا گیا ہے۔اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس پر مقدمہ علامہ سید سلیمان ندویؒ جیسے بالغ النظر سیرت نگار نے لکھا ہے اور مصنف کی بے تعصبی اور توحید پسندی کی ستائش کی ہے۔

- **عرب کا چاند از سوامی لکشمن**

اردو میں لکھی جانے والی کتب سیرت میں اس کتاب کو سب سے عمدہ اور اچھی کتاب قرار دیا جاتا ہے۔بقول پروفیسر ضیاالدین ملک "حقائق سیرت کا بیانیہ اس قدر دلچسپ اور شیریں ہے کہ لکشمن پرشاد کی تحریر پر کسی محب رسول کا شبہ ہوتا ہے۔پوری کتاب میں اردو معربی فارسی اور انگریزی کے منثور و منظوم اقتباسات کے ذریعہ کتاب کا ادبی پہلو نکھرا ہوا ہے۔مصنف کی منصف مزاجی سطر سطر میں گندھی ہوئی ہے۔...... کہیں کہیں بے اعتدالی نظر آتی ہے جس کا انھیں غالباً احساس بھی نہیں ہوا ہوگا۔مثلاً آپ ﷺ طائف کے سفر سے مایوس و ناکام لوٹے، ایک جگہ آپ ﷺ کو جادو گر کہہ دیا ہے، حجرت زینب بنت جحش سے شادی کے واقعہ کو عشقیہ رنگ دے دیا ہے"۔

- **حضرت محمد اور اسلام از سندر لال**

اس کتاب کے مصنف گیتا اور قرآن کا معروضی مطالعہ کرنے والے سندر لال ہیں۔ یہ مختصر سی کتاب دراصل یوم میلاد النبی کی مناسبت سے محمد علی پارک، الہ آباد کے جلسہ میں پیش کیا جانے والا خطبہ ہے اور پہلی اردو میں مفید سلمی پریس، لاہور سے 1933 شائع ہوئی تھی بعد ازیں اسے آسان ہندی میں منتقل کر کے شائع کیا گیا تھا۔

اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے اس کا پی شلفظ مشہور مؤرخ بی این پانڈے نے لکھا ہے اور اس کا مسودہ مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا حسین احمد مدنی جیسے اہل علم نے ملاحظہ کیا تھا۔ اس کتاب میں آپ ﷺ کی شخصیت اور تعلیمات کو احادیث کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں بقول پروفیسر ضیا الدین ملک ''انساف پسند مستشرقین کے حوالے بھی پیش کیے گئے ہیں۔ کتاب میں عقیدت کے جذبات کا اظہار کیا گیا ہے تاہم بہت سی کمزور روایات سے بھی مدد لی گئی ہے''۔

- **حضرت محمد کا آدرش از شری نھورام**

اس کتاب میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے آپ ﷺ کی بعثت پوری انسانیت کی خاطر کی گئی تھی اور آپ کو رہتی دنیا تک کے لیے آخری پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہے۔ اس کتاب میں آپ ﷺ کے اخلاق کریمانہ اور دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک کا خاص طور سے ذکر کیا گیا ہے۔ پروفیسر ضیاالدین ملک اس کتاب کو اس لائق سمجھتے ہیں کہ اسے برادران وطن کے مطالعہ کے لیے پیش کیا جائے تاکہ ان کے ذہن میں اسلام اور اس کے پیغمبر کے متعلق بیٹھی ہوئی غلط فہمیاں دور ہو سکیں۔

- **نرآشنس اور آخری رسول از پنڈت وید پرکاش اپادھیائے**

اس کتاب میں ویدوں کے بیانات کی روشنی میں آپ ﷺ کی رسالت کی تصدیق محققانہ انداز میں کی گئی ہے۔ پروفیسر ضیاالدین ملک کے مطابق ''نرآشنس'' دو الفاظ ''نر'' اور ''آشنس'' کا مرکب ہے۔ اول الذکر کا مطلب انسان اور آخر الذکر کا مطلب قابل تعریف اور لائق ستائش ہے اور دونوں جز کا مطلب ''قابل تعریف انسان'' ہے۔ رگ وید میں ''نرآشنس'' کی تین صفات بیان کی گئی ہیں جو آپ ﷺ پر پوری طرح صادق آتی ہیں۔

- **مہاکاویّے حضرت محمد ﷺ از سگن چند مکتیش**

119 صفحات پر مشتمل یہ کتاب مدھر سندیش سنگم سے 2003 میں شائع ہوئی ہے۔ ڈھائی ہزار اشعار پر مشتمل اس کتاب میں آپ ﷺ کی سیرت کو منظوم شکل میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا مقدمہ قرآن کے ہندی مترجم مولانا محمد فاروقؒ نے لکھا ہے اور اسے سیرت کی پہلی منظوم قرار دیا ہے۔ اس کتاب کا ایک پس منظر ہے جس کا ذکر سیرت نگار نے اپنے مقدمہ میں کرتے ہوئے لکھا ہے کہ 1982 میں سیرت نبوی کے موضوع پر انھوں نے چند اشعار کہے تھے۔ انھیں دیکھ کر مولانا محمد فاروقؒ نے اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ پوری سیرت کو منظوم انداز میں پیش کر دیں۔ ان کی ترغیب اور خواہش کے احترام کے پیش نظر درجنوں کتابوں کے مطالعہ کے بعد 2001 میں اس کتاب کو مکمل کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ بقول پروفیسر ضیاالدین ملک اس کتاب میں صحیح عقیدہ کے مطابق تاریخ وسیرت کو ہندی شاعری کے قالب عطا کیا گیا ہے۔ البتہ جا بجا غلو کی کیفیت پائی جاتی ہے۔

- **محمد کھنڈ کاویہ از ڈاکٹر رام پرساد مشرا**

ڈاکٹر رام پرساد مشرا نے اس کتاب میں آپ ﷺ کی حیات طیبہ کو منظوم انداز میں پیش کیا ہے۔ ڈیڑھ ہزار اشعار پر مشتمل اس کتاب میں آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کے اہم پہلوؤں کو پیش کیا گیا ہے اور جابجا مفہوم کو واضح کرنے کے لیے حواشی لکھے گئے ہیں۔

10.4.3 ضمنی مطالعہ سیرت نبوی (انگریزی تصانیف)

قرآن وحدیث کی طرح سیرت نبوی کا بھی ضمنی مطالعہ برادران وطن نے متعدد کتب میں کیا ہے۔ پروفیسر ضیاالدین ملک فلاحی کے بقول حسب ذیل کتب میں سیرت نبوی کا ضمنی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ ان کتب کا مختصر اتعارف پروفیسر فلاحی کی فراہم کردہ معلومات کی روشنی میں کرایا جارہا ہے:

- **Glances at Islam Everyman's Primer of Tolerance از والجی گوند دیسائی**

یہ کتاب پہلی بار احمد آباد، نوجیون ٹرسٹ کی جانب سے 1938 میں اور دوسری بار 1959 میں شائع ہوئی تھی جس کا پیش لفظ سابق صدر جمہوریہ ڈاکٹر ذاکر حسین نے لکھا تھا۔ یہ کتاب تین ابواب پر مشتمل ہے جس میں مصنف سیرت سے مثبت استفادہ کیا گیا ہے اور مسلمانان عالم کو یہ صلاح دی گئی ہے کہ وہ آپ ﷺ کی سیرت مبارکہ کو دنیا کے سامنے ایک اسوہ کے طور پر پیش کریں۔ اس کتاب کے مطالعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کوئی عاشق رسول، قرآن احادیث اور تاریخ کے واقعات کی روشنی میں صحیح تاریخی حقائق سے عقدہ کشائی اور دین کی تبلیغ کرتا چلا جارہا ہے۔ اسی طرح وہ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ اسلام کی شبیہ کو صاف کرنا صرف مسلمانوں کا ہی کام نہیں ہے بلکہ دیگر مذاہب کے ماننے والوں کو بھی اس ذمہ داری کو ادا کرنے میں پیش قدمی کرنا چاہیے۔

- **The Historical Role of Islam از ایم این رائے**

سات ابواب پر مشتمل یہ کتاب ایم این رائے نے جیل میں رہتے ہوئے لکھی تھی۔ اس کتاب میں قرآن، اسلام اور پیغمبر اسلام اور ان کی تعلیمات پر نئے انداز میں گفتگو کی گئی ہے اور بتایا ہے کہ برصغیر میں مسلمانوں کا داخلہ بے شمار فوائد و برکات کا سبب بتاتے ہوئے برادران وطن کو مشورہ دیا ہے کہ انھیں مسلمانوں کے تعلق سے منفی خیالات کو اپنے دماغ سے نکال دینا چاہیے۔ اسی طرح انھوں نے اس بات کا بھی اعتراف کیا ہے ہندوستان میں توہمات اور جاہلانہ تصورات کو ختم کرنے والی تحریکات کا منبع ومصدر تعلیمات نبوی ہیں جن کی ترسیل مسلمانوں کے ذریعہ ہندوستان میں ہوئی تھی۔ انھوں نے اپنی کتاب میں اس الزام کا بھی بھرپور دفاع کیا ہے کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا تھا۔

ایم این رائے کی کتاب کا پانچواں باب سیرت نبوی اور تعلیمات نبوی کے لیے مختص کیا گیا ہے۔ اس باب میں انھوں نے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ آپ ﷺ میں وہ تمام صفات پائی جاتیں ہیں جو کسی بھی آفاقی شخصیت کے لیے ضروری ہوتی ہیں۔ سیرت نبوی پر ایک اچھا مواد پیش کرنے والی اس کتاب میں کچھ غلطیاں بھی در کر آئیں ہیں جیسے معراج اور وحی کی ترجمانی صحیح انداز میں نہیں کی گئی ہے۔ اسی طرح وہ کارہائے محمد کی پذیرائی تو کرتے ہیں لیکن نبوت کو الہامی نہیں مانتے ہیں۔

- **Influence of Islam on Indian Culture از تاراچند**

الہ آباد یونیورسٹی کے شعبہ سیاسیات کے سابق صدر تاراچند کا شمار ان سماجی مؤرخین میں ہوتا ہے جنھوں ہندوستان پر اسلامی تہذیب وتمدان کے اثرات پر بے لاگ تبصرہ کیا ہے۔ تاہم وہ کہیں کہیں اپنی آرا کو پیش کرنے میں اعتدال وتوازن میں بخل سے کام لیا ہے۔ انھوں نے اس کتاب میں اسلامی تعلیمات اور دیگر مذاہب کی تعلیمات کے درمیان یکسانیت تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ شنکرا(Shankara)، رامانج(Ramanuj)اور دیگر مصلحین اسلامی تعلیمات سے متاثر ہیں۔

اس کتاب کا تجزیہ کرتے ہوئے پروفیسر ضیاالدین ملک نے لکھا ہے کہ وہ ہندوستان میں اسلام کی برکات کے قائل ہیں لیکن سیرت رسول کے مطالعہ میں متوازن ومعتدل تاریخی شعور سے عاری نظر آتے ہیں جیسے وہ آپ ﷺ کو ایک عام مذہبی شخصیت و مصلح اور ایک ایسا صوفی قرار دیتے ہیں جس نے تصوف کے درمیان اعتدال کی راہ ہموار کی تھی۔

- **The Sprit and Struggle of Islam از پروفیسر ٹی ایل واسوانی**

پروفیسر ٹی ایل واسوانی کی مذکورہ کتاب میں جا بجا آپ ﷺ کو اللہ کا پیغامبر قرار دیا گیا ہے اور آپ ﷺ کو ایک ہیرو گردانا گیا ہے جس نے انسانی تاریخ پر مثبت اثرات مرتب کیے تھے۔ اسی طرح تعلیمات نبوی کو بھی برتر و بہتر ثابت کیا گیا ہے آپ ﷺ نے انسانیت کے حوالہ سے جو تعلیمات چھٹی صدی عیسوی میں دی تھیں ان کی اہمیت وافادیت کا ادراک برطانیہ کو بہت بعد میں ہوا تھا۔ مصنف نے اس بات کی جانب بھی اشارہ کیا ہے آپ ﷺ منصب نبوت پر فائز ہونے کے باوجود اپنے معاشرہ میں ایک عام انسان کی طرح زندگی گزارتے تھے اور غالباً آپ ﷺ کی تعلیمات سے متاثر ہو کر گوتم بدھ نے کہا تھا میں بھی ایک انسان ہوں۔

- **Comparative Religion از ڈاکٹر راما شنکر سریواستوا**

اس کتاب میں بنیادی طور پر سامی مذاہب (یہودیت، عیسائیت اور اسلام) اور مشرقی مذاہب (ہندومت، بدھ مت اور جین مت) کا تقابلی پیش کیا گیا ہے اور مطالعہ اسلام کے ضمن میں آپ ﷺ کی ذات والا باصفات پر بھی اظہار خیال کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں آپ ﷺ کے مقام ومرتبہ کے ساتھ ساتھ تعلیمات نبوی کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ مصنف نے جہاں اس کتاب میں معروضی مطالعہ پیش کیا ہے وہ کہیں کہیں وہ ہندو عصبیت کا بھی شکار ہو جاتے ہیں اور تاریخ کا غیر منطقی تجزیہ کر بیٹھتے ہیں۔

- **Theories of Government in Islam از سامنتا**

سامنتا ایک مارکسی منصف ہیں۔ 1985 میں شائع ہونے والی اس کتاب میں انھوں نے سماجی اور سیاسی سطح پر انسانوں کی ترقی کے ضمن میں کارہائے نبوت کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ مصنف نے حتی المقدور کوشش کی ہے کہ اسلام کے مختلف طرز حکومت پر گفتگو کا آغاز تعلیمات نبوی سے کریں۔ یہ الگ بات ہے کہ انھوں نے ہر جگہ اسلام کی خوبیوں کو کارل مارکس اور ان کے پیروان کار کے افکار وخیالات کے مشابہ قرار دینے کی کوشش کی ہے۔ اس کتاب کا امتیازی پہلو یہ ہے کہ مصنف نے فکری طرز ومنہاج میں سیرت نبوی سے رہ نمائی حاصل کی ہے اور جا بجا انسانی تمدن کی اعلی قدروں کو تعلیمات نبوی میں تلاش کرنے کی سعی کی ہے۔ پروفیسر ملک فلاحی کے بقول مصنف بجا طور پر شکریے کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اپنی تحقیق کا موضوع اسلام، اسلامی حکومت اور سیاسی نظام کو بنایا اور اس ضمن میں اسوہ نبوی اور تعلیمات

نبوی پر غیر جانب دارانہ تبصرہ کیا ہے۔

- The Complete Works of Swami Viveka Nandaاز سوامی وویکانند

سوامی وویکانند کا شمار ہندومت کا احیا کرنے والے شمار ہوتا ہے۔ انھوں نے اپنے آٹھ جلدوں پر مشتمل اپنی تعلیمات کے مجموعوں میں آپ ﷺ کی شخصیت اور کارناموں کا اعتراف تو کیا ہے لیکن آپ ﷺ کی امتیازی شان کا اعتراف بخل کے ساتھ کیا ہے اور کہیں کہیں آپ ﷺ کی شخصیت کی تخفیف بھی کی گئی ہے۔ ان مجموعوں میں سیرت نبوی کی چند ہی جھلکیاں پیش کی گئی ہیں اور ان میں بھی تضاد پایا جاتا ہے۔

- **Understanding Islam Through Hadisاز رام سوروپ**

اس کتاب کا ذکر حدیث نبوی کے تحت کیا جا چکا ہے۔

- **Hindu View of Christianity and Islamاز رام سوروپ**

رام سوروپ کا شمار سیرت نبوی کا منفی مطالعہ پیش کرنے والوں میں ہوتا ہے۔ اس کتاب میں بھی انھوں نے مذہب اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کا منفی تصور پیش کیا ہے اور آپ ﷺ کی ذات والا صفات سے اپنی بے اطمینانی کا ظہار کیا ہے۔ انھوں نے مستشرقین کے خیالات کو اپنا ماخذ بناتے ہوئے آپ ﷺ کا وہی تصور پیش کیا ہے جو متعصب مستشرقین نے اپنی کتابوں میں پیش کیا ہے۔

- **New Light on Islamاز پنڈت مہادیو شاستری دیویکر**

پنڈت مہادیو شاستری دیویکر کا شمار ان ہندو محققین میں ہوتا ہے جنھوں نے اسلام اور اس کے پیغمبر ﷺ کی تعلیمات کا مطالعہ تعصب کی عینک لگا کر کیا ہے تاہم وہ اپنے تمام تر تعصبات کے باوجود اسلام کے ہندوستان پر احسانات کا اعتراف کرنے سے اپنے آپ کو بچا نہیں سکے ہیں۔ 128 صفحہ کی اس کتاب میں آپ ﷺ کا ذکر صرف بارہ صفحات (13تا24) پر مشتمل ہے تاہم پوری کتاب میں آپ ﷺ کا تذکرہ کسی نہ کسی حوالہ سے موجود ہے۔ بقول پروفیسر ضیاالدین ملک منفی رد عمل، عصبیت اور غیر متوازن فکر پر مبنی یہ کتاب، صاحب کتاب کی کج فہمی اور اسلام دشمنی کو ثابت کرتی ہے اور اس میں وہی بات دہرائی گئی ہیں جن کے قائل متعصب مستشرقین ہیں جیسے اسلام کا تلوار کے زور سے پھیلنا، قرآن کا ثقافت، آزادی اور صداقت کے خلاف ہونا، وفاداروں کو انعام سے نوازنا اور دشمنوں کو سزا دینا، اسلام میں مصالحت اور نرم خوئی کی گنجائش کا نہ ہونا اور عورت کا بے وقعت سمجھنا وغیرہ۔

اس کتاب کا دوسرا باب A Short Sketch of the life of Mohammad Paigambar آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کو مستشرقین کے افکار و خیالات کی روشنی میں منفی انداز میں پیش کرتا ہے۔ تاہم کہیں کہیں مثبت نقطہ نظر کی وضاحت کے لیے ایم این رائے جیسے مثبت سوچ رکھنے والے مصنف کا حوالہ بھی دیا گیا ہے۔

ضمنی مطالعہ سیرت نبوی (دیگر تصانیف)

مذکورہ بالا انگریزی تصانیف کے علاوہ دوسری زبانوں کی چند کتابوں میں بھی سیرت نبوی کا مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ ان میں سے چند کتابوں کا ذکر حسب ذیل سطور میں کیا جا رہا ہے:

- **پیغمبر محمد، قرآن اور حدیث از بشمبر ناتھ پانڈے**

یہ کتاب سیکولر ہندوستان کے سیکولر ہندو کا منھ بولتا ثبوت ہے۔ یہ کتاب انھوں نے بابری مسجد کے حوالہ سے پیدا کی جانے والی نفرتوں سے دل برداشتہ ہو کر لکھی تھی۔ اس کتاب کو ہندو محققین کے فراہم کردہ ذخیرہ اسلامیات میں اس لیے قابل ذکر ہے کہ وہ بیک وقت قرآن، حدیث اور سیرت نبوی تینوں کا غیر متعصب مطالعہ پیش کرتی ہے۔ اس کتاب کو تینوں موضوعات کے ضمنی مطالعہ کے تحت بھی رکھا جاسکتا ہے۔

- **اسلامیات از مالک رام**

مالک رام کا شمار ان چندے مصنفین میں کیا جاتا ہے جنھوں نے اسلامیات کے موضوع پر بے خوف و خطر اٹھایا ہے۔ اس ضمن میں ان کے مجموعہ مقالات ''اسلامیات'' کو بطور ثبوت پیش کیا جاسکتا ہے۔ یہ کتاب اسلام کے مختلف موضوعات پر سیر حاصل گفتگو کرتی ہے جن میں سیرت نبوی بھی شامل ہے۔ اس کتاب میں کے دو مقالات ''خلق عظیم'' اور ''افصح العرب'' براہ راست سیرت نبوی پر روشنی ڈالتے ہیں جب کہ ''لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ'' اور ''الاسلام'' میں ضمنی طور پر آپ ﷺ کی شخصیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

- **تہذیب اور اسلام از این سی مہتا**

اس کتاب میں اسلامی تہذیب کے خوبصورت خد و خال کو اجاگر کیا گیا ہے ضمناً اسلام اور آپ ﷺ کی سیرت مبارکہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ پروفیسر ضیاالدین ملک کے بقول مصنف اس کتاب میں اس بات کو اجاگر کیا ہے ہندو و عیسائی مذہب کے مقابلہ میں اسلامی تعلیمات زیادہ عملی ہیں اور دنیاوی ضروریات کو پورا کرتی ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کا پیغام ساری انسانیت کے لیے ہے اور آپ ﷺ انسانی نفسیات پر کامل عبور تھا کہ آپ ﷺ کی تعلیمات کی روانسان کا جمود و تعطل، فطری مطالبات کی رعاعت کرنے سے ٹوٹ سکتا ہے۔ ان کی یہ کتاب ان کی سلامت روی اور صحت مند شعور پر دال ہے۔

- **سیتار تھ پر کاش از مہار شی دیانند سرسوتی (1824-1883)**

مہارشی دیانند سرسوتی نے اسلام کا مطالعہ شدید تعصب کی عینک لگا کر کیا ہے۔ چودہ ابواب پر مشتمل ہندی میں لکھی جانے والی اس کتاب کو بقول پروفیسر ملک آریہ سماج کی بائبل کہا جاتا ہے جس میں اسلام کی حقانیت و صداقت کا مذاق اڑایا گیا ہے اور مقدمہ میں دیگر مذاہب پر اعتراضات سے گریز اور ہندو و مسلم کے درمیان پائی جانے والی خلیج کو کم کرنے کے ارادہ کے باوجود اسلام پر بے جا اعتراضات کی بھرمار کی گئی ہے۔ کتاب کا آخری باب اسلام کا منفی مطالعہ پیش کرتا ہے جو ساٹھ سے زائد صفحات (495-561) پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں خدا اور محمد ﷺ کا مذاق اڑایا گیا ہے اور اسلام کی بنیادی امور جیسے وحی اور معجزہ کا انکار کیا گیا اور قرآن کو علم و حکمت، ورع اور تقوی، امانت و دیانت اور صلاح و فلاح سے یکسر خالی قرار دیا گیا ہے۔

اسی کتاب میں قرآن کی کچھ آیات کا ترجمہ غلط ڈھنگ سے نقل کیا ہے جس پر مسلمانوں نے شدید اعتراضات کیے تھے جن کے پیش نظر پنڈت رام چندر جی نے اس کا از سر نو صحیح ترجمہ کیا تھا۔ اس ترجمہ کا ذکر پچھلی اکائی میں قرآن کے ہندی تراجم کے تحت کیا جاچکا ہے۔

کتاب میں آپ ﷺ کی غلط تصویر کشی کے جواب میں مولانا ابوالوفا ثنااللہ امر تسریؒ نے ''مقدس رسول'' نامی کتاب لکھی تھی۔

- **اسلام جس سے مجھے عشق ہے از عبداللہ اڈیار**

پروفیسر ضیاالدین ملک کی فراہم معلومات کے مطابق یہ کتاب عبداللہ اڈیار صاحب نے اس وقت لکھی جب وہ غیر مسلم تھے۔ یہ کتاب دراصل تمل زبان میں لکھی گئی تھی بعد ازیں اسے ہندی اور اردو کا قلب عطا کیا تھا۔ اسلامیات کے دیگر پہلوؤں کا احاطہ کرنے والی یہ کتاب آپ ﷺ کی سیرت پر بھی روشنی ڈالتی ہے اور آپ ﷺ کے بلند اخلاق ہونے کا ثبوت پیش کرتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اسلام اور سیرت سے متعلق الزامات اور شکوک کا جواب بھی معقول انداز میں دیا گیا ہے۔ اسی خاصیت کی بناپر اسے برادران وطن کو مطالعہ لیے پیش کرنا چاہیے۔

10.4.4 برادران وطن کے مطالعات سیرت نبوی کا ماحصل

پروفیسر ضیاالدین ملک فلاحی صاحب برادران وطن کے مطالعات سیرت نبوی کے ماحصل کو حسب ذیل نکات میں اجاگر کیا ہے:

- ہندو اصحاب علم کی سیرت نگاری میں مثبت پہلو غالب ہے۔ مثبت پہلو کی حامل اس سیرت نگاری میں غالی اور متشدد مصنفین جیسے رام سوروپ، پنڈت مہادیو شاستری دیویکر اور دیانند سرسوتی کی جانب سے کیے جانے والے اعتراضات کے مدلل جوابات دیے گئے ہیں۔ سیرت نبوی کو مثبت انداز میں پیش کرنے والے مصنفین میں این کے سنگھ، پروفیسر واسوانی اور پروفیسر کرشناراؤ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔
- چند ہندو سیرت نگار ایسے ہیں جنھوں نے اپنی قوم کو سیرت نبوی کا کھلے دل و دماغ کے ساتھ مطالعہ کرنے پر ابھارا ہے تاکہ ہندوستان کی سالمیت برقرار رہ سکے۔ اسی طرح انھوں نے اسلام کے متعلق غلط پروپیگنڈہ کے دفاع کو بھی اپنی ذمہ داری قرار دیا ہے۔ ان مصنفین میں پروفیسر کرشناراؤ، پروفیسر واسوانی اور ڈاکٹر چتوپادھیائے شامل ہیں۔
- بعض ہندو سیرت نگاران نے مغربی سیرت نگاران سے کسب فیض نہ کرتے ہوئے براہ راست اسلامی مآخذ سے استفادہ کیا ہے اور اپنی کتب کو مرتب کیا ہے جیسے جناب نشیکانتا صاحب۔
- کچھ ہندو سیرت نگاران نے معتدل مغربی سیرت نگاران سے استفادہ کرتے ہوئے اپنی کتب کو مرتب کیا ہے جیسے کرشناراؤ وغیرہ۔
- متعدد ہندو سیرت نگاران نے سیرت نبوی کا مطالعہ منفی انداز میں پیش کیا ہے اور آپ ﷺ کے کارناموں کو ہلکا ثابت کرنے میں اپنا سارا زور صرف کر دیا ہے۔ تاہم انھوں نے اپنی تمام تر عصبیت کے باوجود آپ ﷺ کے کارناموں کا اعتراف بھی کیا ہے اس پر مستزاد عصبیت اور منافرت بھی زبان کا استعمال اپنی کتب میں کیا ہے جیسے رام سوروپ اور پنڈت مہادیو شاستری دیویکر وغیرہ۔
- بعض ہندو سیرت نگاران آپ ﷺ کو دیگر پیغمبران و مصلحین کے مثل قرار دیتے ہوئے آپ ﷺ کی کسی بھی امتیازی صفت کا اعتراف نہیں کیا ہے۔

- ہندو سیرت نگاران کی ایک تعداد سوشلٹ نظریہ کی حامل ہے لہذا وہ آپ ﷺ کے نظریہ مساوات، خدمت خلق اور رفاہ عامہ کی سراہنا کی ہے جیسے ایم این رائے اور سانتا۔
- بہت سے محققین نے مستند ماخذ کی روشنی میں بغیر کسی تعصب کے اپنے خیالات کو سپرد قلم کیا ہے جیسے مالک رام، ایم این رائے اور این سی مہتا وغیرہ۔

10.5 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- غیر مسلم مصنفین و مؤلفین کے فراہم کردہ ذخیرہ اسلامیات میں ہندو مصنفین کی کاوشوں کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے۔ان کا فراہم کردہ ذخیرہ اسلامیات کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے۔گذشتہ اکائی کی طرح اس اکائی میں بھی صرف ان کتابوں کا مختصر تعارف پیش کیا گیا ہے جن کا تعلق براہ راست ''مذہب'' سے ہے۔اس اکائی میں برادران وطن کے مطالعہ قرآن، مطالعہ حدیث اور مطالعہ سیرت کا مختصر تعارف کرانے کی ایک کوشش کی گئی تاہم استیعاب کا دعوی نہیں کیا جاسکتا ہے۔
- اس اکائی میں مطالعہ قرآن کو ہندومت کی مقدس کتابوں سے قرآن کا موازنہ، قرآن اور بائبل کا موازنہ اور دیگر قرآنی مطالعات کو ذیل عناوین میں تقسیم کرتے ہوئے اول الذکر دو عناوین کے سندر لال کی کتاب The Gita and The Quran، جناب اے پی مکندن صاحب کی کتاب کا نام Congruencies of fundamentals in the Quran and Bhagvat Gita اور باندی سری نواس کی کتاب Christ in the Quran and Bible کا مختصر التعارف پیش کیا گیا ہے۔
- عمومی مطالعات قرآنی پر مشتمل برادران وطن کی کتب کو دو زمروں میں تقسیم کرتے ہوئے قرآن کا براہ راست مطالعہ کے تحت گریش چندر اسین، آچاریہ ونوبا بھاوے، آر۔بی ہرش چندر، اوپی گھئی، سی ای مودی راج، مگن لال اے۔ بوچ اور ڈاکٹر این کے سنگھ کے قرآنی انسائیکلوپیڈیا کا تعارف کرایا گیا ہے جب کہ دوسرے زمرہ ''قرآن کے ضمنی مطالعات'' کے تحت Comparative Religion از راما شنکر سریواستو، The Historical Role of Islam از ایم این رائے، Influence of Islam in Indian Culture از ڈاکٹر تاراچند، New Light on Islam از پنڈت مہادیو شاستری دیویکر اور Islamic Fundamentalism in Asia از پروفیسر جے۔جی۔ تیواری صاحبان کی کتب کا صرف نام درج کرنے پر اکتفا کی گئی۔مبحث کے آخر میں ہندو دانشوران کے قرآنی مطالعات کی اہمیت وافادیت کا ذکر کیا گیا ہے۔
- برادران وطن نے حدیث کا مطالعہ نہ کے برابر کیا ہے۔اس ضمن میں مصادر صرف مجاہد جنگ آزادی رام سوروپ کی کتاب Understanding Islam Through Hadis کا ذکر کرتے ہیں۔یہ کتاب دراصل حدیث کی روشنی میں آپ ﷺ کی سیرت کا منفی مطالعہ پیش کرتی ہے۔

- قرآن کے بعد ہندو مصنفین نے سیرت کے مطالعہ کو اپنا بنیادی موضوع بنایا ہے۔اس مطالعہ کو بھی سیرت نبوی کے براہ راست مطالعہ اور ضمنی مطالعہ میں تقسیم کرتے ہوئے برادران وطن کی اہم کتب سیرت کا ذکر کیا گیا ہے۔یہ کتب سیرت انگریزی،اردو،ہندی اور دیگر زبانوں میں مرتب کی گئی ہیں۔سیرت کی اکثر کتب نثر میں لکھی گئی ہیں جب کہ کم از کم دو کتابوں میں سیرت پاک کو منظوم انداز میں پیش کیا گیا ہے۔
- اس مبحث میں Muhammad : The Prophet of Islam از نشیکانتا چٹوپادھیائے، Muhammad : The Prophet of Islam از پروفیسر رام کرشنا راؤ Prophet Mohammad and His Companions از ڈاکٹر این کے سنگھ کے علاوہ سوانح عمری حضرت محمد صاحب بانی اسلام از شردھے پرکاش دیو، رسول عربی یعنی پیغمبر اسلام حضرت محمد صاحب کی سوانح عمری از گوردت سنگھ دارا، عرب کا چاند از سوامی لکشمن، حضرت محمد اور اسلام از سندر لال، حضرت محمد کا آدرش از شری نتھو رام، نرآشنس اور آخری رسول از پنڈت وید پرکاش اپادھیائے، مہاکاویّے حضرت محمد ﷺ از سگن چند مکتیش، محمد کھنڈ کاویے از ڈاکٹر رام پرساد مشرا کا تعارف سیرت نبوی کے براہ مطالعہ کے تحت کرایا گیا ہے جب کہ سیرت نبوی کے ضمنی مطالعہ کے ضمن میں حسب ذیل انگریزی کتب کا ذکر کیا گیا ہے:
- انگریزی کتب کے علاوہ دیگر زبانوں میں لکھی جانے کتابوں کا مختصر اتعارف بھی کرایا گیا جیسے پیغمبر محمد، قرآن اور حدیث از بشمبر ناتھ پانڈے، اسلامیات از مالک رام، تہذیب اور اسلام از این سی مہتا، سیتارتھ پرکاش از مہارشی دیانند سرسوتی اور اسلام جس سے مجھے عشق ہے از عبداللہ اڈیار۔
- اکائی کے آخر میں برادران وطن کے مطالعات سیرت نبوی کا ماحصل بیان کیا گیا ہے۔

10.6 نمونہ امتحانی سوالات

10.6.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. Essay on the Quran کس کی تصنیف ہے؟

(a) سندر لال (b) ایم این رائے (c) آچاریہ ونوبا بھاوے جی (d) گریش چندر اسین

2. The Essence of the Quran نامی کتاب کس نے لکھی ہے؟

(a) سندر لال (b) ایم این رائے (c) آچاریہ ونوبا بھاوے جی (d) گریش چندر اسین

3. Khuda-Quranic Philosophy کا مصنف کون ہے؟

(a) آر بی ہرش چندر (b) او۔پی گھئی (c) سی ای مودی راج (d) مگن لال اے۔بوچ

4. مگن لال اے۔بوچ کی کتاب کہاں سے اور کب شائع ہوئی تھی؟

(a)نئی دہلی، 1992 (b)نئی دہلی، 1979 (c)بڑودہ، 1977 (d)ممبئی 1992

5. Encyclopedia of the Holy Quran کس نے مرتب کیا ہے؟

(a)مگن لال اے- بوچ (b)ایم این رائے (c) گریش چندر اسین (d)ڈاکٹر این کے سنگھ

6. نرآشنس اور آخری رسول کے مصنف کون ہیں؟

(a)نتھورام (b)وید پرکاش اپادھیائے (c)سندر لال (d)سوامی لکشمن

7. پیغمبر محمد، قرآن اور حدیث کے مصنف کون ہیں؟

(a)بشمبر ناتھ پانڈے (b)سگن چند مکتیش (c)سندر لال (d)سیتار تھ پرکاش

8. محمد کھنڈ کاویے کس کی تصنیف ہے؟

(a)سگن چند مکتیش (b)عبداللہ اڈیار (c)این سی مہتا (d)ڈاکٹر رام پرساد مشرا

9. Glances at Islam Everyman's Primer of Tolerance پہلی بار کب اور کہاں سے شائع ہوئی تھی؟

(a)1938، احمد آباد (b)1985، لندن (c)1977، نئی دہلی (d)1979 ممبئی

10. سیرت نبوی پر سگن چند مکتیش نے کس عنوان سے کتاب لکھی ہے؟

(a)مہاکاویّے حضرت محمد ﷺ (b)محمد کھنڈ کاویے (c)پیغمبر محمد، قرآن اور حدیث (d)سیتار تھ پرکاش

10.6.2 مختصر جواب کے حامل سوالات

1. Christ in the Quran and Bible پر ایک نوٹ لکھیے۔
2. Khuda-Quranic Philosophy پر ایک نوٹ لکھیے۔
3. سیرت نبوی کا براہ راست مطالعہ پیش کرنے والی کم از کم دو نثری کتابوں (اردو) پر مختصر نوٹ لکھیے۔
4. برادران وطن کی منظوم سیرت نگاری پر تعارفی نوٹ لکھیے۔
5. سیرت نبوی کا ضمنی مطالعہ پیش کرنے والی کم از کم دو انگریزی کتابوں پر مختصر نوٹ لکھیے۔

10.6.3 طویل جواب کے حامل سوالات

1. قرآن اور وید کے تقابلی مطالعہ پیش کرنے والی کتابوں کا تعارف پر ایک نوٹ لکھیں۔
2. آچاریہ ونوبا بھاوے جی کے مطالعہ قرآن پر ایک نوٹ لکھیے۔
3. براہ راست سیرت کا مطالعہ پیش کرنے والی انگریزی کتب کا تعارف کرایے۔

10.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. ہندو علما و مفکرین کی قرآنی خدمات از ڈاکٹر وزیر حسن، ترجمہ ڈاکٹر اورنگ زیب اعظمی، دار النوادر، لاہور، 2005۔
2. دراسات اسلامیہ کے فروغ میں ہندوؤں کی خدمات از پروفیسر شیث محمد اسمعیل اعظمی، کتابی دنیا، دہلی-6، 2002۔
3. ہندو محققین کا مطالعہ قرآن و سیرت از پروفیسر ضیاالدین ملک فلاحی، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی-25، جولائی 2018۔
4. ہندوؤں کی علمی و تعلیمی ترقی میں مسلمان حکمرانوں کی کوششیں از علامہ سید سلیمان ندوی، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، یوپی، 2010۔
5. اسلام اور غیر مسلم ودوان، بنارس
6. ہندو اور سکھ سیرت نگار
7. ہندو اور سکھ سیرت نگار تعارف و تجزیہ نگار، ڈاکٹر حافظ محمد نعیم
8. Literature on Islam in Telgu Language (1925-75) by Chinnaiah T.I., Hydrabad, 1967.
9. Hindu Perception of Islam in Modern Time by Dr. Nikhat Mohammad Rashid, Ph.d Thesis, unpublished.

اکائی 11: ہندوستانی غیر مسلموں کی تاریخی تصنیفات

اکائی کے اجزا:

11.0 تمہید
11.1 مقاصد
11.2 تاریخی تصنیفات
11.2.1 شاہ جہاں نامہ
11.2.2 چہار چمن
11.2.3 خلاصۃ التواریخ
11.2.4 لب التواریخ
11.2.5 نسخہ دل کشا
11.2.6 فتوحات عالمگیری
11.2.7 تذکرۃ الامراء
11.2.8 تاریخ محمد شاہی
11.2.9 چہار گلشن
11.2.10 تذکرۃ الکاملین
11.3 اکتسابی نتائج
11.4 نمونہ امتحانی سوالات
11.4.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
11.4.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات
11.4.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

11.5 تجویز کردہ اکتسابی مواد

11.0 تمہید

راشٹر باپو گاندھی جی، مالک رام، منشی پریم چند، راجندر نرائن لال، سوامی لکشمی شنکر آچاریہ، پروفیسر راما کرشن راؤ مراٹھی جیسے 19 ویں اور 20 ویں صدی عیسوی کے غیر مسلم ہندوستانی ادیبوں اور مصنفوں کو پڑھنے کے بعد ہر باشعور وطن دوست ہندوستانی شہری چاہتا ہے کہ مسلم حکمرانوں کے دور کے ہندوستان دیکھے اور مغلیہ دور کے ابھارت سے واقف ہو سکے اور ظاہر ہے کہ اُس دور کے بھارت کو دیکھنے کا واحد ذریعہ ہندو مصنفین اور مورخین کی تاریخی تصنیفات اور تذکرہ کی کتابیں ہیں، اسی وسیلے سے پڑھا لکھا ہندوستانی شہری خواہش مند ہے کہ دورِ مسلم سلاطین کے ہندو مورخین اور مصنفین کے چشمے سے ہندوستان کے ماضی کو دیکھے اور پرکھے۔

ایسے باشعور ہندوستانی شہریوں کی سوچ یہ ہے کہ غیر مسلم دانشوروں کے واضح نظریات کی روشنی میں یہ سمجھنے میں آسانی ہوگی کہ ہندوستان کے اکثر مسلم حکمرانوں نے ہندوستان کو اپنا ہی وطن سمجھا ہے اور بھارت کو اپنے وطن کی سرزمین مانا ہے۔ یہ نظریہ ایک عام سی بات ہے لیکن یہ کوئی عام سی بات نہیں کہ بھارت میں کبھی بھی کسی غیر مسلم گروہ یا قبیلہ یا برادری نے مسلم حکومت و سلطنت اور مسلم حکمرانوں سے آزادی کی جنگ نہیں شروع کی جب کہ انگریزوں کے خلاف آزادی کی جنگ میں ہندوستان کے ہر طبقہ، ہر گروہ اور ہر ذات برادری کے غیر مسلموں کی اکثریت نے حصہ لیا ہے اور جان و مال اور حکومت و فوج کی قربانی پیش کر کے وطن عزیز کو انگریزی حکومت کے ظلم و ستم سے آزادی کی جنگ لڑی ہے. اگرچہ بعد میں انگریزوں نے ہندو مسلم اتحاد کے درمیان نفرت کی دیوار کھڑی کر دی اور ہندوستان کے شہریوں کی یک جہتی کو پارہ پارہ کر دیا لیکن یہ بات واقعی سمجھنے والی ہے کہ آخر آٹھ سو سال تک ہندوستانیوں نے مسلم حکمرانوں کے خلاف آزادی کی جنگ کیوں نہیں چھیڑی؟

اس کا جواب موضوع گفتگو کے تحت تاریخی تصنیفات کے تعارف میں بآسانی مل جائے گا۔ بھارت کے غیر مسلم مصنفین اور مؤرخین کی تاریخی تصنیفات کو پڑھنے والے خوب جانتے ہیں کہ عہد برطانیہ سے پہلے کی لکھی گئی تاریخی نوعیت کی تمام کتابیں فارسی زبان میں ہیں اور ہندوستان میں فارسی زبان میں تاریخ نویسی و تاریخ نگاری کا سلسلہ مسلم سلاطین دہلی کے دور میں ہی شروع ہوا کیونکہ مسلم حکمرانوں کے دور میں تقریباً سات آٹھ سو سالوں تک فارسی زبان سرکاری اور تعلیمی تصنیفی زبان رہی. طبقات ناصری، خزاین الفتوح ،تاج الماثر، فتوح السلاطین وغیرہ کتابیں اسی دور میں لکھی گئیں، اس لئے مسلم حکمرانوں اور سلاطین دہلی کے دور حکومت و سلطنت کو پڑھنے سمجھنے کے لئے اسی دور کی تاریخی تصنیفات کو براہ راست فارسی زبان میں پڑھنا پڑے گا، یا پھر اردو ہندی زبان میں ترجمہ ہو چکی کتابوں کا مطالعہ لازمی ہے۔

11.1 مقاصد

اس اکائی کے بعد آپ واقف ہو سکیں گے کہ تاریخی تصنیفات میں ہندو مؤرخین نے یہ تاریخی شہادت پیش کی ہے کہ ہندوستان میں

اکثریت ایسے مسلم حکمرانوں کی رہی ہے جنہوں نے ہندوستان کی زمین کو اپنی مستقل اقامت کی حیثیت بخشی اور اس کی ہمہ جہت ترقی کی ہر ممکن کوشش کی لہذا ماضی کے ہندوستان میں ایسی کئی شخصیتیں روشن نظر آتی ہیں۔ان سب کے بارے میں آپ آگاہی حاصل کر سکیں گے۔

11.2 تاریخی تصنیفات

11.2.1 شاہ جہاں نامہ

یہ لالہ بھگوان داس کی تاریخی تصنیف ہے جو عہد شاہجہانی کے نامور ہندو فارسی مورخ اور مصنف ہیں۔ یہ شاہ جہاں کے دربار میں منشی تھے،اس لئے تاریخ دانوں نے انہیں عہد شاہ جہانی کے واقعات و حالات کا چشم دید مورخ تسلیم کیا ہے۔ بھگوان داس کی یہ کتاب، فارسی زبان میں لکھی گئی کسی ہندو مصنف کی غالباً پہلی کتاب ہے جو ہندوستان میں تیموری شاہوں، بادشاہوں اور حکمرانوں کی تاریخ بیان کرتی ہے۔

11.2.2 چہار چمن

اس کے مصنف بھی عہد شاہجہانی کے نامور فارسی مؤرخ چندر بھان برہمن لاہوری ہیں، یہ بھی درباری منشی تھے، البتہ زیادہ تر شہزادہ دارا شکوہ کے ذاتی منشی رہے اور عہد عالمگیری میں مقبرہ جہانگیر لاہور سے متعلق اوقاف کے نگران مقرر ہو گئے تھے۔ 1645ء میں ''چہار چمن'' کو لکھ کر چندر بھان لاہوری نے شاہجہاں کے حضور میں پیش کیا جسے شاہجہاں نے بہت پسند کیا. اسی کتاب کی بدولت تاریخ دانوں نے منشی چندر بھان کو عہد شاہجہانی کا نامور مؤرخ تسلیم کیا ہے۔

چہار چمن کے پہلے چمن یعنی باب اول میں دورِ شاہجہاں کے نظم و نسق، محکموں کے داخلی انتظامات، بادشاہ کی مصروفیات، وزیروں کے آپسی تعلقات اور باہمی چپقلش کو بیان کیا ہے۔

دوسرے چمن میں دار الخلافہ شاہجہاں آباد دہلی کے علاوہ سلطنت مغلیہ کے تمام 19 صوبوں اکبر آباد (آگرہ) الٰہ آباد، اودھ، بہار، بنگال، اڑیسہ، اورنگ آباد، برار، خاندیش، مالوہ، اجمیر، گجرات، ٹھٹھہ، ملتان، لاہور، کابل اور کشمیر کا حال بیان کیا ہے اور یہ حصہ کافی دلچسپ ہے ۔ تیسرے چمن میں منشی چندر بھان برہمن نے اپنے ذاتی حالات کو انتظامی صحیفے، رقعے، خطوط و مکاتیب اور عرض داشتوں کی روشنی میں اجاگر کیا ہے اور چوتھے چمن میں تاریخ انسانی کے نفسیاتی پہلو پر گفتگو کی ہے۔

11.2.3 خلاصۃ التواریخ

اس کے مصنف عہد عالمگیری کے نامور فارسی مؤرخ سجان رائے بھنڈاری بٹالوی ہیں، یہ کتاب 1695ء میں لکھی گئی ہے اور ہندوستان کے ماضی کی اہم اور مستند تاریخ تسلیم کی جاتی ہے۔ انگریزی مورخین اور برطانوی دور کے مصنفین نے بھی عہد عالمگیری کے مغلیہ دور کو بیان کرنے کے لئے اس کتاب کا سہارا لیا ہے۔ سجان رائے بھنڈاری بھی مغلیہ دربار کے منشی تھے اور منشی گیری کے میدان میں نادر العصر تسلیم کیے جاتے تھے۔ منشی سجان رائے نے خلاصۃ التواریخ لکھنے کے لئے چھ سات ہندو مذہبی کتابوں کے علاوہ نامور مؤرخ ''عنصری'' کی تاریخ سلطان محمود غزنوی، تاریخ سلطان شہاب الدین غوری، تاریخ سلطان علاء الدین خلجی، تاریخ فیروز شاہی، تاریخ افاغنہ، ظفر نامۂ یزدی، تیمور

نامۂ ہاتفی، تاریخ بابری، اکبر نامہ (اَبوالفضل) اکبر نامہ (مرتضیٰ خانی) تاریخ اکبر شاہی، طبقات اکبری، اقبال نامۂ جہانگیری، جہانگیر نامہ، تاریخ شاہجہانی، تاریخ عالمگیری، تاریخ بہادر شاہی اور تاریخ کشمیر جیسی مستند کتابوں سے استفادہ کیا ہے اور تاریخی مواد سے فائدہ اٹھایا ہے یعنی خلاصۃ التواریخ کا ماخذ و مرجع مذکورہ تاریخی تصنیفات ہیں۔

خلاصۃالتواریخ میں تین حصے ہیں:

مقدمہ، باب اول، باب دوم۔ مقدمہ کے تحت اقوام ہند کے حالات، مختلف ذات برادریوں کی تفصیل، ہندو دھرم کی مقدس کتابوں کے نام و تعارف اور ہندوستان کے جغرافیائی حالات کو بیان کرنے کے بعد راجہ یدھسٹر کے زمانے سے سلطان سبکتگین کے زمانے تک گزرنے والے 114 ہندوستانی ہندو راجاؤں کے حالات بیان کیے ہیں. مقدمے کا خاتمہ بہلول لودی کے تذکرہ پر ہوتا ہے، جس میں بہلول لودی کے جانشینوں کا بھی تذکرہ ہے۔

باب اول کے تحت سلطان مغل بادشاہوں کے حالات درج ہیں، یہ باب اورنگ زیب عالمگیر کے دورِ حکومت پر ختم ہوتا ہے۔ باب دوم میں اورنگ زیب عالمگیر کے جانشینوں کے درمیان تخت نشینی کی جنگ کے دور کا تذکرہ ہوا ہے اور یہ زمانہ مصنف کی چشم دید تاریخ نگاری کا زمانہ ہے۔

منشی سجان رائے بٹالوی نے عہد عالمگیری کے صحیح حالات کی خوب منظر کشی کی ہے اور صاف واضح لفظوں میں اورنگ زیب عالمگیر سے متعلق پھیلائی گئی بے بنیاد غلط فہمیوں کو تفصیل سے رفع دفع کیا ہے اور عالمگیر کو بے گناہ، قابل تعریف شہنشاہ اور لائق ستائش انصاف پرور بادشاہ قرار دیا ہے۔ خلاصۃالتواریخ میں مصنف نے اورنگ زیب عالمگیر کی تاریخ وفات 1706ء لکھا ہے اور پھر انتقال کے بعد کے چشم دید واقعات کو بیان کیا ہے یعنی مؤرخ کا انتقال اورنگ زیب عالمگیر کے برسوں بعد ہوا ہے۔

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی نے خلاصۃالتواریخ کا اردو ترجمہ شائع کیا ہے جس میں مقدمہ اور باب اول کو جلد اول اور باب دوم کو جلد دوم کے عنوان سے شائع کیا ہے، اس میں علاءالدین خلجی سے داراشکوہ تک کا تذکرہ ہے۔ قومی کونسل والے اردو نسخے میں باب اول کو فصل اول کا عنوان دیا گیا ہے جس میں ہندوستان کے قدیم راجاؤں کا تذکرہ ہے اور باب دوم کو فصل دوم لکھا ہے جس میں "ہندوستان کے عہد اسلام کی تاریخ" کی سرخی لگی ہوئی ہے۔ اس فصل کے تحت 21 مسلم بادشاہوں کا تذکرہ ہے۔ خلاصۃالتواریخ کے مترجم ڈاکٹر محمد ریاض الدین خان ہیں۔

11.2.4 لب التواریخ

یہ بندرابن داس پٹیالوی کی تصنیف ہے، یہ بھی عہد عالمگیری کے مؤرخ ہیں اور مغلیہ دربار میں دیوان تھے۔ اورنگ زیب عالمگیر کے ساتھ گول کنڈہ قلعہ دکن کی جنگ میں بھی شریک تھے۔ لب التواریخ میں آریوں کے عہد سے لے کر عہد عالمگیری تک کی تاریخ درج ہے۔ گلشن ابراہیمی اور تاریخ فرشتہ اس کی بنیادی ماخذ ہیں، "تاریخ مبارک شاہی" اور "طبقات محمود شاہی" کو بھی ماخذ میں شامل کر سکتے ہیں

کیونکہ یہ تصنیفات بھی مصنف کے زیر مطالعہ رہی ہیں۔

بندرابن داس اپنی تصنیف "لب التواریخ" میں اورنگ زیب عالمگیر کو بہت اچھے الفاظ سے یاد کرتے ہیں حالانکہ یہ شہزادہ دارا شکوہ کے قریبی اور نمک خوار تھے۔ اورنگ زیب عالمگیر کی بطور بادشاہ اصلاحی اقدامات اور شاہانہ فرامین سے متعلق لکھتے ہیں کہ اس نے انصاف اور مستعدی کے ساتھ بادشاہت کی۔

لب التواریخ، ایک دیباچہ، دس حصے اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ شاہان دہلی کے حالات (شہاب الدین محمد غوری سے عہد عالمگیر تک) دوسرے سے دسویں حصے تک شاہان دکن، گجرات، مالوہ، خاندیش، برہان پور، جون پور، بنگال، سندھ، ملتان اور کشمیر کی تاریخ درج ہے۔ صباح الدین عبدالرحمن نے "بزم تیموریہ" میں لکھا ہے کہ بندرابن داس نے عربی آمیز فارسی کا استعمال کیا ہے جس سے اندازہ کرنا مشکل ہے کہ مصنف ہندو ہے کہ ایرانی۔

11.2.5 نسخہ دل کشا

اس کتاب کے مصنف بھیم سنگھ ولد رگھو نندن داس برہان پوری ہیں۔ یہ عہد عالمگیری کی مفصل تاریخ اور دکن کے حالات و واقعات کا ترتیب وار تذکرہ ہے جس میں ایک مقدمہ، ایک متن اور ایک خاتمہ ہے۔ "نسخہ دل کشا" کی ابتداء اورنگ زیب عالمگیر کی دکن سے آگرہ کی طرف پیش قدمی سے ہوتی ہے اور شہزادہ کام بخش کے قتل پر انتہا ہوتی ہے۔ مقدمہ کے تحت عہد شاہجہانی اور عہد عالم گیری کی تاریخ کے بعد شاہ عالم بہادر شاہ اول کے ابتدائی دو سالہ دور حکومت کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ نسخہ دلکشا، اصول تاریخ نگاری پر کھری اترتی ہے اور کتاب کی تاریخی اہمیت اس لئے اہم ہے اور حیثیت متسند ہے کہ مصنف بہت سے بیان کردہ واقعات و حالات کا چشم دید گواہ ہے بلکہ بہت سے واقعات میں حصے دار بھی ہے اور بہت سی اطلاعات ایسی بھی ہیں جو عہد عالمگیری کی مکمل سرکاری تاریخ میں بھی نہیں ملتی ہیں۔ کتاب کی خاص بات یہ ہے کہ واقعات کے اسباب اور عوام و خواص کے حالات، ہندو مسلم ہندوستانی سماج کی مشترکہ صورت حال اور سوچ و فکر، حکام اور عوام کے درمیان ربط و تعلقات، سڑکوں شاہراہوں کی صورت حال، اجناس کی قیمتوں اور بازار کی کیفیت اور حکام اعلیٰ کے سیاسی سماجی حالات کا تذکرہ واضح لفظوں میں تفصیل سے کیا ہے اور ہر پہلو کا تاریخی جائزہ لیا ہے۔ نسخہ دلکشا، اس زمانے کی سیاسی سماجی اور مذہبی حالات کی جیتی جاگتی تصویر ہونے کے ساتھ اورنگ زیب عالمگیر کی 50 سالہ شاہانہ زندگی پر خاص روشنی ڈالتی ہے۔

"نسخہ دلکشا" اب تک غیر مطبوعہ ہے لیکن اس کی قلمی نقلیں اور نسخے دنیا کی بیشتر لائبریریوں میں دستیاب ہے۔ اس کا اردو ترجمہ اور طباعت واشاعت ایسے افراد کی چشم کشائی اور فکر سازی کے لئے انتہائی ضروری ہے جو، اورنگ زیب عالمگیر کو تعصب و تنگ نظری کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس کے عہد حکومت کو ظلم و تشدد کا زمانہ کہتے لکھتے ہیں حالانکہ عہد مغلیہ کے بیسیوں نامور ہندو مؤرخین نے شہادت دی ہے کہ عہد عالمگیری میں ہندو مسلم اتحاد کی خوش گوار صورت حال مثالی رہی ہے۔ مولوی پنڈت میں گہری دوستی اور ہندو مسلم شہریوں میں اپنے اپنے دین دھرم پر رہتے ہوئے بھی آپس میں گہری وابستگی قابل تعریف و تقلید رہی ہے جس کو دانستہ نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور عہد عالمگیری کی سبھی خوبیوں کو فراموش کر کے اورنگ زیب عالمگیر کو کٹر بنیاد پرست مسلمان اور ہندو مخالف مسلم حکمران گردانا جاتا ہے جس نے اکھنڈ بھارت کی

بنیاد رکھی جس کے شاہی دربار اعلیٰ تعلیم یافتہ اور فارسی دان پنڈتوں کو بڑا مقام حاصل تھا۔ اورنگ زیب عالمگیر سے متعلق بے بنیاد الزامات اور غلط روایات کی تردید کے لئے "نسخہ دل کشا" کی طباعت و اشاعت لازمی ہے جن الزامات کی تردید، عالمگیری فرامین کی روشنی میں ڈاکٹر شمبھو ناتھ پانڈے نے بھی کی ہے۔

11.2.6 فتوحات عالمگیری

یہ عہد سلطنت کے مشہور ہندو مؤرخ پنڈت ایشور داس کی تصنیف ہے جو عہد بابری سے مغلیہ عہد کے آخری دور تک کی تاریخ لکھنے والوں میں شمار ہوتے ہیں اور فارسی زبان کے نامور عالم وادیب تھے۔ یہ کتاب ایک مقدمہ اور ایک خاتمہ کے علاوہ سات ابواب پر مشتمل ہے۔ بنگال کے ایک مؤرخ جے این سرکار کے مطابق پنڈت ایشور داس کی فتوحات عالمگیری کو 23 ستمبر 1830ء کو دوبارہ نقل کیا گیا جب ان کی عمر 74 سال تھی یعنی اس کی تصنیف کا سال معلوم نہیں۔

فتوحات عالمگیری، اورنگ زیب عالمگیر کی اولین تیس سالہ دور حکومت کو تفصیل سے پیش کرتی ہے، اسی تصنیف کی بنیاد پر پنڈت ایشور داس کو عہد عالمگیری کا پہلا ہندو مورخ اور فارسی مصنف تسلیم کیا جاتا ہے، اس یہ کتاب ایک زمانے سے مؤرخین اور مصنّفین کی توجہ کا مرکز رہی ہے۔ فتوحات عالمگیری میں 1658ء سے 1698ء تک کی سماجی، سیاسی، مذہبی، معاشرتی اور تہذیبی صورت حال کی تفصیل ملتی ہے۔ مراۃ احمدی کے مصنف مرزا محمد حسن قلی محمد خان نے فتوحات عالمگیری سے خوب استفادہ کیا ہے اور بہت سے دیگر مؤرخین و مصنفین نے اس کو ماخذ و مرجع کے طور پر استعمال کیا ہے۔ البتہ جن مؤرخین اور تاریخ دانوں نے فتوحات عالمگیری کو نظر انداز کیا ہے، اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ مصنف نے عہد عالمگیری کی تاریخ لکھی ہے لیکن اورنگ زیب عالمگیر کی تاریخ وصال لکھنا ہی بھول گئے اور نظام حکومت سے متعلق تفصیلات کو ضرورت سے زیادہ محتاط ہو کر لکھا ہے جس کی وجہ سے تشفی نہیں ہوتی اور سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ پنڈت ایشور داس نے بہت کچھ لکھا ہے اور درست لکھا ہے مگر واقعات کی زمانی ترتیب کا خیال نہیں رکھا ہے۔

11.2.7 تذکرۃ الامراء

لالہ کیول رام ولد راجہ رگھو ناتھ داس اگروال کی تصنیف ہے۔ اس کتاب کی اہمیت اس لئے ہے کہ مصنف نے عہد مغلیہ کے دور زوال میں اپنے روزنامچوں اور ذاتی و قایع ناموں کی مدد سے لکھی ہے۔ کتاب کے چند مندرجات سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف کو اورنگ زیب عالمگیر سے بڑی عقیدت تھی۔ اس لئے اس کا ذکر بار بار کیا ہے اور خوب تعریف کی ہے۔ حالانکہ مصنف نہ عالمگیر کے ملازم و مصاحب تھے اور نہ ہی عہد عالمگیری میں کوئی جاگیر دار۔

ہندوستانی فارسی میں لکھی اس کتاب میں مصنف نے فارسی زبان دانی کا حق ادا کر دیا ہے بطور خاص اورنگ زیب سے متعلق جو کچھ بھی لکھا ہے دلچسپ لکھا ہے۔ یہ تاریخی کتاب عہد اکبری سے بہادر شاہی دور تک ہندو مسلم امرا حکام اور درباری امیروں وزیروں کی تفصیل پیش کرتی ہے۔

11.2.8 تاریخ محمد شاہی

اسے تاریخ نادر الزمانی بھی کہتے ہیں۔اس تاریخی تصنیف کے مصنف خوش حال چند کایستھ ولد لالہ جیون رام ہیں۔اورنگ زیب عالمگیر نے لالہ جیون رام کی قابلیت اور فرض شناسی سے متاثر ہو کر صدر دفتر دیوانی کا نائب مقرر کیا تھا۔لالہ جیون رام کے بڑے بیٹے لالہ خوب چند نے بھی اورنگ زیب تک رسائی حاصل کر لی تھی اور مقام اعلیٰ پالیا تھا بلکہ باپ کی وفات کے بعد اپنے والد کا جانشین قرار پائے اور والد کا منصب سنبھالا۔اسی طرح اپنی قابلیت اور فرض شناسی کی بدولت تاریخ محمد شاہی کے مصنف خوش حال چند بھی اورنگ زیب کے منظور نظر بن گئے اور محمد شاہ کے دور حکومت میں ترقی پا کر دیوانی کے دفتر میں اعلیٰ مقام پر پہنچ گئے،اسی لئے انہوں نے اپنی تاریخی تصنیف کا نام "تاریخ محمد شاہی" رکھا۔

تاریخ محمد شاہی،اورنگ زیب عالمگیر کے جانشین محمد شاہ بادشاہ کی اہم اور بنیادی طور پر مستند تاریخ ہے۔اس کی دو جلدیں ہیں پہلی جلد کا نام " مجمع الاخبار" اور دوسری جلد کا نام " زبدۃ الاخبار" ہے۔کتاب کی ابتدا یعنی مجمع الاخبار میں محمد شاہی زمانے تک کے ہندو مسلم دانشوروں اور مذہبی رہنماؤں کی مختصر تاریخ بھی درج ہے۔

پہلے حصے یعنی مجمع الاخبار میں عہد نوشیرواں تک ایران،عرب،ترکستان،روم،توران اور شام کی حکومتوں کا تذکرہ بھی درج ہے اور پھر مصنف نے سلجوقیوں،غزنیوں اور غوریوں کی تاریخ بھی بیان کر دیا ہے۔دوسرے حصے زبدۃ الاخبار میں مصنف نے راجہ یدھسٹر سے مسلم حکمران ابراہیم لودھی تھی ہندوستان کی سیاسی تاریخ رقم کر دی ہے۔اس حصے میں اپنے عہد کے ہندو مسلم مذہبی رہنماؤں،رشیوں،صوفی سنتوں اور ولیوں کا ذکر بھی دلچسپ انداز میں کیا ہے۔ہند کے روحانی راجہ حضرت خواجہ سید معین الدین حسن چشتی کا تذکرہ بھی اسی حصے میں کیا ہے۔۔

تاریخ محمد شاہی کے نسخے عام طور پر دستیاب نہیں البتہ اس کا ایک نسخہ ٹونک کے نواب صاحب کی ذاتی لائبریری میں موجود تھا۔ڈاکٹر سید عبداللہ کے مطابق اس کا ایک قلمی نسخہ پبلک لائبریری لاہور میں موجود ہے۔

11.2.9 چہار گلشن

اس تاریخی کتاب کو " چتر گلشن،اخبار النوادر،اور خلاصۃ النوادر" بھی کہتے ہیں۔یہ مشہور فارسی دان ہندو مؤرخ لالہ چتر من کی تصنیف ہے۔بقول منصف یہ کتاب احمد شاہ درانی کے بعد کی تاریخ ہے۔اس میں دو دیباچے ہیں اور چار ابواب ہیں۔پہلا حصہ ہندوستانی صوبوں کی تاریخ سے متعلق ہے جس میں راجہ یدھسٹر سے تاریخ کا تذکرہ شروع ہوتا ہے۔دوسرا حصہ دکن کے مسلم حکمرانوں کی تاریخ سے متعلق ہے جس میں تاریخی واقعات کے ساتھ معاشی اور مذہبی حالات کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔تیسرا حصہ جغرافیائی نوعیت کا ہے جس میں دارالحکومت دہلی سے دیگر بڑے شہروں کا فاصلہ،محل وقوع اور صورت حال کا تذکرہ ہے۔دارالسلطنت دہلی کو دیگر مقامات اور شہروں سے جوڑنے والی سڑکوں اور مرکزی شاہراہوں کا تفصیلی تذکرہ منصف نے کیا ہے جو جغرافیائی معلومات سے مصنف کی دلچسپی کا آئینہ دار ہے۔چوتھے حصے میں مسلم فقیروں،صوفیوں اور ہندو سادھوں کا تذکرہ ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف مورخ ہونے کے ساتھ ایک مذہبی انسان تھے۔

مشہور مؤرخ "جدو ناتھ سرکار" نے "چہار گلشن" کے بعض حصوں کو انگریزی میں ترجمہ کر کے اپنی کتاب "انڈیا آف اورنگ زیب" میں شامل کر لیا ہے۔

خلاصہ

سجان رائے بٹالوی نے اپنی تصنیف "خلاصۃ التواریخ" کے جلد دوم میں بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی ولادت کا منظر پیش کرتے ہوئے لکھا ہے:

"فجستہ اختری کی وجہ سے بخت مندی کا نور اور خوش نصیبی اس کے احوال کی پیشانی سے چمکتے رہے تھے۔ ایسا مبارک فال تھا کہ ولادت باسعادت کی تاریخ لفظ "آفتاب" سے ہی نکل آتی ہے۔ اب جبکہ یہ نسخہ تحریر ہو رہا ہے وہ بلند اقبال کا سورج جاہ و جلال کے برج کا کوکب، حکومت کے تخت کو رونق بخش رہا ہے۔ یاالٰہی! یہ سالہا سال تک جہانبانی کے تخت و تاج کو زینت بخشتا رہے اور دنیا کی رونق بڑھاتا رہے۔"

کھلا پھول اس باغ دولت میں ایسا
کبھی بھی زمانہ نے ایسا نہ دیکھا

(ص278 ماڈرن پبلشنگ ہاؤس دریا گنج نیو دہلی)

اس کے بعد شہزادہ دارا شکوہ اور شہزادہ اورنگ زیب عالمگیر کی شخصیت سے متعلق متعدد مقامات پر چشم کشا تبصرہ کیا ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے:

"قضا و قدر کے ناظموں اور کارخانہ تقدیر کے کارپردازوں نے پہلے ہی جہاں داری اور حکومت کا تخت اورنگ زیب کے نام متعین کر دیا تھا۔ اس کے نام اس بات کی فال بھی ہے اور اس کے معنی میں اس کی قطعی دلیل؛ور حجت بھی ہے۔ اب تک اس کے انتظار میں اس تخت کو برقرار رکھا تھا کہ جس کی یہ امانت ہے اس کے سپرد کر کے سبک دوش ہو جائیں۔ چنانچہ اب وہ وقت آگیا کہ وہ تخت حکومت اس کے جلوس سے زیب و زینت حاصل کرے۔ لہٰذا شہود کی جلوس گاہ میں اس امر کے پیش کرنے کے اسباب ظاہر کر دیے۔" (ص326 خلاصۃ التواریخ جلد دوم)

اب وہ وقت آگیا کہ دنیا کو روشن کرنے والا عالمگیری آفتاب حکومت کے افق سے طلوع ہو -اور- دارا شکوہ کی بد نصیبی کا ستارہ، بے رونقی کے گڑھے میں ڈوب جائے۔ مصلحت کی یہ باتیں دارا شکوہ کے کان میں کیسے پہنچ سکتی تھیں اور کس طرح خیر و صواب کے رستے پر چلتا۔ "(ص327)

"داراشکوہ میں جنگ کے قواعد، کارزار کا دستور، رزم آرائی کی رسم اور سپہ داری کے لوازم کی سمجھ نہیں تھی۔" اس لئے میدان جنگ میں توپ خانے کے شہاب ثاقب کو دیکھ کر "داراشکوہ پر خوف وہراس چھا گیا،۔۔۔داراشکوہ میں ہمت وشجاعت تو تھی نہیں، یہ سب دیکھ کر ناکامی کے ساتھ فرار ہو گیا"(ص328)

شاہانہ خوبیوں اور بادشاہی ہنر مندیوں کے تناظر میں عہد مغلیہ کے ایک ہندو مؤرخ سجان رائے بٹالوی نے شاہ جہاں بادشاہ کے دونوں شہزادوں کی ذاتی اور شخصی حیثیت کا ایسا تذکرہ کیا ہے کہ اندازہ لگانا مشکل نہیں رہ جاتا کہ ایک کٹر مسلمان اور بیناد پرست مسلم حکمران پر بے بنیاد الزام تراشی آسان ہے لیکن ایک ہندو مسلم سیکولر کثیر المذاہب ملک میں ایسے شخص کا بادشاہ ہونا کتنا غیر مناسب اور خطرناک ہو سکتا ہے جس کا اپنا کوئی دین ومذہب ہی نہ ہو۔ جس کی زندگی کا کوئی مذہبی قبلہ واضح نہ ہو، جس کی نظر میں خیر وشر سب برابر ہوں، جس کے نزدیک وحدانیت اور شرک میں کوئی فرق ہی نہ ہو۔ بالکل ایسا ہی کچھ دونوں شہزادوں کے بارے میں عہد مغلیہ کے دیگر ہندو مؤرخین نے بھی بے لاگ تبصرہ کیا ہے اور صحیح صورت حال بیان کر دی ہے۔

سجان رائے بٹالوی نے اورنگ زیب عالمگیر کا بحیثیت مغلیہ حکمران جہاں بانی کے تخت پر متمکن ہونے کی منظر کشی کی تمہید بھی شاندار لکھی ہے:

"جب بھی زمانے کے حالات میں خلل واقع ہو جاتا ہے اور دنیا مزاج اعتدال کے رستے سے پھر جاتا ہے تو حضرت آفرید گار، دانائے نہاں وآشکار کی حکمت کاملہ یہ کرتی ہے کہ کارخانہ کون وفساد کے نظام کی تجدید کے لئے حکومت وفرماں روائی کا تاج کسی بخت آور کے سر پر رکھ دیتی ہے۔ سلطنت اور جہاں کشائی کے اختیار کی لگام اس کے قبضہ واختیار میں دے دیتی ہے تاکہ ملک وملت اس کے سایہ عاطفت میں خلل اور نقصان سے مامون رہیں۔ سپاہ اور رعایا اس کی مہربانیوں میں مطمئن رہیں اور وہ نصیبہ ور اس نیت سے حکومت کے تخت پر قدم رکھتا ہے کہ احکام شریعت کو بجالائے۔ فرماں روائی کی خلعت اس ارادہ سے پہنے کہ وادی محتاجی کے برہنہ لوگوں کو اپنے احسان وعطا کی پوشاک پہنا دے، اپنے حسن تدبیر اور دانش وبینش سے متاع ہنر کا خریدار ہو۔ ہنر مندوں کے جوہر کا قدر دان ہو، ظاہری ملک بھی اس کے فیض وکرم سے معمور ہو، حقیقی ملک بھی اس کے مبارک وجود سے رونق پذیر ہو الٰہی احکام کو رواج دینے کے لئے عزت وعظمت کا پرچم بلند کرے، اپنے تفاخر کے جواہر اور بلندیوں کے موتیوں سے ممالک کو بھی سجادے۔۔۔۔۔۔ جمعہ کے مبارک دن ذی قعدہ کی پہلی تاریخ کو سن 1067ھ مطابق گیارہ مراد ماہ الٰہی کو اغرآباد کی خوب صورت عمارت میں۔۔۔ سلطنت کے کارندوں نے فرحت وانبساط کی بساط بچھا کر خوشیوں کے چمن کی مجلس ترتیب دی اور دنیا والوں کے مسرتوں کے دروازے کھول دیے۔۔۔۔ اور پندرہ گھڑی 22پل گزرنے کے بعد اس کام بخش، بیدار بخت، ہوشیار دل بادشاہ نے تخت سلطنت پر جلوس کیا۔ اس طرح تخت وتاج کا مرتبہ بڑھا دیا۔"(ص344)

11.2.10 تذکرۃ الکاملین

عہد برطانیہ کے مصنف پروفیسر رام چندر ہیں، ستمبر 1849ء میں اس کی تصنیف بتائی گئی ہے، اُس وقت مصنف مطلع العلوم دہلی میں انگریزی کے مدرس اور سرکاری ملازم تھے۔ انگریز افسر سر سامفلس مٹکاف بہادر بارونٹ کو پیش کرنے کے لئے یہ کتاب لکھی، اِس بات کی وضاحت کے بعد خود مصنف نے تصنیف کی غرض یہ لکھی ہے کہ فرنگی زبان سے ناواقف ہندوستانی شہریوں کو یونان، قدیم روم، برطانوی یورپ اور مشرقی ممالک کے نامور شاعروں، ادیبوں، مصنفوں، موجدوں، مہندسوں، فاضلوں، فلسفیوں، عالموں، ویدانتوں اور صوفی سنتوں سے آگاہ کرنے کے لئے یہ کتاب لکھی۔ دہلی کی مدرسی کے بعد ترقی حاصل کر کے جب سررشتہ تعلیم ریاست پٹیالہ کے ڈائریکٹر ہوئے تب راجہ مہندر سنگھ بہادر پٹیالہ کی خواہش پر "تذکرۃ الکاملین" کو سررشتہ تعلیم پٹیالہ میں رائج اور داخل نصاب کرنے کی غرض سے منشی نول کشور لکھنؤ کانپور سے اس کو چھپوایا۔

تذکرۃ الکاملین میں رومیہ کبریٰ اطالوی شہر کے بانی رومی شہنشاہ "رو ملس" کا تذکرہ سب سے پہلے کیا گیا ہے پھر 752 قبل مسیح سے 180ء تک کے درمیان میں گزرے 18 رومی اطالوی شہنشاہوں کا تذکرہ ہے۔ اس کے بعد نامور اطالوی بادشاہ قسطنطن اعظم اور سکندر اعظم جیسے 17 بادشاہوں کا تذکرہ درج ہے اور مصنف نے بطورِ خلاصہ قاری کو یہ سبق دیا ہے کہ

> ''تماشا شاہان کا دیکھو، خدا کی خدائی کا خیال کرو اور دنیا کی ناپائیداری کا تصور کرو کہ کیسے کیسوں کو زمین کھا گئی اور آسمان نے نگل لیا۔ ایک زمانہ تھا کہ پوری دنیا پر رومی اطالوی بادشاہوں کی شہنشاہی تھی اور ایک وقت یہ ہے کہ اُن کی نسلیں ختم ہو گئیں، کوئی نام و نشان نہ رہا۔''

اس کے بعد مصنف نے رومی یونانی حکیموں، فاضلوں، عالموں، فلسفیوں، ادیبوں، فصیحوں، ریاضی دانوں اور سیاست دانوں کا تذکرہ کیا ہے پھر شاعروں، موجدوں (سائنس دانوں) مؤرخوں اور تاریخ دانوں کا تذکرہ کیا ہے جیسے حکیم لقمان، ارسطو، افلاطون، بقراط، ولیم شکشپئر، بو علی سینا، جالینوس، فیثاغورس، فانوس، طوسی اور نیوٹن کا تعارف کرایا ہے۔ اس کے بعد مسلم صوفی شاعروں، مؤرخوں اور تاریخ دانوں جیسے مولانا جلال الدین رومی، نظامی، سعدی شیرازی، حافظ، عرفی، فردوسی، ابوالفضل، فیضی، خواجہ نظام الدین اولیاء اور آپ کے چہیتے مرید شاعر امیر خسرو کا تذکرہ کیا ہے پھر مہاراج کشن بیاس جی، والمیکی جی، شنکر آچاریہ اور بھاسکر جیسے ہندو عالموں کا تعارف کرایا ہے۔

مصنف نے اس بات کا بھی التزام کیا ہے کہ جس شخصیت کا حلیہ معلوم ہے، اس کی عکسی تصویر بنوا کر تعارف کے بعد شامل کر دی ہے۔

تذکرۃ الکاملین کے مصنف پروفیسر رام چندر نے مولانا جلال الدین رومی کے تعارف میں ان کی دانائی اور صوفیانہ کے تناظر میں لکھا ہے کہ

> ''افلاطون بھی کہتا ہے کہ دانائی انہی باتوں سے حاصل ہوتی ہے، ایرانیوں میں مذہب صوفیہ اور یونانیوں میں سینیا، اور ہندوؤں میں ویدانت اور ایک خاص الامانیوں کی حکمت کی اصل یہی ہے۔'' (ص 172)

تذکرۃ الکاملین، 19 ویں صدی کے نصف اول میں لکھی گئی ہے جب اردو زبان نونہال تھی، اس لئے کتاب کا لب و لہجہ، قدیم اردو کا نمونہ ہے یعنی آج کی طرح رواں دواں اور سلیس نہیں۔ جیسے "سلطنت رومیہ کبریٰ" کے بانی کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

"رو ملس نے ایک شہر 752 قبل از پیدائش حضرت عیسیٰ کے آباد کیا جسکا نام رومیہ کبریٰ رکھا اور مؤرخ اس شہر کے آباد ہونے کی عجب ترکیب لکھتے ہیں یعنی اول تو رو ملس نے حکم دیا کہ تمام مسافر اس شہر میں آنکر آرام پاوین اور دوسرے یہ کہ ایسے ایسے کھیل ایجاد کیے کہ قوم سیبا ین وہان آیا کرتی تھی تو اونکی لڑکیاں رو ملس نے پکڑوا کر اپنے باشندہ رومیہ کبریٰ سے شادی کروادی اور اسطور پر آبادی زیادہ ہوتی گئی۔" (ص2)

11.3 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- اپنی تاریخی تصنیفات میں ہندو مؤرخین نے یہ تاریخی شہادت پیش کی ہے کہ ہندوستان میں اکثریت ایسے مسلم حکمرانوں کی رہی ہے جنھوں نے ہندوستان کی زمین کو اپنی مستقل اقامت کی حیثیت بخشی اور اس کی ہمہ جہت ترقی کی ہر ممکن کوشش کی لہذا ماضی کے ہندوستان میں ایسی کئی شخصیتیں روشن نظر آتی ہیں جن کے پروانے ہندو بھی تھے اور مسلمان بھی۔۔۔۔۔۔ بابر سے لے کر اورنگ زیب عالمگیر تک بلکہ اس سے قبل کے بھی مختلف خاندانوں کے مسلم حکمرانوں نے ہندوستان کو اپنے خوابوں کی دنیا کے طور پر پیش کیا ہے اور اس کے حسن و جمال کو نئی تاب و توانائی عطا کی۔ اس کے برعکس انگریزوں نے اپنی استعماری ہوس اور تاجرانہ سوچ کے تحت وطن عزیز ہندوستان کو اپنی چیرہ دستیوں کا نشانہ بنایا۔ ہندوستان کو اپنی جائے سکونت کی بجائے سونے کے انڈے دینے والی مرغی ہی سمجھا۔
- 18 ویں صدی سے پہلے اور بعد کے اکثر ہندو مصنفین اور مؤرخین مسلم دانشوروں اور علما کے شاگرد تھے اور اسلامی مدرسوں کے تعلیم یافتہ و پروردہ تھے، اس لئے ہندو مصنفین اور مؤرخین نے تاریخ نگاری میں کوئی نئی راہ نہیں نکالی بلکہ انہوں نے چونکہ فارسی زبان اور تاریخ نگاری کا فن مسلمانوں سے سیکھی تھی، اس لئے اندازِ تحریر، واقعات و مسائل کو بیان کرنے کا ڈھنگ اور منظر کشی کا رنگ و آہنگ، مسلمانوں کا رنگ و آہنگ لیے ہوئے ہے۔
- موضوعِ گفتگو کے تحت شامل ہندو مصنفین اور مؤرخین کے علاوہ بھیم سین برہان پوری، پنڈت ایشور داس، لالہ کیول رام، خوش حال چند کائستھ، شیو داس لکھنوی، لالہ چتر من، لالہ ہر چرن داس، بہادر سنگھ الٰہ آباد، جگ جیون رام داس، لکشمی نارائن، بنواری داس، منشی منالال، سروپ چند کھتری، منشی سدا سکھ، لال کشن دیال سکسینہ، منولال فلسفی، رائے امر سنگھ خوش دل، کالی رام کائستھ، منشی گنپتی لال، منشی سوہن لال سوری، کنہیالال ہندی اور مہاراجہ کلیان سنگھ جیسے دیگر بہت سے ہندو مصنفین اور مورخین ہیں جن کو پڑھنے کے بعد ہندوستان کے ماضی اور عہد مغلیہ کے بھارت کو سمجھنے اور پرکھنے میں آسانی ہوگی، ساتھ معلومات میں اضافہ اور غلط

فہمیوں کو دور کرنے میں بڑی مدد ملے گی۔

11.4 نمونہ امتحانی سوالات

11.4.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. تاریخ نادرالزمانی کس کی تصنیف ہے؟ ---
2. بھیم سین برہان پوری کی تصنیف کا نام بتائیں؟ ---
3. اورنگ زیب کی جیتی جاگتی تصویر، کس کتاب کے بارے میں کہا گیا ہے؟-------------------------------------
4. نسخہ دل کشا، کس مؤرخ کی تصنیف ہے؟ ---
5. پنڈت ایشور داس کی تصنیف کا نام کیا ہے؟ ---
6. عہد عالمگیری کے اولین ہندو مؤرخ کا نام کیا ہے؟ ---
7. روزنامچے اور وقایع کی مدد سے کون سی کتاب لکھی گئی ہے؟ ---
8. کس ہندو مصنف کو اورنگ زیب عالمگیر کا عقیدت مند مصنف کہا گیا ہے؟-----------------------------------
9. مجمع الاخبار، کس تاریخی کتاب کا حصہ ہے؟ ---
10. خلاصۃ النوادر اور اخبار النوادر کس مشہور تصنیف کا دوسرا نام ہے؟ -------------------------------------

11.4.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. عہد مغلیہ کے ہندو مؤرخین کے مصنف کون ہیں؟ جائزہ لیجیے۔
2. بندرابن داس بٹیالوی کی تصنیف کا نام کیا ہے؟ اس کتاب پر روشنی ڈالیے۔
3. چہار چمن کس کی تصنیف ہے۔ بیان کیجیے۔
4. ''اندازہ کرنا مشکل ہے کہ مصنف ہندو ہے کہ ایرانی" یہ کس کی تصنیف سے متعلق کہا گیا ہے؟ اس کتاب کا تعارف کرائیں۔
5. تذکرۃ الکاملین میں مصنف نے کن لوگوں کا تذکرہ کیا ہے۔

11.4.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. خلاصۃ التواریخ کا تعارف کرائیں اور کوئی ایک امتیازی خوبی لکھیے۔
2. چہار چمن کس نوعیت کی تصنیف ہے؟ وضاحت کریں اور مصنف کے دور کا تعارف کرائیں۔
3. منشی سجان رائے بھنڈاری نے خلاصۃ التواریخ لکھنے کے کن تاریخی کتابوں کا بطور خاص مطالعہ کیا۔

11.5 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1.	عہد مغلیہ کے ہندو مؤرخین	:	ڈاکٹر محمد منصور عالم (کلکتہ)
2.	18ویں صدی کے دوران ہندوستان میں فن تاریخ نگاری	:	ظہیر الدین ملک
3.	مراۃ الحقائق۔(مغلوں کی انتظامی تفصیل)	:	اعتماد علی خان عالمگیری
4.	شاہ جہاں نامہ	:	لالہ بھگوان داس، عہد شاہجہانی کا مصنف
5.	بزم تیموریہ	:	صباح الدین عبدالرحمن، دارالمصنفین
6.	فتوحات عالمگیری	:	پنڈت ایشور داس
7.	مرأۃ احمدی	:	مرزا محمد حسن قلی محمد خان
8.	تذکرۃ الامراء	:	(روزنامچہ) لالہ کیول رام

اکائی 12: ہندوستانی غیر مسلموں کی دینی کتب کی اشاعت

اکائی کے اجزا:

12.0 تمہید
12.1 مقاصد
12.2 منشی نول کشور
12.2.1 حیات
12.2.2 خدمات
12.3 اخبارات اور مطابع کے ہندو مالکان
12.4 اکتسابی نتائج
12.5 نمونہ امتحانی سوالات
12.5.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
12.5.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات
12.5.3 طویل جوابات کے حامل سوالات
12.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

12.0 تمہید

اس اکائی میں ہم اس حقیقت پر روشنی ڈالیں گے کہ اسلامی علوم وفنون کی اشاعت وترویج میں صرف مسلمانوں نے ہی نہیں غیر مسلموں نے بھی حصہ لیا ہے۔ابتدائے اسلام میں ہی اشاعت علم کے سلسلے میں غیر مسلم حضرات کا تعاون بھی لیا جاتا تھا، حتی کہ قرآن کی کتابت میں یہود سے کام لیے جانے کا ذکر ملتا ہے۔اس نئی ضرورت کے پیش نظر مسلمانوں نے بھی کتابت وخطاطی پر توجہ کی۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ کا دور آتے آتے مسلمان کاتبوں کی اتنی بڑی تعداد مہیا ہوگئی کہ خلافت عثمان کی جانب سے تقسیم کیے جانے والے صحائف کی تیاری کے

لیے کافی تھی۔ کاغذ کی صنعت نے جس طرح کھجور کے پتوں، درخت کی چھالوں اور ہرن کی جھلیوں پر دستاویزات و کتب سازی کے دروازے بند کر دیے۔ اس طرح مشین کی چھپائی نے بھی انسانی سرگرمی کا ایک نیا دور شروع کیا۔ مصنفین اور قارئین کے درمیان ناشرین کا نیا طبقہ وجود میں آگیا۔ اب لیتھو طباعت فوٹو اسٹیٹ سے گزر کر کمپیوٹر کے دور میں داخل ہو چکی ہے۔ یہ سارے ناشرین صرف مسلم نہیں ہوتے اور نہ ہی صرف مسلم ناشرین اسلامیات کی اشاعت کے لیے کافی ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ زمانہ دراز سے اسلامی کتابوں کی اشاعت کے لیے غیر مسلم ناشرین کا تعاون حاصل کرنے کا سلسلہ جاری ہے اور عیسائی، یہودی اور ہندو ناشرین اس سلسلے میں مسلمانوں کے ساتھ تعاون کرتے رہے ہیں۔

ہندو دانشوروں کا ذکر کرتے ہوئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ان علمی حلیفوں یعنی غیر مسلم مالکان مطبع اور غیر مسلم ناشرین کا تعارف بھی کرایا جائے جن میں سے اکثر لوگ اپنے فنون میں مجتہدین کا درجہ رکھتے تھے لیکن اس طویل فہرست میں سے ہر ایک کا تعارف اس مختصر تحریر میں ممکن نہیں۔ لہٰذا اس زمرہ سے صرف ایک شخصیت یعنی منشی نول کشور کا ذکر یہاں شامل کیا گیا ہے جو ہر اعتبار سے ایک جامع شخصیت تھے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ انہیں 1857ء کے بعد کے حالات میں ہندوستان میں دراسات اسلامی کا نجات دہندہ اور محافظ کہا جا سکتا ہے۔

12.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد یہ ہے کہ آپ کو ہندوستانی غیر مسلم ناشرین سے متعارف کروایا جائے تاکہ آپ ان کے اسلامی ذوق اور اس میدان میں ان کی خدمات کا جائزہ لے سکیں اور اس دور کے جرائد و رسائل کے بارے میں واقفیت حاصل کر سکیں۔

12.2 منشی نول کشور

1857ء کے غدر کی تباہی کے بعد جن باشعور شخصیات نے ہندوستان کے تباہ و برباد لوگوں کی علمی، ادبی اور تہذیبی روایات کو نئی زندگی بخشی ان میں منشی نول کشور کا نام ہر ممکن فہرست میں نمایاں مقام پر رکھا جائے گا۔ ویسے تو منشی نول کشور محض ایک کامیاب تاجر تھے لیکن انہوں نے اپنی تجارت کے ذریعہ کلاسیکی علوم و فنون اور مشرقی اقدار اور بالخصوص ہندوستانی مسلمانوں کی گرانقدر ثقافت کو زندہ رکھنے میں مغرب کی تہذیبی جارحیت اور استعماری چیرہ دستیوں سے پنجہ آزمائی کا جو تاریخی کارنامہ انجام دیا، وہ غیر معمولی تھا۔ منشی نول کشور کی حیات و خدمات کا مطالعہ اسلامیات کے طلبہ کے لیے کسی بیش قیمت ورثہ کے مطالعہ سے کم نہیں ہے۔

12.2.1 حیات

منشی نول کشور ایک برہمن خاندان سے تعلق رکھتے تھے لیکن وہ کائستھ گھرانے کے فرد سمجھے جاتے ہیں ان کے خاندان کو مغلیہ دور سے ان کی فرض شناسی اور علم دوستی کے باعث معزز سمجھا جاتا تھا۔ ان کا آبائی وطن ضلع متھرا تھا لیکن خشک سالی کے بعد وہ لوگبستوئی (علی گڑھ) میں آباد ہو گئے تھے۔ منشی نول کشور کی پہلی شادی قصبہ ریڑھا کے زمیندار کی صاحبزادی سرسوتی کور سے ہوئی تھی جن کے بطن سے منشی جی کی تین بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ سرسوتی کور کی وفات منشی جی کے انتقال کے 4 برس بعد 1901ء میں ہوئی۔ ریڑھا میں ہی منشی جی کی والدہ کا

وطن تھا۔ منشی جی کی ابتدائی تعلیم ساسنی (علی گڑھ) میں ہوئی۔ فارسی عربی اور دینیات کی تعلیم کے بعد ان کے والد نے ثانوی تعلیم کے لیے انہیں آگرہ بھیجا جہاں وہ 1845 سے 1850 تک آگرہ کالج میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ وہ تعلیم کے دوران اخباری مراسلات اور مضمون نگاری کی مشق کیا کرتے تھے۔ حکومت نے ان کی حوصلہ افزائی کی اور وظیفہ مقرر کر دیا۔

سرکاری وظیفہ سے حوصلہ پاکر منشی نول کشور صحافت کے میدان میں داخل ہوئے۔ اردو ان کی خانگی زبان تھی اور وہ سنسکرت میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ انگریزی زبان انہوں نے درمیان میں سیکھ لی۔ منشی جی نے اپنے صحافیانہ کیریئر کی ابتدا میں 'سفیر آگرہ' (آگرہ) میں مضمون نگاری کی۔ 1851ء میں منشی نول کشور لاہور گئے اور اخبار 'کوہِ نور' کا پریس 4 برسوں تک سنبھالے رہے۔ لیکن 1856ء میں اخبار کے خلاف مقدمہ چلا اور اگلے سال اس کے مالک سے ان کی ناچاقی ہو گئی جس پر انہوں نے آگرہ واپس آنے کی ٹھان لی۔ دراصل وہ آزاد رہ کر ملک و قوم کی خدمت کا ارادہ کر چکے تھے۔ اس خیال سے انہوں نے سیاست، سماج اور معیشت کے بارے میں گہری معلومات حاصل کی تھیں اور اپنے مشن کے لیے ایک مطبع قائم کرنا چاہتے تھے۔ لیکن اسی دوران ہندوستان کی پہلی جنگ آزادی برپا ہو گئی۔

1857ء کے ہنگامہ کے بعد منشی نول کشور نے آگرہ سے لکھنؤ کا رخ کیا جہاں انہوں نے آغا میر کی ڈیوڑھی کے ایک معمولی مکان میں ہینڈ پریس اور چھپائی کے پتھروں کا انتظام کر کے 1858ء میں مطبع نول کشور قائم کیا جس نے تہذیبی و ثقافتی تاریخ میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ اگرچہ اس وقت مغربی تہذیبی جارحیت کے مقابل مشرقی علوم کے ماہرین بے وقار اور بے سہارا ہو چکے تھے لیکن منشی نول کشور نے مشرقی تہذیب اور علوم وفنون کی بازیابی کی مہم میں کوئی خلل نہیں پڑنے دیا۔ انہوں نے عالموں اور دانشوروں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر اپنی ٹیم میں شامل کیا اور ان کی ہر طرح سے مدد کی۔ انہوں نے نادر و نایاب مذہبی صحائف اور مشرقی علوم وفنون کی عسیر الحصول کتابیں مختلف نجی کتب خانوں سے حاصل کیں اور تصحیح و حواشی کے ساتھ انہیں شائع کر کے مشرقی علوم کے احیاء کا فریضہ انجام دیا جس سے اہل ملک بالخصوص مسلمانوں کے خلاف علمی، تہذیبی، تمدنی، سیاسی، معاشرتی و معاشرتی خطرات کا ازالہ ممکن ہوا۔ سچ تو یہ ہے کہ مطبع نول کشور کا پیدا کردہ انقلاب 1857ء کے سیاسی انقلاب سے بہت طاقتور ثابت ہوا۔

منشی نول کشور نے دینی کتابوں کی طباعت شروع کر کے اپنے مطبع کو مضبوط کاروباری بنیادوں پر کھڑا کر دیا تھا۔ لیکن منشی نول کشور محض ایک کامیاب کاروباری ہی نہیں تھے وہ ایک معیاری مصنف، اردو، ہندی اور فارسی کے نقاد اور ایک منجھے ہوئے صحافی بھی تھے۔ انہوں نے کتابوں کی اشاعت کے پہلو بہ پہلو علم و ہنر اور فکر و فن کی آبیاری بھی کی۔ انہوں نے مطبع نول کشور کو مختلف صلاحیتوں کی افزائش کا مرکز بنایا اور اس سے ایک باوقار اکیڈمی کا کام لے کر ہند اسلامی ثقافت کو نئی زندگی بخشنے کے ساتھ ساتھ اردو، عربی، فارسی، ہندی اور سنسکرت زبانوں پر بھی بڑا احسان کیا۔ ان خوبیوں کے ساتھ ساتھ منشی نول کشور ایک بلند پایہ انسان بھی تھے۔ وہ ہر انسان کی بلا لحاظ ملت خدمت کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے اور ہنگامی حالات میں کچھ زیادہ ہی فیاض ہو جاتے تھے۔ 1877ء کی قحط سالی اور گومتی میں سیلاب کے وقت وہ خود ہی مالی تعاون نہیں کرتے بلکہ دوسروں کو بھی مصیبت زدگان کی امداد کے لیے ترغیب دلاتے تھے۔ انہوں نے لیڈی ڈفرن فنڈ اور حسینی ہائی اسکول کو مدد دینے کے علاوہ ہفنلے بورڈنگ ہاؤس کی تعمیر میں بھی دلچسپی لی تھی اور جلسۂ تہذیب (لکھنؤ) میں معیاری مشاعرے منعقد کرائے تھے۔

منشی نول کشور اپنے مطبع کی مطبوعات کتب خانوں اور تعلیمی اداروں کو بنا کسی قیمت کے فراہم کرتے تھے۔ ان تمام خدمات میں قائدانہ رول ادا کرنے کے باوجود منشی نول کشور کی شخصیت غرور و تکبر کے شائبہ سے بھی پاک تھی۔

منشی نول کشور کو حکومت ہند کی سفارش پر 1888ء میں سی آئی ای کا خطاب اور قیصر ہند کا تمغہ دیا گیا تھا۔ وہ لکھنؤ میونسپل بورڈ کے پہلے ہندوستانی ممبر تھے۔ وہ لکھنؤ کے اعزازی مجسٹریٹ اور اودھ کے جیل خانوں کے اعزازی انسپکٹر بھی تھے۔ منشی نول کشور کو گورنمنٹ پریس (الہ آباد) کا نگراں اور روہیل کھنڈ بورڈ کا ممبر بھی نامزد کیا گیا تھا۔ لدھیانہ میں منعقد گورنر جنرل کے دربار میں منشی نول کشور کو والیانِ ریاست کی صف میں نشست دی گئی تھی۔ منشی نول کشور کی شائع کردہ مذہبی اور علمی کتابیں دیکھ کر افغانستان کے امیر عبیدالرحمن نے کہا تھا کہ آپ نے اسلام اور مسلمانوں کی بڑی خدمت کی ہے۔ 1888ء میں شاہ ایران نے ہندوستان آنے کے دو مقاصد بتائے تھے: پہلا وائس رائے سے ملنا اور دوسرا، منشی نول کشور سے ملنا۔ منشی نول کشور کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے آنجہانی وزیر اعظم ہند اندرا گاندھی نے انہیں 19 ویں صدی کا 'ہمارا دانشورانہ قائد' قرار دیا تھا۔

12.2.2 خدمات

اس میں شک نہیں کہ منشی نول کشور نے سب سے بڑی خدمت مطبع نول کشور کے ذریعہ کتابوں کی اشاعت کر کے انجام دی۔ ایسا نہیں ہے کہ مطبع نول کشور سے پہلے ملک میں کوئی اور مطبع تھا ہی نہیں لیکن منشی نول کشور نے اپنے مطبع کی شائع کردہ کتب میں تنوع، صحت، دیدہ زیبی اور کفایت کا جو معیار قائم کیا وہ ایسا عہد ساز اور مثالی تھا کہ اس کی ستائش نہ صرف اندرون ہند بلکہ ملک کے باہر بھی کی گئی۔ منشی نول کشور نے ایک مختصر سی مدت میں قرآن مجید، تفاسیر، احادیث، تاریخ و سیر، اسلامی لٹریچر، تصوف و اخلاق اور ان کے علاوہ دیگر مذاہب کے مذہبی صحف، علوم و فنون اور تمدنی یادگاروں کا اتنا بڑا خزینہ تیار کر دیا جس سے ثقافت کا استحکام یقینی ہو گیا۔ منشی نول کشور نے اس کام کے لیے ملک بھر سے ضروری کتابیں تلاش کر کے جمع کیں اور پھر اپنے وقت کے مقتدر علماء سے ان کی تصحیح کرائی۔ علماء کی اس ٹیم میں ایسے حضرات بھی موجود تھے جو تراجم، حواشی اور شرح نویسی کا کام بھی کرتے تھے۔ ایک دوسری ٹیم خوش نویسوں اور مصلحین سنگ کی تھی۔ ان کے علاوہ بہت سے دیگر رفقائے کار بھی منشی جی کے ساتھ تعاون کرتے تھے۔ اس طرح لکھنؤ میں حفاظ، علماء، مورخین اور شعراء اس کثرت سے جمع ہو گئے کہ ان کی تعداد تمام مطابع کے لیے آج تک ایک ریکارڈ ہے۔

منشی نول کشور اشاعت کتب میں تصحیح اور درستگی پر سب سے زیادہ دھیان دیتے تھے۔ اسلامی کتب اور بالخصوص قرآن مجید کی طباعت کے لیے انہوں نے مصحح، پریس مین، مشین مین اور کاغذ لگانے والوں کو تاکید کی تھی کہ وہ صاف اور باوضو ہو کر طباعت کریں۔ خود منشی نول کشور نہا دھو کر ایک پاک و صاف مسند پر بیٹھ کر دھلی ہوئی سفید چادر اپنے زانو پر ڈال لیتے اور تب کتابت قرآن کی کاپیوں اور پروفس کو دیکھتے۔ ان اہتمامات کیوجہ سے مطبع نول کشور سے شائع شدہ قرآن مجید، حمائل اور دیگر اسلامی کتب کی مانگ اندرون ملک بہت بڑھ گئی تھی بلکہ اس کی عربی اور فارسی میں شائع شدہ کتابیں چین، ترکستان، افغانستان، ایران، عراق، حجاز، مصر اور شام تک سے بڑی تعداد میں طلب کی جاتی تھیں۔ دیوبند کی مجلس شوریٰ نے عربی کتب کی اشاعت کے لیے منشی نول کشور کا شکریہ ادا کیا تھا۔ ایک شائع شدہ فہرست کے مطابق منشی نول کشور نے چار

ہزار کتابیں شائع کی تھیں جو تفاسیر، احادیث، فقہ، معانی ولغات، اخلاق وتصوف انشاء وقواعد، کلیات ودواوین، تارخ وتذکرہ، اسلامیات، سفر ناموں، داستانوں، افسانوں، علم طب، جغرافیہ اور دیگر علوم وفنون پر مشتمل تھیں۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ منشی نول کشور نے صرف اسلامی علوم تک اپنا اشاعتی پروگرام محدود رکھا۔ وہ اسلامی اور غیر اسلامی صحیفوں میں بھید بھاؤ نہیں کرتے تھے۔ وہ مشرقی تہذیب وعلوم کے گرویدہ تھے اور دنیا بھر سے ہندوستان کی تہذیبی ثروت کا اعتراف کرانا چاہتے تھے۔ چنانچہ وہ عربی اور فارسی کتب پر تکیہ نہیں کیے رہے بلکہ انہوں نے ہندی، انگریزی، گرومکھی، مرہٹی، بنگالی اور پشتوزبانوں میں بھی معیاری کتابیں شائع کیں۔ مطبع نول کشور نے اپنے ابتدائی ایام میں جو کتابیں شائع کی تھیں، ان میں صرف 15 فیصد کتابیں اردو، فارسی اور مذہبی تھیں جبکہ باقی کتابیں دوسری زبانوں کی تھیں۔ انہوں نے منوسمرتی، گیتا، مہابھارت، رامائن، سور ساگر، اُپنشد اور ویدوں کے ساتھ ساتھ گروگرنتھ، توریت، عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ جدید بھی شائع کئے۔ وہ جس طرح عربی، فارسی اور اردو ادبیات کو اہم سمجھتے تھے، اسی طرح سور، تلسی، میرا، کیشوداس وغیرہ کی تصانیف کو بھی اہمیت دیتے تھے۔

منشی نول کشور نے اپنے مطبع کو مرکز بنا کر اس کے گرد دیگر ادبی اور ثقافتی سرگرمیاں بھی شروع کی تھیں، مثلاً انہوں نے وہاں بیٹھ کر داستان نگاری اور قصہ گوئی کا ایسا دو آتشہ بنایا تھا جس نے اس عہد کی تخلیقی صلاحیتوں کو ان کے مطبع میں جمع کر دیا تھا۔ مطبع کی داستانوں نے شمالی ہند کے عام لوگوں سے لے کر مرزا غالب تک پر گہرا اثر ڈالا تھا۔ داستان نگاری میں فن قصہ گوئی کے التزامات پورے کیے جاتے تھے۔ مطبع نول کشور کے داستان گویوں کے ساتھ زود نویس کاتب بھی اپنے فن کا مظاہرہ کرتے تھے۔ مطبع نول کشور کی داستانیں ہم عصر معاشرت کی بے لاگ ترجمانی کرتی تھیں۔ داستان امیر حمزہ بڑی حد تک ہندوستان کی مشترکہ تہذیب کی عکاس ہے اور طلسم ہوش رُبا معرکہ خیر وشر کا دلچسپ بیانیہ ہے۔ ان طویل داستانوں کے علاوہ منشی نول کشور نے کئی فارسی داستانوں کو ہندوستانی ماحول میں ڈھالا تھا۔

مطبع نول کشور قائم کرتے وقت منشی نول کشور کا اصل مقصد اردو صحافت کی دنیا میں مقام بنانا تھا۔ چنانچہ مطبع کے قیام کے تین دن گزرتے ہی انہوں نے 'اودھ اخبار' نامی ہفت روزہ کی اشاعت شروع کر دی جو 1877ء سے روزانہ شائع ہوا۔ اودھ اخبار کی پہلی خوبی یہ تھی کہ یہ پابندیٔ وقت کے ساتھ نکلتا تھا۔ دوسری اخباری خوبی تھا اس کا مواد ایک متعین معمول کے ساتھ شائع کیا جاتا تھا۔ اودھ اخبار انگریز کا حمایتی ضرور تھا لیکن اس کے اغراض ومقاصد تھے: قومی یکجہتی اور اتحاد واتفاق کے لیے قائدانہ رول ادا کرتے ہوئے عوامی رابطہ کے ذریعہ اخلاقی، معاشرتی اور تعلیمی بیداری پیدا کرنا۔ منشی نول کشور برطانوی حکومت کے سامنے خود سپردگی کی بجائے ہندوستانیوں اور ہندوستانی تہذیب کے وقار وعزت کو برقرار رکھنے کو ترجیح دیتے تھے۔ اودھ اخبار میں مضامین اور مراسلات کے ساتھ ساتھ مشاہیر ادب مثلاً مرزا غالب اور سرسید، میرانیس اور مرزا دبیر کی تخلیقات شائع کی جاتی تھیں۔ اخبار کے مستقل کالموں میں مراسلات، اعلانات، اشتہارات، تہذیبی اجتماعات اور ادبی محفلوں روئداد اور خبروں کے ساتھ بازار بھاؤ، شرح مبادلہ اور ملکی وغیر ملکی خبریں اور تراجم پابندی سے شائع کئے جاتے تھے۔ ان مقاصد کی تحصیل کے لیے مضمون نگاروں، مترجمین، مراسلہ نگاروں، نمائندوں، نامہ نگاروں اور ایڈیٹروں کی ایک باصلاحیت ٹیم کا تعاون منشی نول کشور کو حاصل تھا۔ خود منشی نول کشور عام ملکی حالات اور سیاسی پیش قدمیوں سے متعلق تجزیاتی اور جائزہ مضامین کے ذریعہ اردو صحافت کو

دوسری زبان کے ہم پلہ بنانے میں لگے رہتے تھے۔اودھ اخبار کے مراسلات اکثر وبیشتر قومی بحث کارخ اختیار کر لیتے تھے۔اس طرح اودھ اخبار اپنے وقت میں ایک نئے سیاسی، ثقافتی اور علمی انقلاب کا ہرکارہ بن گیا تھا۔اودھ اخبار کو استقرار حاصل ہونے کے بعد منشی نول کشور نے 'اودھ ٹائمز' کے نام سے ایک انگریزی اخبار شروع کرنے کی ٹھانی لیکن اسے اودھ اخبار جیسا مقبول اور معیاری بنانے کا وقت زندگی نے انہیں نہیں دیا۔

جنوری 1895ء سے منشی نول کشور نے 'اودھ ریویو' نامی اردو ماہنامہ شروع کیا۔ جس میں ناول، ڈرامے، قصے، لطائف، شعر و سخن، سوانح عمریاں، بلند پایہ مضامین اور تفریحی معلومات شائع کی جاتی تھیں جن کے ذریعہ وہ اودھ اخبار کے ادبی وعلمی حلقوں بالخصوص اردو دانشوروں اور مفکروں کو عالمی معیار کی سطح تک لے جانا چاہتے تھے۔ جنوری 1895ء سے یہ رسالہ نکلنا شروع ہوا تھا لیکن اگلے ہی مہینہ 19، فروری 1895ء کو داعیٔ اجل نے ان کے عرصۂ حیات کے اختتام کا اعلان کر دیا۔ منشی نول کشور کی وفات کے بعد اودھ ریویو اگلے 9 ماہ سے زیادہ نہ چل سکا۔اودھ ریویو کے ذریعہ منشی نول کشور نے اردو دنیا کو ٹائپ سے متعارف کرایا تھا۔

یہ تھا خالص علمی، لسانی، صنعتی، ثقافتی اور تہذیبی انقلاب کا ایک مختصر سا سفر نامہ۔ منشی نول کشور نے مطبع نول کشور قائم کر کے مسلم دنیا کو جدید اشاعتی طریقوں سے روشناس کرایا۔اپنے گوں ناگوں امتیازات کی بناء پر مطبع نول کشور اپنے وقت میں پیرس کے آپس پریس کے بعد دنیا کا سب سے بڑا پریس بن گیا تھا۔

12.3 اخبارات اور مطابع کے ہندو مالکان

ہندوستان میں اسلام کی آمد کے ساتھ ہی اسلامی کتب کے شائع کرنے والوں کا ایک حلقہ وجود میں آ گیا تھا۔ابتدا میں راجہ ومہاراجہ ہی اسلامی کتب، بالخصوص قرآن اور تراجم قرآن کا تقاضہ کرتے تھے لیکن رفتہ رفتہ یہ طلب بڑھتی گئی جو نقل نویسی کے ذریعہ پوری کی جاتی رہی۔ 19 ویں صدی کی تبدیلیوں میں ایک اہم واقعہ پریس کی چھپائی کا تھا جس نے اشاعت علم کی میدان میں ایک انقلاب پیدا کر دیا تھا۔ یہ انقلاب اسلامی کتب کی اشاعت کے میدان میں بھی آیا۔ چنانچہ اس میدان میں بھی متعدد غیر مسلم ناشرین نے قابل ذکر کارنامے انجام دیئے۔ایسے غیر مسلم ناشرین اور مالکان مطبع کی ایک جزوی فہرست ذیل میں دی جارہی ہے جس سے اسلامی کتب کی اشاعت میں ان کے تعاون کی وسعت کا اندازہ ہوگا:

نمبر	اخبار اور مطبع	نام مالک وایڈیٹر	سن	مقام
1	اخباروں کا قبلہ گاہ	مہتمم بھگوان داس	1878	لاہور، ہفتہ وار
2	اخبار عام	مالک پنڈت رام، اڈیٹر گول ناتھ	1871	لاہور، ہفتہ میں 3 بار
3	اخبار ہند	مانگ گوری شنکر، مہتمم منشی اودہ بہاری لال، اڈیٹر مرزا رفیع الدین	1880	لکھنؤ ہفتہ وار

4	اخبار چنار	مالک: بابو ہنومان پرشاد، ایڈیٹر مصنف کتاب مولود شریف سعدی	3 ستمبر 1884	چنار، مرزاپور ہفتہ وار
5	اتالیق پنجاب	مہتمم بابو پیارے لال	1870	لاہور
6	اتالیق زمینداران	مالک: لالہ نرائن داس	1877	ہوشیارپور
7	ایجوکیشنل پریس	مہتمم کنہیالال اکرامیز	1866	لاہور
8	احسن المطابع	مالک منشی لیشن سروپ	یکم فروری 1885	یحییٰ گنج، لکھنؤ
9	اردو رپورٹ	مالک: منشی لیشن سروپ	1870	مرادآباد، ماہنامہ
10	اردو گورنمنٹ گزٹ پنجاب	مہتمم پیارے لال	1872	لاہور، ماہانہ
11	اردوانسٹرکٹر (اردوانگریزی مشترک)	مطبع گرنتہ پرکاش	1882	بمبئی
12	آصف الاخبار	مالک: نارائن سوامی مدابھار کمپنی	یکم فروری 1871	حیدرآباد
13	اصغری	کاتب: پیارے لال	یکم اگست 1871	
14	آفتاب ہند، کاشی پریس	باہتمام بابو گوبند چندر	1854	بنارس، پندرہ روزہ
15	آفتاب عالمتاب	مالک لالہ دیبی پرشاد مہتمم لالہ شمبھوناتھ	1870	لکھنو
16	آفتاب عالمتاب	مالک ایوان اسپاسنگھ، اڈیٹر منشی رام سنگھ	1885	لاہور
17	آفتاب پنجاب	ایوان بوٹاسنگھ	1873	لاہور، ہفتہ وار
18	آفتاب محشر، مطبع چنی لال پریس	مالک: لالہ کندن لال شرر مہتمم سکھن لال	ستمبر 1887	علی گڑھ پندرہ روزہ
19	افسوس، مطبع چنی لال پریس	باہتمام جگدمبا پرشاد	یکم مئی 1885	فتح گڑھ

20	امر سنگھ پریس	مالک راو سنگھ باہتمام رام پرشاد	جنوری 1876	بڑھانہ، مظفر نگر
21	انجمن رفاہ	باہتمام منشی گلاب رائے		گونڈہ
22	انجمن زراعت	پنڈت سری لال	1884	بجنور
23	انجمن فیضان عام، مطبع گیان پریس	مہتمم منشی دیوان چند	1866	گوجرانوالہ، ماہانہ
24	انجم افروز	مہتمم لالہ بھگوان داس	1859	کشمیری گیٹ، دہلی
25	انوار احمدی، مطبع منشی ہزاری لال		1867	ہردوئی
26	اودھ پرکاش	مالک برج موہن لال، باہتمام منشی چنڈی لال	جنوری 1887	فیض آباد
27	اودھ پریس	مالک لالہ چندن لال، مہتمم پیارے لال	1874	یحییٰ گنج، لکھنؤ
28	آئینہ آئین ہند،	گیان پریس مہتمم منشی برج لال	1879	
29	آئینہ ریاضی	مالک لالہ بختاور سنگھ	یکم جنوری 1879	شاہجہاں پور
30	آئینہ تہذیب	مالک بابو شبو پرساد	ستمبر 1882	غازی پور، سید پور
31	آئینہ ہند، آریہ پریس	مالک لالہ رنگی رام مختار، مہتمم لالہ سالک رام	یکم جنوری 1883	
32	آئینہ روزگار	مالک پانڈے رام سرن لال کائستھ	1888	غازی پور
33	آئین پریس	مالک منشی امر سنگھ	1883	نظام الدین
34	آئین ہند	مہتمم امر سنگھ	1883	دہلی
35	انبالہ گزٹ، مطبع ہری پرکاش	مالک لالہ ہر بنس رائے	یکم اگست 1885	انبالہ
36	باوا آدم	پنچ بحکم لالہ پرتاپ صاحب مالک بابو سندر داس	اکتوبر 1881	بنارس

37	بحر حکمت	مالک رائے ہر سکھ رائے باہتمام منشی منور رام	1862	لاہور پندرہ روزہ
38	بحر النبوض	مالک لالہ بیجا ناتھ	1861	فتح پور، ہسوہ
39	برق، مطبع دت پرشاد پریس	مالک نواب علی حسرت لکھنوی	1885	بمبئی، ماہانہ
40	برہم پریس	متہم بھگوان داس حسبِ فرمائش شیخ غلام حسین تاجر کتب	1879	دہلی
41	برہم پریس	مالک نتھو رام نند	یکم جون 1883	لاہور
42	برج آفتاب پنجاب	مالک دیوان ابا سنگھ	6مارچ 1885	لاہور
43	ہلدیو پرکاش	مالک ہلدیو پرشاد	یکم جولائی 1880	آگرہ
44	بنارس گزٹ	مالک گوبند رگھوناتھ	1854	بنارس
45	بنارس گزٹ	متہم بابو اچھا پرشاد، مالک بابو سدہ گوپال، اڈیٹر لال اشرفی	1883	بنارس
46	بنارس لاٹ پریس	مالک گوپی ناتھ	1870	بنارس
47	ہند پریس	مالک منشی ہنومان پرشاد شاہجہاں پوری	یکم مارچ 1856	مرزاپور
48	بوستان العاشقین	مالک بابو مول راج، متہم بابو چھوٹے، اڈیٹر لالہ ماھو برشا	1877	لکھنؤ ہفتہ وار
49	بہار جنت	مالک سردار بوٹا سنگھ	1887	کپور تھلہ
50	بہارستان شوق	مالک بابو گنگا سہائے	1885	بلند شہر، ماہانہ

51	بے نظیر	مالک جی۔پی۔دتاتری اڈیٹر پنڈت شیونا تھ سنگھ	5 جنوری 1884	لکھنو
52	براب پنج	منشی کرشن لال	1886	کھولہاپور، امراوتی
53	پرنٹنگ پریس	مالک بابو کشوری موہن چٹرجی	1886	گورکھپور
54	تاج الاخبار، مطبع کایستھ	باہتمام لالہ گوکل پرشاد	1874	مشک گنج، لکھنؤ
55	تاج الاخبار	مالک بابونرائن داس، اڈیٹر منشی رام سہائے شفیق	یکم نومبر 1884	راول پنڈی ہفتہ واری
56	تحفۂ پنجاب	ٹھاکر بیرم بلرام سنگھ مہتمم دیوان بھگواس داس	1875	امرت سر
57	تحفۂ پنجاب	مالک اتم چند	1883	لاہور
58	تحفۂ کشمیر	مہتمم منشی جمناپرشاد مالک لالہ رائے ہرسکھ رائے	1876	سری نگر
59	تہذیب سخن	مالک منشی کرشن لال جوش	1886	کولہاپور، امراوتی
60	تعویذ	مالک لالہ بانکے لال زارید بدایونی	جولائی 1885	متھرا
61	ثمر ہند	مالک منشی پیارے لال ڈپٹی منیجر ہرسمرن داس	1869	مسن پوری
62	جام جہاں نما	مالک رائے سری کرشن چندر قیصر از قیصر المطابع	1883	گھسیاری منڈی لکھنؤ
63	جامع الاحکام	مہتمم منشی چندن لال پرنٹر پیارے لال	1872	یحییٰ گنج، لکھنؤ
64	جامع مسائل علم الطب	مالک سردار بوٹا سنگھ سوداگر	1883	کپورتھلہ
65	جامع العلوم	مالک منشی نرائن درس مہتمم منشی پرنٹری داس	جنوری 1884	مراد آباد
66	جلوہ طور	مالک رائے گنیش لال	1861	میرٹھ

		مہتمم بابو بلبھ رائے، پرنٹر شمبھوناتھ		
67	چشمۂ فیض	مالک دیوان چند	جولائی 1853	سیالکوٹ

مزید تفصیل کے لیے دیکھئے، ہندوستانی پریس 1556 تا 1900، مرتبہ نادر علی خاں، اترپردیش اکادمی، 1990ء۔

نوٹ: 'اخبارات اور مطابع کے ہندو مالکان' کی یہ فہرست پروفیسر شیث محمد اسمٰعیل اعظمی کی کتاب ''دراسات اسلامیہ کے فروغ میں ہندوؤں کی خدمات'' سے ماخوذ ہے۔

12.4 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- ابتداء سے اشاعت علم میں ناشرین کا بڑا مرکزی رول رہا ہے۔ اس کام کے انجام دہی میں دوسروں کا تعاون حاصل کرنا ناگزیر ہے بلکہ انسانی تمدنی کی ترقی کے پیش نظر ایسا کرنا مستحسن ہے۔ ہندوستان میں بھی اسلامی کتب کی اشاعت کے سلسلے میں غیر مسلم طابع اور ناشرین کا تعاون بڑے پیمانہ پر حاصل کیا گیا۔ ایسے تمام غیر مسلم طابع اور ناشرین کے انفرادی کارناموں سے ہی ہند-اسلامی تہذیب کی پرورش ہوئی ہے۔ ان قدآور دانشوروں میں منشی نول کشور جیسے حضرات بھی شامل ہیں جن کی مشترکہ کوششوں سے ہندوستان کی مشترکہ تہذیب نے برطانوی استعمار کی زد میں آئے ہوئے مشرقی علوم وفنون کو نئی زندگی بخشی اور ہندوستانی تہذیب کو ادب وشرافت اور ترسیل وابلاغ کے نئے معیارات قائم کرنے کی راہ پر ڈالا۔
- منشی نول کشور نے تقریباً چار ہزار کتابیں اپنے مطبع سے شائع کیں۔ وہ اسلامی کتب کی اشاعت میں اس بات کا بہت خیال رکھتے تھے کہ اسلامی کتب ورسائل کی بے حرمتی نہ ہو۔ وہ کئی مشرقی زبانوں کے ساتھ سنسکرت سے واقف تھے۔ ان کے مطبع کا اس وقت دنیا کے چند بڑے مطابع میں شمار ہوتا تھا۔ اس ضمن میں دیگر ہندو ناشرین کی خدمات بھی لازوال ہیں جنہیں فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ دیگر غیر مسلم ناشرین اور مطابع کے مالکان میں: پنڈت رام، بابو ہنومان پرشاد، لالہ کندن لال شرر، راؤ سنگھ، رائے شری کرشن چندر قیصر، بھگوان داس اور منشی لیشن سروپ شامل ہیں۔

12.5 نمونہ امتحانی سوالات

12.5.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. منشی نول کشور کا آبائی وطن کس ضلع میں تھا؟

(a). متھرا (b).آگرہ (c).لاہور (d). علی گڑھ

2. مطبع نول کشور کب قائم ہوا؟

(a).1858ء (b).1947ء (c).1920ء (d).1875ء

3. منشی نول کشور کو حکومت ہند کی سفارش پر سی آئی ای کا خطاب اور قیصر ہند کا تمغہ کب دیا گیا؟

(a).1888ء (b).1920ء (c).1926ء (d).1898ء

4. منشی نول کشور کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کس نے انہیں 19 ویں صدی کا 'ہمارا دانشورانہ قائد' قرار دیا تھا؟

(a).اندرا گاندھی (b).جواہر لال نہرو (c).اٹل بہاری واجپئی (d).سب غلط

5. جنوری 1895ء سے منشی نول کشور نے 'کون سا اردو ماہنامہ شروع کیا؟

(a).اودھ ریویو (b).اردو دنیا (c).ارمغان حجاز (d).ادبی دنیا

6. 1857ء کے ہنگامہ کے بعد منشی نول کشور نے آگرہ سے کہاں کا رخ کیا؟

(a). لکھنو (b). علی گڑھ (c). دہلی (d).بنارس

7. منشی نول کشور کی وفات کب ہوئی؟

(a).1895ء (b).1857ء (c).1920ء (d).1875ء

8. منشی نول کشور نے کس کے ذریعہ اردو دنیا کو ٹائپ سے متعارف کرایا تھا؟

(a).اودھ ریویو (b).اردو دنیا (c).ارمغان حجاز (d).ادبی دنیا

9.

12.5.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. اردو طباعت کن مرحلوں سے گزر کر کمپیوٹر کے دور تک پہنچی۔
2. منشی نول کشور صحافت میں کس طرح داخل ہوئے۔
3. منشی نول کشور کے اشاعتی مشن پر روشنی ڈالیے۔
4. اخبارات اور مطابع کے ہندو مالکان کے پانچ نام لکھیے۔
5. مطبع نول کشور قائم کرتے وقت منشی نول کشور کے مقاصد کو بیان کیجیے۔

12.5.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. منشی نول کشور کی صحافیانہ خدمات پر روشنی ڈالیے۔
2. منشی نول کشور کی اقدار اور روایات پر روشنی ڈالیے۔
3. منشی نول کشور کی حیات پر تفصیلی نوٹ لکھیے۔

12.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. سید امیر حسن نورانی؛سوانح منشی نولکشور؛1995؛خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ
2. قاضی عبید الرحمن، وہاج الدین علوی،(مترتبین)؛نولکشور اور ان کا عہد، 2004
3. خالد محمود، شہپر رسول؛خطبات؛2012ء؛جامعہ ملیہ اسلامیہ، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی
4. پروفیسر شیث محمد اسماعیل اعظمی،؛دراسات اسلامیہ کے فروغ میں ہندوؤں کی خدمات؛2003ء کتابی دنیا، دہلی

اکائی 13:   ہندوستانی غیر مسلم اسکالرس کی حیات وخدمات (حصہ اول)

اکائی کے اجزا:

13.0 تمہید

13.1 مقاصد

13.2 موہن داس کرم چند گاندھی (1869-1948)

13.2.1 مختصر سوانح حیات

13.2.2 مطالعہ اسلام کے اسباب

13.2.3 اسلامک اسٹڈیز میں خدمات

13.3 پنڈت جواہر لال نہرو (1889-1964)

13.3.1 مختصر سوانح حیات

13.3.2 اسلامک اسٹڈیز میں خدمات

13.4 ڈاکٹر تارا چند (1888-1973)

13.4.1 مختصر سوانح حیات

13.4.2 اسلامک اسٹڈیز میں خدمات

13.5 اکتسابی نتائج

13.6 کلیدی الفاظ

13.7 نمونہ امتحانی سوالات

13.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

13.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

13.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

13.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

13.0 تمہید

اسلامک اسٹڈیز کا موضوع ہمہ جہتی ہے۔ اس میں اسلام کا مطالعہ اس کے مذہبی علوم اور زندگی کے مختلف معاملات سے متعلق اسلامی فکر و نظر کے حوالے سے کیا جاتا ہے، نیز دنیا کے مختلف گوشوں میں آباد مسلم معاشرے کی ثقافتی اور تہذیبی تنوع کا بھی سیاسی، معاشی اور اخلاقی پہلوؤں سے مطالعہ کیا جاتا ہے۔ کچھ ایسی ہی صورت حال ہندوستان میں بھی نظر آتی ہے، چنانچہ اس ملک کے ساتھ اسلامک اسٹڈیز کا رشتہ ایک طویل علمی و تاریخی عرصے پر منحصر ہے۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ رہی کہ یہاں مسلمانوں کی حکومتیں ایک لمبے عرصے تک قائم رہیں اور انہوں نے پوری فراخدلی کے ساتھ علم کی قدر دانی اور سرپرستی کی۔ بادشاہوں اور حکم رانوں نے دینی و دنیاوی تعلیم کو عربی و فارسی دونوں زبانوں میں ملک کے تمام باشندوں کے لیے عام کر دیا، یہی وجہ ہے کہ ان ادوار میں غیر مسلم حضرات بھی مذکورہ دونوں زبانوں کے ماہر ہوئے۔ اسی طرح اسلامی علوم و فنون کو ملکی زبانوں میں تحریر کرانے کا آغاز کیا گیا، جیسے قرآن کریم، احادیث نبویہ، سیرت اور بعض دیگر علوم وغیرہ کے ملکی زبانوں میں تراجم کیے گئے۔ ہندوستانی غیر مسلم اسکالرس نے اسلامک اسٹڈیز کے میدان میں جو علمی خدمات انجام دی ہیں، ان کا تعلق قرآن کریم، سیرت، نعت، تصوف، اسلامی تہذیب و ثقافت اور مسلم تاریخ وغیرہ سے رہا ہے۔ یوں تو ہندوستانی غیر مسلم اسکالرس کی ایک بڑی تعداد ہے، جنہوں نے اسلامک اسٹڈیز کے مختلف گوشوں میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں، لیکن یہاں صرف نصاب میں شامل بعض اہم غیر مسلم اسکالرس مہاتما گاندھی، پنڈت جواہر لال نہرو، ڈاکٹر تارا چند، مالک رام، پنڈت سندر لال اور بی این پانڈے کی حیات و خدمات کے حوالے سے گفتگو کی جائے گی، البتہ طوالت کے پیش نظر انہیں دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلی تین شخصیات کا تذکرہ اس اکائی میں کیا گیا ہے اور باقی تین شخصیات کا احاطہ اگلی اکائی میں کیا جائے گا۔ اس اکائی کو لکھنے میں بنیادی طور پر ''اسلام اور اسلامی تہذیب و ثقافت کا مطالعہ - بیسویں صدی کے چند ہندو اہل علم کے حوالے سے'' اور ''علوم و فنون میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کا حصہ'' سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے۔

13.1 مقاصد

اس اکائی کے مطالعے کے بعد طلبہ کو معلوم ہو جائے گا کہ غیر مسلم اسکالرس نے اسلامی تہذیب و ثقافت کے کن کن پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے، نیز انہیں اس سے اسلام اور مسلمانوں کا مطالعہ ہندو افکار و نظریات سے کرنے میں مدد ملے گی، نیز انہیں ہندوستان کی قومی تہذیب میں ہند-اسلامی ثقافت کی قدر و قیمت کا بھی اندازہ ہو گا۔ اسی طرح انہیں مہاتما گاندھی، پنڈت جواہر لال نہرو اور ڈاکٹر تارا چند کی سوانح حیات اور ان کی خدمات سے بھی واقفیت حاصل ہو گی۔

13.2 موہن داس کرم چند گاندھی(1948-1869)

موہن داس کرم چند گاندھی (1869-1948)ایک عظیم سیاست داں، مذہبی وسماجی مصلح،انسانیت کے بڑے مبلغ اور قومی یکجہتی کے علم بردار تھے۔انہوں نے جہاں ایک طرف جنگ آزادی میں نمایاں کردار ادا کیا ہے،وہیں دوسری طرف ہندو مسلم اتحاد کی بھی کوششیں کی ہیں۔ان کے افکار و نظریات ان کے بیانات، تقاریر اور تصنیفات وغیرہ میں موجود ہیں۔ذیل میں ان کی حیات وخدمات کا جائزہ لیا جارہاہے۔

13.2.1 مختصر سوانح حیات

گاندھی جی کاٹھیاواڑ میں پور بندر کے ایک مذہبی گھرانے میں 02/اکتوبر 1869 کو پیدا ہوئے۔ان کے والد کرم چند گاندھی ہندو مودھ فرقہ سے تھے اور والدہ پتلی بائی کا تعلق ہندو پرنامی ویشنو فرقہ سے تھا۔ابتدائی تعلیم راج کوٹ کے پرائمری اسکول سے حاصل کی۔انگلینڈ میں وکالت سیکھی اور واپس ہندوستان آکر اسی میدان میں روزی روٹی کی تلاش کی۔سیٹھ عبدالکریم نے 1893 کے آغاز میں گاندھی جی کو بطور وکیل جنوبی افریقہ بلایا، نیز اسی ملک میں وہ حکومت وقت کی جانب سے ہندوستانیوں پر ہونے والے ظلم وزیادتی سے واقف ہوئے اور انہوں نے 1894 میں 'نٹال انڈین کانگریس'(Natal Indian Congress)نامی تنظیم کے ذریعے ہندوستانیوں کے حقوق کے لیے اپنی آواز بلند کی۔ان حالات نے انہیں سیاست کی طرف مائل کیا اور پھر انہوں نے ہندوستان میں بھی مختلف تحریکوں کی قیادت کی اور بعض میں حصہ بھی لیا جیسے ستیہ گرہ تحریک، خلافت تحریک، ڈانڈی مارچ، عدم تشدد تحریک، عدم تعاون تحریک اور آزادی کی تحریک وغیرہ۔عوام نے ان کی خدمات اور قربانیوں سے متاثر ہو کر انہیں 'مہاتما'، 'باپو' اور 'بابائے قوم' کے خطابات سے نوازا۔انہوں نے مختلف موضوعات پر قلم اٹھایاہے،ان میں سے کچھ تو مضامین کی صورت میں ہیں اور بعض کتابی شکل میں شائع ہو چکے ہیں جیسے ہندو مذہب کیا ہے؟، گرہست جیون،ارو گیہ دگ درشن، میری رائے، رہنمائے صحت، مذہب اور دھرم، شریمد بھگوت گیتا، تلاش حق اور سوراج ہند وغیرہ۔انہیں ناتھورام گوڈسے نے 1948 میں گولی مار کر قتل کر دیا تھا۔

13.2.2 مطالعہ اسلام کے اسباب

مہاتما گاندھی ایک ایسی سرزمین سے تعلق رکھتے تھے جہاں مسلمان قدیم زمانے سے آباد رہے ہیں،یہی وجہ رہی کہ وہ شروع سے ہی مسلمانوں کی سماجی، معاشی اور سیاسی حیثیت سے واقف رہے۔نیز ان کا گھرانہ کلیتہً مذہبی تھا اور ان کے والد کے احباب میں مسلمان علمائے کرام بھی شامل تھے جن سے وہ مذہبی امور سمیت دیگر معاملات میں گفت وشنید کیا کرتے تھے۔ایسے ماحول نے گاندھی جی کے مزاج میں مذہبی رواداری پیدا کی اور انہوں نے دیگر مذاہب کا احترام کرنا سیکھا۔یہی رویہ انہیں اسلام کے مطالعے کی طرف لے جانے میں معاون ثابت ہوا۔گاندھی جی نے اپنے والد کی روایت کو برقرار رکھا اور ان کے بھی بہت سے مسلمان دوست رہے۔اس کا فائدہ انہیں یہ ہوا کہ وہ اسلام،اس کی تعلیمات، تہذیب وثقافت، تاریخ اور بنیادی ماخذوں سے واقف ہو گئے۔ان کے اہم دوستوں میں لطیف بھائی، عثمان بھائی، عباس طیب

جی، مولانا ظفر علی خاں، ڈاکٹر مختار انصاری، رفیع احمد قدوائی، حکیم محمد اجمل خاں، مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، مولانا ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر ذاکر حسین، مولانا حسرت موہانی اور مولانا محمودالحسن وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ گاندھی جی کو اسلام کے مطالعے کی طرف مائل کرنے میں غیر ہندوستانی مسلمانوں کا بھی اہم کردار رہا۔ لندن میں دوران تعلیم ان کا تعلق 'انجمن اسلامیہ' کے ممبروں سے ہوا جن میں جناب مظہر الحق، جناب عبدالرحیم، محمد شفیع خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ اسی طرح سیٹھ دادا بھائی عبداللہ انہیں وکالت کے سلسلے میں افریقہ لے گئے جہاں کئی مسلمان نہ صرف ان کے دوست بنے بل کہ ان لوگوں نے گاندھی جی کے ساتھ ہر طرح کا تعاون کیا۔ ان میں نٹال کانگریس کے صدر سیٹھ عبدالکریم، اسی کے سکریٹری آدم جی میاں خان، حاجی آدم زویری، بیرسٹر آر۔ کے خان، سیٹھ عبدالقادر، سیٹھ داؤد محمد، ستیہ گرہ ایسوسی ایشن کے صدر یوسف میاں اور میر عالم پٹھان وغیرہ سر فہرست ہیں۔ درج بالا اسباب کی بنا پر گاندھی جی نے اسلام کا اس قدر مطالعہ کر لیا تھا کہ انہیں قرآن کریم کی متعدد آیات مع ترجمہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح حیات اور ان کے مختلف فرمانِ مبارک، خلفائے راشدین کے احوال و کوائف اور اسلامی تاریخ وغیرہ سے ضروری واقفیت ہو گئی اور وہ ان کے حوالے بھی اپنی تحریروں اور تقریروں میں دینے لگے تھے۔

13.2.3 اسلامک اسٹڈیز میں خدمات

یوں تو مہاتما گاندھی نے اسلامک اسٹڈیز یا اس کے کسی گوشے پر باقاعدہ کوئی کتاب تصنیف نہیں کی، لیکن اس حوالے سے ان کی مختلف تحریروں اور تقریروں میں بعض افکار و نظریات ضرور ملتے ہیں۔ انہیں آسانی کے لیے مذہب، اسلام، خدا، قرآن، رسول اور اسلامی تاریخ کے تحت بیان کیا جا سکتا ہے، البتہ یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ ایک مسلمان کو ان کی فکر سے یقیناً اختلاف ہو سکتا ہے، لیکن اسے یہ ذہن نشین رکھنا ہوگا کہ وہ مسلمان نہیں، بلکہ ہندو تھے اور نہ ہی ان کا کوئی ایسا دعویٰ تھا کہ انہوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ اسلام کی ترجمانی کرتے ہوئے قلم بند کیا ہے۔

1. مذہب

گاندھی جی کی پیدائش اور پرورش مذہبی گھرانے میں ہوئی، اس لیے مذہب سے ان کی شناسائی ابتدا سے ہی رہی۔ اس حوالے سے ان کا نظریہ بالکل واضح تھا کہ ہر انسان کا کسی مذہب سے جڑا ہونا انتہائی ضروری ہے، نیز اس کے تمام اعمال و افعال اس کے اختیار کردہ مذہب کے مطابق ہونے چاہئیں۔ وہ اسی وجہ سے مذہب کو انسانی معاشرے کا لازمی حصہ مانتے تھے، حتیٰ کہ اسے سیاست سے بھی الگ نہیں کرتے تھے۔ اس حوالے سے لکھتے ہیں: ''میری ابھی تک یہی رائے کہ میں سیاست سے مذہب کے جدا ہونے کا تصور ہی نہیں کر سکتا۔ در حقیقت مذہب کو تو ہمارے ہر فعل پر حاوی ہونا چاہیے۔ لیکن اس صورت میں مذہب کے معنے فرقہ پرستی کے نہیں ہیں، اس کے معنے تو دنیا کی ایک منظم اخلاقی حکومت پر اعتقاد رکھنے کے ہیں۔'' درج بالا عبارت سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ گاندھی جی مذہب پر یقین رکھتے تھے، لیکن آیا وہ ایک مذہب کو صحیح مانتے تھے یا تمام مذاہب کو؟ ان کے افکار و نظریات کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمام مذاہب کو سچا اور ایک جیسا مانتے تھے اور ان میں کسی قسم کی تفریق کے قائل نہیں تھے یعنی ایک طرح سے وہ وحدت ادیان کے قائل تھے۔ نیز وہ ہر مذہب میں سچ، عدم تشدد اور مساوات کا نظریہ تلاش کرتے تھے۔ شاید اسی لیے گاندھی جی جبری تبدیلی مذہب کے قائل نظر نہیں ہیں اور نہ ہی کسی مذہب، خواہ ہندو

دھرم ہو یا اسلام اور عیسائی مذہب کو اس کی اجازت دیتے ہیں۔

2. اسلام

گاندھی جی اسلام کو ایک سچا اور صحیح مذہب تسلیم کرتے تھے۔اس کا مطالعہ انہوں نے اپنے مسلم دوستوں کی مدد سے کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ بدھ مت، عیسائی مت اور ہندو دھرم کی طرح ایک الہامی اور امن پسند مذہب ہے اور اس کے اندر بہت سی ایسی خوبیاں ہیں جو اسے عدم رواداری اور تنگ نظری سے محفوظ رکھ سکتی ہیں۔وہ ہندو تہذیب و تمدن کی طرح اسلامی تہذیب و تمدن اور بالخصوص اس کے عدم تشدد کے نظریہ سے متاثر نظر آتے ہیں اور ان کے نزدیک ہندوستان کو اس سے قابل قدر فائدہ پہنچا ہے، نیز وہ ان مسلمانوں پر شدید تنقید کرتے ہیں جو مذہبی رواداری کے قائل نہیں ہیں۔گاندھی جی نے اسلام کی خصوصیات بیان کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی مانا ہے کہ اس کی اشاعت تلوار کے ذریعے ہوئی، لیکن وہ اس کے اسباب حالات، وقت اور ماحول کو قرار دیتے ہیں۔

3. خدا

مہاتما گاندھی خدا پر یقین رکھتے تھے۔اس سلسلے میں ان کے نظریات اسلام کے بالکل عین مطابق تو نہیں تھے، لیکن اس سے کافی حد تک مشابہ ضرور تھے جیسے مسلمانوں کا ہمیشہ سے توحید یعنی ایک خدا پر یقین رہا ہے، نیز انہیں اللہ رب العزت کی مختلف صفات یعنی الرزاق، السمیع، العلیم اور الخبیر وغیرہ پر ایمان لانا ضروری ہے۔اسی طرح باپو جی بھی ایک خدا اور اس کی خصوصیات کو ماننے والے تھے، وہ اس میں کسی کو شریک نہیں کرتے تھے۔گاندھی جی ایک طرح سے وحدت ادیان کے قائل تھے اور ان کے نزدیک سارے ہی مذاہب خدا کی طرف لے جانے والے تھے، چنانچہ اس فکر کا اثر خدا کے تصور پر بھی ہوا۔ان کے مطابق سب کا خدا ایک ہے، چاہے ہم اسے قرآن کے ذریعے پائیں یا انجیل، ژند، اوستا، تلمود یا گیتا کے ذریعے سے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔گاندھی جی کے تصورِ خدا کے مطالعے سے محسوس ہوتا ہے کہ وہ اسے دنیا کی تمام چیزوں میں موجود سمجھتے ہیں، یعنی خدا ہر جگہ موجود ہے، چنانچہ وہ اسے جہاں ایک طرف مورتیوں، پہاڑوں اور سمندروں میں تلاش کرتے ہیں، وہیں دوسری طرف سچائی، صداقت اور عدم تشدد میں بھی اس کا وجود پاتے ہیں۔ان کا ماننا تھا کہ سچ ہی میرا بھگوان ہے اور اس تک پہنچنے کا ذریعہ عدم تشدد ہے۔درج بالا مباحث کے باوجود عجیب و غریب بات یہ ہے کہ گاندھی جی خدا کے تصور میں ایک کشمکش کا شکار نظر آتے ہیں۔ایک طرف وہ کہتے ہیں کہ ایشور ان لوگوں کے لیے فرد واحد ہے جو اسے اس شکل میں حاضر دیکھنا چاہتے ہیں، جو اسے چھونا چاہتے ہیں، ان کے لیے وہ جسمانی شکل اختیار کرتا ہے۔وہیں دوسری طرف وہ کہتے ہیں: خدا کوئی شخص نہیں ہے، وہ پاک اور منزہ ہے۔وہ ازلی و ابدی ہے، تاہم یہ عجیب بات ہے کہ کوئی بھی شخص نہ تو اس کی ہر جگہ جاری و ساری موجودگی سے فائدہ اٹھا پاتا ہے اور نہ کوئی پناہ۔

4. رسول

مہاتما گاندھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا پیغمبر تسلیم کرتے تھے۔آپؐ سے ان کا تعارف تھامس کارلائل کی تحریروں سے ہوا۔اس کا تذکرہ انہوں نے اپنی سوانح حیات میں کیا ہے: ''ایک دوست نے مجھے کارلائل کی 'ہیرو اینڈ ہیرو ورشپ' پڑھنے کی ہدایت کی۔میں نے اس کا ایک باب 'ہیرو بہ حیثیت پیغمبر کے' پڑھا اور مجھ پر پیغمبر اسلام کی عظمت، شجاعت اور زہد و اتقا کی حقیقت منکشف ہوئی۔'' گاندھی جی

نے واشنگٹن ارونگ کی سیرت کے موضوع پر لکھی ہوئی کتابوں کا بھی مطالعہ کیا تھا۔ وہ واشنگٹن ارونگ کی کتاب سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انھوں نے اس کا ترجمہ اپنے اخبار 'انڈین اوپینین' میں شائع کرنا شروع کیا،ایک یا دو ہی باب ہی شائع ہوئے تھے کہ مسلمانوں نے اس کے بعض نظریات کے خلاف احتجاج شروع کر دیا۔انہوں نے افہام و تفہیم کی کوشش کی لیکن مسئلہ حل نہ ہو سکااور بالآخر ترجمہ کی اشاعت روک دی گئی۔ انہوں نے یروڑا جیل میں علامہ شبلی نعمانی کی سیرۃالنبی کا بھی مطالعہ کیا تھااور وہ ان کے اندازِ تحقیق سے بہت متاثر ہوئے تھے۔گاندھی جی کو فرمان رسولؐ سے بھی دلچسپی تھی۔ انھوں نے عبداللہ سہروردی کی کتاب 'The Sayings of Mohammad' کے پیش لفظ میں لکھا: ''میں نے سر عبداللہ سہروردی کا مجموعہ احادیث بڑی دلچسپی اور شغف کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ صرف مسلمانوں ہی کے لیے نہیں، بلکہ نوع انسانی کے خزانوں میں سے ہیں۔''گاندھی جی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمات اور نسل انسانی پر ان کے احسانات کے اعتراف میں انہیں خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھا: ''محمدؐ ایک عظیم پیغمبر تھے۔ وہ بہادر تھے اور صرف خدا کے علاوہ کسی بھی انسان سے نہیں ڈرتے تھے۔ایسا کبھی نہیں پایا گیا کہ وہ کہیں ایک بات اور کریں کوئی دوسری بات۔ وہ اسی کے مطابق عمل کرتے تھے جیسا وہ محسوس کرتے تھے پیغمبر (اسلام) ایک فقیر تھے۔ اگر وہ چاہتے تو دولت کے مالک ہو گئے ہوتے۔ جب میں نے اس تنہائی کے بارے میں پڑھا جس کا انہیں، ان کے خاندان اور ساتھیوں کو سامنا کرنا پڑا، تو میں رو پڑا۔ کوئی میرے جیسا حق کا متلاشی کس طرح ایک ایسے شخص کے احترام سے باز رہ سکتا ہے جس کا دماغ مستقلاً خدا پر مرکوز رہتا تھا، جو ہمیشہ خدا کے خوف میں رواں دواں رہتا تھااور جو عالم انسانیت کے لیے لامحدود رحم دلی رکھتا تھا۔''

5. قرآن

مہاتما گاندھی قرآن کریم کو الہامی کتاب تسلیم کرتے تھے اور اس کی تعلیمات سے بہت متاثر تھے۔البتہ یہ ماننا مشکل ہے کہ وہ کتاب اللہ کی تمام آیتوں اور اس میں درج احکام سے کلیتہً 'اتفاق کرتے تھے۔انہوں نے بسا اوقات بعض جگہوں پر اختلاف بھی کیا ہے، لیکن اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے کبھی اس پر تنقید نہیں کی اور نہ ہی قرآن مخالف الفاظ کہے بلکہ اسے اپنی ناسمجھی اور کم علمی پر محمول کیا ہے۔ گاندھی جی کو قرآن سے خصوصی شغف رہا۔اس میں جنوبی افریقہ میں ان کے مسلم ساتھیوں کا اہم کردار رہا جنھوں نے ان کو قرآن کریم کے مطالعے کی دعوت دی۔ یہ سلسلہ ہندوستان میں بھی جاری رہا، بالخصوص ڈاکٹر محمد علی اور جناب پکتھال نے انہیں قرآن کا ترجمہ بطور ہدیہ پیش کیا۔ گاندھی جی نے ان تراجم کی مدد سے قرآن کو سمجھنے کی کوشش کی اور پھر اس قدر مہارت حاصل کر لی کہ وہ خود بھی اپنی تقریروں اور تحریروں میں اس کے حوالے دینے لگے تھے۔ گاندھی جی نے قرآن کریم کی روشنی میں جن موضوعات کا استنباط کیا ہے ان میں اتحاد، جبری مذہب کی تبدیلی، عدم تشدد، ناجائز قتل اور باہمی رواداری وغیرہ خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔

6. تاریخ اسلام

مہاتما گاندھی نے تاریخ اسلام کے موضوع پر باقاعدہ کوئی کتاب تو نہیں تصنیف کی، البتہ ان کی تقریروں اور تحریروں میں اس کے مختلف گوشے ملتے ہیں۔ وہ خلفائے راشدین اور امام حسنؓ و امام حسینؓ وغیرہ سے بہت متاثر نظر آتے ہیں اور ان کے بعض واقعات کا ذکر کرتے

ہوئے قارئین کو سبق حاصل کرنے کی تاکید کرتے ہیں۔انہوں نے اس سلسلے میں ان مؤرخین و مصنفین کی کتابوں کو ترجیح دی ہے جنہوں نے اپنی تحریروں میں مذہبی رواداری اور مساوات وغیرہ پر زور دیا ہے۔ان میں علامہ شبلی نعمانی، سید امیر علی، مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا محمد علی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔مہاتما گاندھی حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ فاروق کی سادگی، قناعت اور انصاف پسندی کو بہت پسند کرتے تھے اور ان کے طرز کی حکومت ہندوستان میں چاہتے تھے۔1947 میں یہاں جب آزاد حکومت قائم ہوئی تو انہوں نے اپنے وزیروں کو سادگی کا مشورہ دیتے ہوئے کہا: ''میں رام چندر اور کرشن جی کا حوالہ نہیں دے سکتا کیوں کہ وہ تاریخی ہستیاں نہیں تھیں۔ میں مجبور ہوں کہ سادگی کی مثال کے لیے ابو بکرؓ اور عمرؓ کے نام پیش کرتا ہوں۔وہ بہت بڑی سلطنت کے حاکم تھے، پر انہوں نے فقیروں والی زندگی گزاری۔''مہاتما گاندھی حضرت علیؓ کے ضبط و تحمل اور قوت برداشت کو عدم تشدد کا اہم اصول بتاتے ہیں اور اپنے معتقدین کو بھی اسے اختیار کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔گاندھی جی حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کی سوانح حیات، خدمات اور ان کی قربانیوں سے بھی واقف تھے۔انہوں نے ثانی الذکر کی قربانیوں کو 'تپسیاچریہ' کا نام دیا تھا۔بہر حال گاندھی جی کے بعض افکار و نظریات سے اختلاف کے باوجود ان کی علمی اور سیاسی خدمات سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔

13.3 پنڈت جواہر لال نہرو(1964-1889)

پنڈت جواہر لال نہرو ایک عظیم سیاست داں، ممتاز دانش ور، معتبر تاریخ داں اور بڑے مصنف تھے۔ذیل میں ان کی حیات و خدمات کا جائزہ لیا جارہا ہے۔

13.3.1 مختصر سوانح حیات

ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو/14 نومبر 1889 کو الہ آباد میں پیدا ہوئے تھے۔ان کا اصل وطن کشمیر تھا۔ ان کے والد کا نام پنڈت موتی لال نہرو اور ان کی والدہ کا نام سوروپ رانی تھا۔پنڈت موتی لال نہرو نے ابتدا میں اپنے بیٹے نہرو کی تعلیم کا بندوبست گھر پر ہی کیا تھا۔ایک ودّوان انہیں ہندی پڑھاتے اور ایک پنڈت گنگا ناتھ انہیں سنسکرت پڑھانے آتے تھے، نیز ان کی والدہ اور چچی رامائن، مہابھارت اور ہندوستانی دیومالائی کہانیاں سنایا کرتی تھیں،اسی لیے ہندوستان کی دیومالائوں اور کتھائوں کے بارے میں ان کی معلومات کافی تھیں۔بعد میں فیصلہ کیا گیا کہ جواہر لال اور ان کی دونوں چھوٹی بہنیں گھر ہی میں رہ کر کسی اتالیق سے تعلیم حاصل کریں۔خوش نصیبی سے انہیں 1902 میں آئرش- فرانسیسی نسل کے نوجوان اتالیق فرڈینیڈٹی بروکس مل گئے۔آنند بھون میں بروکس کے کمرے میں تھیوسوفسٹ ممبران کی ہفتہ واری میٹنگیں ہوتی تھیں جن میں جواہر لال نہرو بھی شریک ہوتے تھے، چنانچہ جواہر لال نہرو کی دلچسپی تھیوسوفی کے اصول و نظریات، کائناتی اور مافوق الفطرت قوتوں، فلسفہ کرما اور اوتار واد وغیرہ میں پیدا ہوئی۔انہوں نے اس دوران بودھ اور ہندو مذہبی کتابوں، دھمّ پد، اُپ نشد اور گیتا کے توسط سے ہندوستان کی مذہبی اور ثقافتی وراثت کا جو تعارف اخذ کیا تھا،اس کا اظہار انہوں نے برسوں بعد اپنی مشہور کتاب 'تلاش ہند'(Discovery of India) میں کیا۔1905 میں موتی لال نہرو اپنے پورے کنبہ کے ساتھ انگلینڈ چلے گئے جہاں جواہر

لال نہرو کا داخلہ ہیر و اسکول(Harrow School)میں کرایا گیا۔دو برس بعد 1907 میں انہوں نے ٹرینٹی کالج کیمبرج میں داخلہ لیا۔ تعطیل کے ایّام میں وہ لندن کے اس حلقہ میں شریک ہونا پسند کرتے تھے جو عالمانہ انداز میں ادب، تاریخ، سیاست اور معاشیات پر بحث و مباحثہ کرتے تھے۔ کیمبرج میں جواہر لال نہرو تین برس تک رہے اور اس دوران ان کی ملاقات کئی ہندوستانی لیڈروں سے ہوئی۔ کیمبرج میں جواہر لال کے ساتھیوں میں سے کچھ ملک کے بڑے لیڈروں کی صف میں جا پہنچے جن میں سے ایک ڈاکٹر مختار احمد انصاری تھے اور بہت سے ساتھی انڈین سول سروس کا حصہ بن گئے۔ خود جواہر لال نہرو نے کیمبرج سے گریجویشن کرنے کے بعد 1912 میں بیرسٹر کی ڈگری لندن انر ٹیمپل (Inner Temple)کامیابی سے حاصل کی۔اس کے بعد وہ ہندوستان واپس آگئے اور الہ آباد ہائی کورٹ میں اپنے والد کے جونیئر کی حیثیت سے پریکٹس کرنے لگے۔ 1913 میں وہ انڈین نیشنل کانگریس کے بانکی پور اجلاس میں بھی شریک ہوئے۔ 1916 میں جواہر لال نہرو نے ایک تاجر کی بیٹی کملا کول سے شادی کر لی، ان سے ہی 09 نومبر 1917 میں ایک بیٹی اندرا پریہ درشنی نے جنم لیا۔

1917 کی سیاسی سرگرمیوں میں ایک اہم واقعہ مسز اینی بیسنٹ کی گرفتاری تھا جو نہرو خاندان کو سرگرم سیاست میں کھینچ لایا۔ موتی لال نہرو نے پرامن تحریک کے تحت لکھنؤ میں ایک کانفرنس بلائی، اس وقت وہ ہوم رول لیگ کے صدر اور جواہر لال نہرو اس کے جوائنٹ سکریٹری تھے۔ 1917 میں سکریٹری آف اسٹیٹ ایس مانٹیگو نے ہندوستانیوں کی نظم و نسق میں شمولیت کی پالیسی کا اعلان کیا اور مسز اینی بیسنٹ بھی جلد ہی رہا ہو گئیں۔ اپریل 1919 میں امرتسر میں جلیان والا باغ کے سانحہ کے بعد مارشل لاء نافذ ہوا تو موتی لال نہرو نے اس کا شکار بننے والوں کی پیروی کرنے کی پیش کش کر دی۔ جواہر لال نہرو نے اس تحقیقاتی کمیٹی کی بڑی مدد کی۔ اس طرح دونوں باپ بیٹے گاندھی جی کے ساتھ ہم آہنگ ہو گئے۔ مئی 1920 میں پنڈت نہرو مسوری بدر ہو کر الہ آباد واپس آئے اور ستمبر 1920 میں گاندھی جی کی عدم تعاون تحریک میں شامل ہوئے۔ فروری 1927 میں جواہر لال نہرو نے برسلز میں نوآبادیات اور امپیریلزم مخالف کانگریس کے ایک رسمی اجلاس کی صدارت کی اور ہندوستان سے متعلق قرار داد پیش کی۔ اس دوران انھوں نے مشرق وسطیٰ، مشرق بعید، شمالی افریقہ اور جنوبی وسط امریکہ سمیت اٹلی، فرانس اور برطانیہ کے مندوبین سے ملاقات کی تھی جن میں رومین رولاں، مادام سن یات سین اور البرٹ آئن اسٹائن بھی شامل تھے۔ دسمبر 1927 میں جواہر لال نہرو نے انڈین نیشنل کانگریس کے مدراس اجلاس میں شرکت کی جس میں انھوں نے ہندوستان کی مکمل آزادی کا مطالبہ کیا۔ 1930 کے لاہور اجلاس میں وہ کانگریس کے صدر منتخب ہوئے۔ دسمبر 1931 سے ستمبر 1935 تک کا عرصہ جواہر لال نہرو نے جیل میں گزارا۔ فروری 1936 میں کملا نہرو کے انتقال کے بعد جواہر لال نہرو ہندوستان لوٹے اور انھوں نے کانگریس کے لکھنؤ اجلاس کی صدارت کی۔ صدر کانگریس کی حیثیت سے انھوں نے 1936-1937 میں الہ آباد میں اپنی پارٹی کا 'محکمہ خارجہ' قائم کیا تھا جس کا مقصد ان افراد اور پارٹیوں سے تعلقات استوار کرنا تھا جو ہندوستان اور اس کے مسائل سے دلچسپی رکھتے ہو۔ ستمبر 1939 میں جنگ شروع ہو جانے سے ہندوستان کی سیاسی صورت حال بہت پیچیدہ ہو گئی۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے اپنی بمبئی میٹنگ میں 08 اگست 1942 کو 'ہندوستان چھوڑو' قرار داد پاس کی۔ جون 1945 میں وائسرائے نے شملہ کانفرنس بلائی جس میں نہرو جی نے نمایاں حصہ لیا۔ اس کے بعد انھوں نے کیبنٹ مشن کے ساتھ اور 1947 میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ مذاکرات میں بھی کلیدی رول ادا کیا جس میں مسلم اقلیت کا مسئلہ

سب سے اہم تھا۔نہرو جی مسلم لیگ کے دو قومی نظریہ کے مخالف تھے اور آئین کے ذریعہ اقلیتوں کو زیادہ سے زیادہ تحفظات فراہم کرنے کی وکالت کرتے تھے۔آخر کار 14 اگست 1947 کی نصف شب میں پنڈت جواہر لال نہرو نے آزاد ہندوستان کی اولین وزیر اعظم کی حیثیت سے آئین ساز اسمبلی کو خطاب کیا۔اسی عہدے پر ہی 1964 میں ان کا انتقال ہوا۔

13.3.2 اسلامک اسٹڈیز میں خدمات

پنڈت جواہر لال نہرو کے افکار و نظریات ان کی متعدد تصنیفات اور مضامین کے علاوہ سیاسی بیانات،منتخب تقاریر، یادگاری خطبوں، کانفرنسوں میں صدارتی خطبوں وغیرہ میں موجود ہیں۔ان کی اہم کتابوں میں تلاش ہند، تاریخ عالم پر ایک نظر، سوویت رول، باپ کا خط اپنی بیٹی کے نام، آپ بیتی، آزادی کی طرف، ہندوستان اور دنیا، اٹھارہ مہینے ہندوستان میں، چین، اسپین اور جنگ، ہندوستان کا اتحاد وغیرہ۔ان میں انہوں نے مختلف موضوعات کا احاطہ کرنے کے علاوہ اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ، تہذیب وثقافت، ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد اور ان کو زندگی کے مختلف شعبہ جات میں مسائل کے حوالے سے بحث کی ہے۔ذیل میں ان کا تفصیلی جائزہ لیا جا رہا ہے:

پنڈت نہرو مذہب بیزاری کی حد تک ایک جدید متشکک ذہن رکھتے تھے۔وہ اپنی کتاب 'تلاش ہند' میں کہتے ہیں کہ مجھے ہمیشہ سے مذہب کی کتابیں پڑھنے میں تامل رہا ہے۔ان کتابوں کی ہمہ گیری کے جو دعوے کئے جاتے ہیں، وہ میرے دل کو کبھی نہیں لگتے اور مذہبی عمل کے جو نمونے میری نظر کے سامنے آئے، انھوں نے مجھے اصل ماخذوں کی طرف رجوع کرنے کا شوق نہیں دلایا۔دراصل پنڈت جواہر لال نہرو کی پرورش جس ماحول میں ہوئی تھی اس میں اس طرح کی فکر موجود تھی۔مذہب اس وقت نہرو کے نزدیک خواتین کے امور میں شامل تھا کیوں کہ ان کے والد موتی لال نہرو اور ان کے چچیرے بھائی بھی مذہب کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے، صرف گھر کی خواتین پوجا پاٹ کیا کرتی تھیں۔ایسا نہیں تھا کہ وہ مذہبی کتابوں سے لاعلم رہے ہوں بلکہ وہ انھیں کسی پراسرار قوت کا مخزن سمجھتے تھے اور یہ اعتراف کرتے تھے کہ ان کتابوں نے حیات انسانی پر زبردست اثرات ڈالے ہیں۔بدھ، عیسیٰ، سقراط یا چینی اساتذہ کے اقوال میں یا اُپ نشد یا بھگوت گیتا کے مطالعہ میں انھوں نے سعی و عمل کے محرکات پائے تھے، لیکن ان کے لیے مذہبی کتابوں کے پراسرار مابعد الطبعیاتی مسائل یا کسی ایسی کتاب کا پڑھنا ممکن نہ تھا جسے محض آسمانی صحیفہ سمجھ کر بے چوں وچرا اوّل سے آخر تک مان لینا ضروری ہو۔انہوں نے لکھا ہے کہ کسی صحیفے کو اس نقطۂ نظر سے پڑھوں تو میں اس کا مطلب ہی نہیں سمجھ سکتا۔مجھے تو ان کتابوں میں اسی صورت میں دلچسپی اور لطف محسوس ہوتا تھا جب میں انھیں کسی مرد دانا وبینا کے ذہن کا نتیجۂ فکر سمجھوں۔یہ فکر انہیں اشتراکیت تک لے گئی۔سچ بات یہ ہے کہ پنڈت نہرو مذہب کے مقابلہ میں روحانیت کو ترجیح دیتے تھے۔ان کے نزدیک روحانی طاقت کو بڑھانے کے مختلف طریقے ہیں، لیکن بنیادی بات یہ ہے کہ آدمی اپنی زبان کی نگہداشت کرے تاکہ اپنے مذہب کی بہت زیادہ تعریف اور دوسرے کے مذہب کی مذمت سے بچے، لاابالی پن سے بے موقع اس کے متعلق بات نہ کرے۔اس تعلق سے وہ دوسروں کے مذاہب کی 'مناسب عزت' کو خود اپنے مذہب کی آبرو برقرار رکھنے کا ذریعہ بتاتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ وہ جس طرح دیوالی، دسہرہ اور جنم اشٹمی کی خوشیاں مناتے تھے، اسی طرح محرم کے جلوس اور عید کی سویاں بھی کھایا کرتے تھے۔اسی طرح ہر سال سمت شروع کرنے کے دن دیگر کشمیریوں کی طرح نہرو جی بھی نوروز کا تہوار مناتے تھے۔اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ان کی پرورش ایک مہذب

تعلیم یافتہ اور غیر متعصب خاندان میں ہوئی تھی، نیز ان کے ایک مشفق مربی بدایوں کے محرر منشی مبارک علی تھے جوان کو الف لیلہ اور دوسری کتابوں یا1857 کے قصے سنایا کرتے تھے۔ پنڈت جواہر لال نہرو کے اس فکری پس منظر کو ذہن میں رکھا جائے تو اسلام اور مسلمانوں کے بارے ان کے افکار و نظریات کی تفہیم نسبتاً آسان ہو گی۔

پنڈت جواہر لال نہرو نے ہندوستان میں چار بڑے مذاہب ہندومت، بدھ مت، عیسائیت اور اسلام کی موجودگی تسلیم کی ہے، البتہ وہ اسلام کو ایک غیر ملکی مذہب سمجھتے ہیں۔ وہ حضرت محمدؐ اور اسلام کے موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ دوسرے مذہبوں کے بانیوں کی طرح آپؐ بھی اُس وقت کی بہت سی سماجی بُرائیوں کے مخالف تھے، جس مذہب کی انھوں نے تبلیغ کی اس کی سادگی، صفائی، اس کے جمہوری اصول، اخوت اور مساوات کی خوشبو نے آس پاس کے ملکوں کے عوام کے دلوں کو کھینچ لیا۔ مطلق العنان بادشاہوں اور ظالم مذہبی اجارہ داروں نے عوام کو بہت دنوں سے ظلم کی چکی میں پیس رکھا تھا۔ لوگ پُرانے طریقوں سے تنگ آچکے تھے اور کسی انقلاب کے لیے بے چین بیٹھے ہوئے تھے، اسلام نے انھیں اسی انقلاب کا پیغام سنایا اور انہوں نے اس کا خیر مقدم کیا۔ پنڈت نہرو نے اپنی تحریروں میں حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ کے دور تک کی اسلامی تاریخ مختصراً بیان کی ہے، نیز بعض دیگر اسلامی شخصیات پر اظہار خیال کیا ہے، البتہ انہوں نے جدید اور سیکولر افراد بالخصوص اکبر، سرسید اور اتاترک پر اپنی خصوصی توجہ مرکوز کی ہے۔ انہیں اکبر کی مذہب بیزاری اور عقل پسندی بہت پسند تھی، کیوں کہ اکبر نے راجپوتوں میں شادیاں کر کے ہم آہنگی کی اعلیٰ مثال قائم کی تھی۔ وہ سرسید کو برطانوی حکومت کا آلہ کار سمجھتے تھے، البتہ انہیں اعتراف تھا کہ سرسید کی تمام تر کوششیں مسلمانوں کو جدید تعلیم دلانے کے لیے تھیں، جن کے بغیر جدید طرز کی قومیت کو پروان چڑھانا ممکن نہیں تھا۔ قومیت سے متعلق دوسرا اہم کردار مصطفی کمال پاشا کا تھا جو باوجود اپنی دنیاداری اور سیاسی چالوں کے قوم کا ہیرو بن گیا تھا۔ پنڈت نہرو نے ستائش کے ساتھ لکھا ہے کہ اس نے کس طرح سے آغا خاں کے انگریزوں کا ایجنٹ ہونے کا پروپگنڈا کرایا اور پھر آئین ساز مجلس سے انہدام خلافت کا بل منظور کر لیا۔

پنڈت نہرو کی تحریروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ہندوستان میں اسلام کی آمد کو حملۂ سندھ کے بعد کی تاریخ کا حصہ سمجھتے ہیں۔ وہ بار بار شمال مغرب سے حملہ کرنے والوں کا ذکر کرتے ہیں اور اسلام کی اس خوبی کا اعتراف کرتے ہیں کہ اس نے ہندوستان کی پست اقوام کو ایک نئی اور جداگانہ شناخت دی، اگرچہ وابستہ مفادات نے اس کا استحصال بھی کیا، البتہ وہ یہ تسلیم نہیں کرتے کہ اسلام تلوار کے بل پر پھیلا یا اسلام ایک غیر روادار مذہب ہے۔ ان کے مطابق ہندوئوں میں ایک عام عقیدہ یہ ہے کہ اسلام ایک غیر روادار مذہب ہے اور یہ تلوار کے زور سے پھیلا، ان میں سے بیشتر لوگ مسلمان جابروں کی مثال کے طور پر چنگیز خاں اور تیمور اور محمود غزنوی کا نام لیتے ہیں۔ میں حیران ہوں کہ کتنے لوگوں کو اس بات کا علم ہے کہ چنگیز خاں سرے سے مسلمان تھا ہی نہیں؟ یا تیمور کو مغربی ایشیا میں بھی، جہاں اسلام خوب پھیلا، اپنا پسندیدہ سروں کا مینار بنانے کا اتنا ہی شوق تھا؟ یا یہ کہ محمود غزنوی نے خلیفۂ بغداد کو سخت سزائیں دینے کی دھمکی دی تھی؟ کوئی بھی بڑا مذہب زبردستی لوگوں کا عقیدہ بدل دینے سے نہیں پھیلا اور اسلام کی تاریخ شاہد ہے کہ اس کی زبردست ابتدائی کامیابی، عیسائی مسالک کی غیر رواداری کے مقابلے میں جو اس وقت مغربی ایشیا اور افریقہ میں مقبول ہوئے تھے، بیشتر اپنی رواداری کی وجہ سے تھی۔

پنڈت نہرو کا بنیادی نظریہ تھا کہ ''تہذیب قومیت سے اثر پذیر ہوتی ہے نہ کہ مذہب سے''،اسی بناپر وہ دو قومی نظریہ کے سخت مخالف تھے اور متحدہ ہندوستانی قومیت کا دعویٰ کرتے تھے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے مجھے محض یقین ہی نہیں کہ ایک متحدہ ہندوستانی قوم بن سکتی ہے، بلکہ باوجود لاتعداد ظاہری اختلافات کے میرا خیال ہے کہ آج بھی اس کی بنیادیں موجود ہیں۔ موجودہ فرقہ وارانہ مسئلہ محض مختلف فرقوں کے اعلیٰ طبقے کے گروہوں کا تیار کردہ سیاسی معمہ ہے اور اس سے نہ تو نسلی اور تہذیبی معاملات سے کوئی تعلق ہے اور نہ عوام کی اصلی ضروریات سے کوئی مناسبت ہے۔ اسی مسئلہ پر ڈاکٹر اقبال کے ساتھ ایک مراسلت میں انہوں نے سوال کیا ہے کہ کیا مسلمانوں، سکھوں یا ہندوستانی عیسائیوں کے مذہبی گروہوں میں اور ہندئوں کی جماعت میں علم الحیات کی رو سے کوئی فرق ہے؟ اسی لیے وہ مسلم قومیت کی سرے سے ہی نفی کرتے ہیں۔ وہ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ عرب جس تہذیب کو اپنے ساتھ دور ودراز کے ملکوں میں لے گئے اس پر اسلامی عقائد کی گہری چھاپ تھیں، تاہم اسے اسلامی تہذیب قرار دینا صحیح نہیں ہوگا۔ انہوں نے مسئلہ فلسطین پر قائدانہ موقف اختیار کیا تھا۔ وہ فلسطین کے تعلق سے فلسطینیوں کے موقف کی تائید کرتے تھے اور صاف الفاظ میں کہتے تھے کہ فلسطین عربوں کا ملک ہے اور لازمی طور سے انہیں کا رہے گا۔ اگر یہودی یہ بات مان لیں تو تعاون آسان ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی وہ مسئلہ فلسطین کو ایک اسلامی مسئلہ بتانے سے گریز کرنے کی تلقین بھی کرتے تھے اور ان کا ماننا تھا کہ فلسطین کا مسئلہ بظاہر عربوں اور یہودیوں کا مسئلہ معلوم ہوتا ہے۔

پنڈت جواہر لال نہرو نے اسلامی تاریخ و تہذیب کے حوالے سے اپنی کتاب ''تاریخ عالم پر ایک نظر''(Glimpses of World History) میں ''حضرت عیسیٰ کے چھ سو سال پہلے، حضرت عیسیٰ اور عیسائی مذہب، اسلام کا ظہور، عربوں نے اسپین سے منگولیا تک فتح کر لیا، بغداد اور ہارون رشید، قرطبہ اور غرناطہ، صلیبی جنگیں، افغانوں کا ہندوستان پر حملہ، دہلی کے غلام بادشاہ کے عناوین کے تحت گفتگو کی ہے۔ ان میں انہوں نے مسلمانوں کی سیاسی تاریخ، عہد نبوی، عہد خلافت، عہد اموی اور عہد عباسی کے اہم واقعات، فتوحات، خلافت وملوکیت میں فرق، شیعہ سنی اختلافات، واقعہ کربلا، مسلم فن تعمیر، پردہ، بغداد کا عروج اور اس کی تہذیبی، علمی وسائنسی خدمات، قسطنطنیہ کی فتح، اسپین کی اعلیٰ تہذیب وتمدن، قرطبہ اور غرناطہ میں مسلمانوں کا عروج اور ان کی علمی وسائنسی خدمات، مسلمانوں پر لگائے گئے متعدد الزامات جیسے کتب خانہ اسکندریہ کو نذر آتش کرانا کا علمی محاکمہ کیا ہے، نیز انہوں نے ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد وغیرہ کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔ ان کے بعض افکار و نظریات سے اتفاق رکھنا اگرچہ مشکل ہے، لیکن بہر حال ان کی علمی وسیاسی خدمات کو نظر انداز کرنا مشکل ہے۔

13.4 ڈاکٹر تاراچند (1888-1973)

ڈاکٹر تاراچند کا شمار ہندوستان کے ماہرین آثار قدیمہ اور مشہور تاریخ دانوں میں ہوتا ہے۔ انہیں ہندوستان کی قدیم تاریخ اور تہذیب وثقافت میں خصوصی مہارت حاصل تھی۔ ذیل میں ان کی حیات وخدمات کا جائزہ لیا جارہا ہے۔

13.4.1 مختصر سوانح حیات

ڈاکٹر تاراچند کی پیدائش/17جون 1888 میں سیالکوٹ میں ہوئی۔ان کے والد کا نام منشی کرپانارائن تھا،انہوں نے 1951 سے 1956 تک تہران میں سفیر کی حیثیت سے اپنی خدمات انجام دی تھی۔تاراچند نے ایم اے کے بعد آکسفورڈ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی،اس کے بعد انہوں نے پاٹھ شالا کالج،الہ آباد میں 1913 سے 1918 تک بہ حیثیت پروفیسر اپنی خدمات انجام دیں، پھر انہیں اسی سال پرنسپل بنادیا گیا اور اس عہدے پر وہ 1940 تک فائز رہے۔انہوں نے 1945 میں اپنے پیش رو ڈاکٹر بنی پرساد کی سبکدوشی کے بعد الہ آباد یونیورسٹی کے شعبہ سیاسیات کے سربراہ کی ذمہ داریاں قبول کریں اور اس عہدے پر 1947 تک اپنی خدمات انجام دیں۔الہ آباد یونی ورسٹی کا ایک ہاسٹل ان ہی کے نام سے منسوب کیا گیا ہے۔ان کے نام سے ہونہار طلبہ کو سالانہ اسکالرشپ بھی دی جاتی ہے۔1948 میں جب الہ آباد یونیورسٹی میں سیاست دانوں، حکمرانوں اور سفارت کاروں کی تربیت کے لیے ڈپلومیسی اور بین الاقوامی تعلقات کا اضافہ کیا گیا تو شعبہ سیاسیات میں ان کے عہدے پر ڈاکٹر ایشوری پرساد کو تعینات کیا گیا اور انہیں ڈاکٹر جھا کی جگہ یونی ورسٹی کا وائس چانسلر مقرر کیا گیا۔اسی دوران انھوں نے یونیورسٹی کو خیر باد کہا اور حکومت ہند کے تعلیمی مشیر بن گئے۔ جنوری 1948 میں انہوں نے مشیرِ حکومت ہمایوں کبیر کی عدم موجودگی میں ہندوستان میں کمیٹی برائے ثانوی تعلیم کی سربراہی کی۔ کمیٹی نے ثانوی تعلیم کی اہمیت کے پیش نظر ثانوی تعلیم کے مقاصد، مدت تعلیم،درجات، قومی زبان اور انگریزی کے بارے میں کچھ اہم فیصلے کرنے کے ساتھ بعض انتظامی امور سے متعلق تجاویز بھی منظور کیں۔1951 میں انہیں سفیر ہند مقرر کرکے ایران میں تعینات کردیا گیا، جن دنوں وہ تہران میں تعینات تھے،ہندوستانی سفارت خانہ نے ہند-ایران تعلقات پر خصوصی زور دیا گیا تھا۔اس کے بعد انہیں ہندوستانی راجیہ سبھا کے لیے بھی منتخب کیا گیا۔متعدد اہم عہدوں پر اپنی خدمات انجام دینے کے بعد ان کا انتقال/14اکتوبر 1973 میں ہوا۔

13.4.2 اسلامک اسٹڈیز میں خدمات

ڈاکٹر تاراچند کو اپنے فرائض منصبی ادا کرنے کے ساتھ تصنیف وتالیف سے بھی گہرا شغف تھا۔یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ ان کا ایک اہم اور بنیادی میدان کار تحقیق وتصنیف ہی تھا۔اس کی ایک وجہ غالباً یہ ہوسکتی ہے کہ وہ طویل عرصے تک الہ آباد یونی ورسٹی میں شعبہ سیاسیات سے وابستہ رہے، جو تحقیق وتدریس کے مرکز کی حیثیت سے ہندستان اور بیرون ملک میں مشہور رہا ہے۔ بہرحال ان کی مختلف موضوعات پر متعدد کتابیں شائع ہوئی ہیں،ان میں سے بعض کتابوں کا ترجمہ اردو زبان میں بھی کیا گیا ہے۔ذیل میں بعض اہم کتابوں اور ان میں درج مصنف کے افکار ونظریات کا جائزہ لیا جارہا ہے:

Influence of Islam on Indian Culture 2. Material and ideological .1 factors in Indian history 3. History of the Freedom Movement in India 4. Society and State in the Mughal Period

ڈاکٹر تاراچند کی کتاب ''اسلام کا ہندوستانی تہذیب پر اثر'' میں دیباچہ اور پیش لفظ کے علاوہ بارہ ابواب ہیں: اسلام سے پہلے کا ہندو

کلچر، ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد، اسلام میں تصوف، جنوبی ہند کے ہندو مصلحین اول اور دوم، شمالی ہند میں مسلمانوں کی آمد، رامانند اور کبیر، گرونانک، سولہویں صدی کے بزرگ، بعد کے بزرگ، بنگال اور مہاراشٹرا کے مصلحین، ہندوستانی فن تعمیر اور ہندوستانی مصوری و نقاشی۔ مصنف نے اس میں ہندوستان کی ثقافتی تاریخ اسلام کی آمد سے قبل سے سولہویں صدی کے ہندو مصلحین کی تاریخ تک بیان کی ہے۔ کتاب کا بیشتر مواد ہندو تہذیب سے تعلق رکھتا ہے۔ ڈاکٹر تاراچند ہندو ذہن کو کائنات کی پہلیوں میں الجھا ہوا وحدت کا متلاشی ذہن بتاتے ہیں، جو حصول علم نہیں بلکہ حصول عرفان کے لیے سرگرم ہے۔ ہندو ذہن نے اس کام میں یوگ سے مدد لی ہے، جس کا مقصد ورزش اور جسم کو مسخر کر کے پانچ نیکیوں: عدم تشدد، سچائی، تصوف بے جا سے پرہیز، شہوانی خواہشات سے بچاؤ، حرص و ہوس سے کنارہ کشی اور مراقبہ کے ذریعے روحانی سرگرمیوں کو بڑھانا ہے۔ ہندو مصلحین کے کردار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے کہ جب ہندو راجگان خود پسندی اور غرور کا شکار ہو گئے اور سماج مختلف ذات برادریوں میں تقسیم ہو گیا تو متعدد ہندو مصلحین نے اصلاحی تحریکیں چلائیں اور ہندو مذہب کا پھر سے احیاء کیا۔ اس کتاب کے بعض ابواب بالخصوص دوم، سوم اور ششم خاص کر مسلم پس منظر سے وابستہ ہیں۔ یہاں پر تیسرے باب کا مطالعہ اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس میں تصوف کا قدرے تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے، جس سے مصنف کے گہری نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ اڑتیس صفحات پر محیط اس باب کا آغاز رسولؐ اسلام کے ذکر سے ہوتا ہے۔ اس کے بعد مصنف نے مسلم فرقوں کے ظہور کا ذکر کیا ہے اور شیعہ فرقے پر خصوصی نظر مرکوز کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ تاریخی تقاضوں کے اثر سے ان کے سادہ مذہب میں نئے نئے فرقے بننے لگے۔ ابتدائی تفرقوں کی بنیاد سیاست تھی۔ خارجیہ، شیعہ، مرجیہ اور قدریہ فرقے سب سے پہلے نمودار ہوئے جو بہت جلد ایران میں پھیل گئے۔ انتہا پسند شیعوں کے عقائد جو غلاط کہلاتے تھے حیرت انگیز طور پر ہندوؤں کے اصول سے ملتے جلتے تھے۔ انہوں نے پیشوا کو الوہیت کا درجہ دے دیا، نیز مسئلہ تناسخ پر اور ایک تشبیہی خدا پر، خدا کے ارادہ میں تبدیلی پر اور امام کی دوبارہ واپسی (رجع) پر اُن کا ایمان تھا۔ علی الہیہ انتہا پسند فرقہ تھا جو حضرت علی کی الوہیت کا عقیدہ رکھتا تھا۔ اس کے ماننے والے سجدوں میں نہیں جاتے تھے اور رسمی ناپاکی کا کوئی تصور نہیں رکھتے تھے۔ ازدواج یا طلاق کو جائز نہیں سمجھتے تھے اور شادیوں میں مردوں اور عورتوں کو ساتھ ساتھ نچاتے تھے۔ وہ خدا کے ان تمام ظہور کو مانتے تھے جنھوں نے تخلیق کائنات میں حصہ لیا۔ انہوں نے بعض اور شیعہ فرقوں کا بھی ذکر کیا ہے، مثلاً باطنیہ جو قرآن کے بین معانی کے منکر تھے اور نماز کا مطلب امام کو سجدہ کرنا اور امام کے پاس حاضری کو حج کرنا بتاتے تھے یا حشیشین جو الاموت اور شام میں مرتکز تھے۔ مصنف کا کہنا ہے کہ ان ہی ابتدائی شیعی فرق میں سبعیہ اور اثنا عشریہ وجود میں آئے۔ دیگر اسلامی فرقوں میں ڈاکٹر تاراچند نے متکلمین، معتزلہ اور اشاعرہ کا ذکر بھی کیا ہے۔ ڈاکٹر تاراچند نے اسلام میں تصوف کے دو ادوار کی نشاندہی کی ہے۔ پہلا دور ابتدائی عہد سے نویں صدی تک جس میں تصوف کے خاص مراکز کوفہ اور بصرہ تھے۔ دوسرا دور نویں صدی میں اس وقت شروع ہوا جب وحدت الوجود کا نظریہ کھل کر سامنے آیا اور موحدانہ توکل و فقر پر شیعہ اور دیگر نظریات غالب آنے لگے۔ اس دور کے صوفیوں میں 'انا الحق' کا نعرہ بلند کرنے والے حسین بن منصور الحلاج تھے، جو ہندوستان بھی آئے تھے۔ پھر قشیری اور ابن عربی تصوف کی سند بن گئے۔

ڈاکٹر تاراچند کے مطابق ہندوستان کے مشرقی گھاٹ کی طرف مسلمانوں ساتویں صدی عیسوی میں آئے اور آٹھویں صدی تک وہ

مغربی کنارے کے سواحلی علاقوں میں آباد ہو چکے تھے، نیز انہوں نے اسلام کی تبلیغ واشاعت کے ساتھ ساتھ مساجد اور مزارات بھی آباد کر لیے تھے، البتہ ان کے مذہب میں خالص عربیت نہیں تھی، پھر بھی ہندو سماج اور ان کی تہذیب اور ریاست کو ان کی آمد سے سخت دھکا لگا۔ دوسری طرف علماء اور فقہاء عرب سماج کے قوانین اور رسومات پر مبنی قانونی نظام کے ذریعہ ہندوستانی سماج اور ریاست کے اصلاح کرنا چاہتے تھے اور انہوں نے اجتہاد کے دروازے بند کر رکھے تھے، اس کے برعکس صوفیائے کرام نے محبت کا دستور رائج کیا اور رواداری کو ترقی دی، چنانچہ ہندی اور مسلم تہذیبوں کے سنگم سے ہندوستان میں ایک نئی مشترکہ تہذیب وجود میں آئی۔ ان تبدیلیوں میں جہاں کبیر، نانک، چیتنیہ، سور اور تلسی کی اصلاحی کوششوں کا عمل دخل تھا، وہیں معین الدین چشتی، فرید الدین گنج شکر، نظام الدین اولیائؒ، بندہ نواز گیسو دراز اور دیگر صوفیاء کرام کی جاں سوزیاں اور شیریں کلامیاں شامل تھیں اور یہ سلسلہ راجہ رام موہن رائے، سر سید احمد خاں سے لے کر رابندر ناتھ ٹیگور، موہن داس کرم چند گاندھی اور محمد اقبال تک چلتا رہا۔ انہوں نے اپنی کتاب میں مسلم دور کی فن تعمیر میں مقبروں، بالخصوص تاج محل، اور مسجدوں، محلوں اور قلعوں کا بھی ذکر کیا ہے اور عہد جہانگیر کی مصوری کی تعریف کی ہے۔ اس دور کی موسیقی کے بارے میں وہ لکھتے ہیں کہ موسیقی میں خسرو، بیجو اور تان سین جیسے استادوں کے کارنامے ہندوستان میں اتنے ہی روشن ہیں جتنے یورپ میں باخ، موزارٹ اور بیٹ ہوون کے۔

ڈاکٹر تاراچند کے مطابق قومیت کا تصور پندرہویں صدی کے مغربی ممالک میں آنے والے سماجی، صنعتی اور سیاسی تبدیلیوں کے پس منظر میں ابھرا اور اٹھارہویں صدی کے آخر تک اس کے اثرات انگلینڈ، جرمنی، فرانس اور اٹلی سے ایشیا تک پہنچ گئے۔ بیسویں صدی تک تو اسے ایک عالم گیر حیثیت حاصل ہو گئی۔ وہ قومیت کو نسل و زبان سے ماوراء اور اعداد و شمار سے آزاد تصور کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک قومیت کسی سماج کے افراد کی ذہنی ہم آہنگی سے تشکیل پاتی ہے، جو آپس میں مل جل کر رہنے، باہمی مفادات کو فروغ دینے اور آزاد متحدہ حکومت قائم کرنے کے جذبے سے وجود میں آئی ہے۔ اس مطلوبہ اتحاد کی راہ میں تین طرح کی رکاوٹیں آتی ہیں: قبائلی اور علاقائی خود مختاری، لسانی و ثقافتی نیرنگی اور مذہبی اکثریتیں۔ پہلا مسئلہ طاقت یا باہمی رضامندی کے ذریعے حل کیا جاتا ہے، دوسرا مسئلہ وقت کے ساتھ ساتھ حل ہو جاتا ہے، البتہ تیسرا مسئلہ سب سے مشکل ہوتا ہے اور وہ سیاسی استحصال کا سبب بھی بن جاتا ہے، کیوں کہ اس کی جڑیں تاریخ میں پیوست ہوتی ہیں۔ اس لیے ضروری ہوتا ہے کہ قومی بیداری کا کوئی میکانزم موجود ہو جو حرکت میں رہے۔ ان کے نزدیک مذہبی رکاوٹ کا حل سیکولرزم ہے جس کی بنیاد اس عقیدے پر رکھی گئی ہے کہ تمام مذاہب کو یکساں احترام کے لائق سمجھا جائے اور عوام میں امن، خیر سگالی اور اخوت کی اشاعت میں مدد کی جائے۔

ڈاکٹر تاراچند کی ایک معرکۃ الآراء کتاب "History of Freedom Movement in India" چار جلدوں پر مشتمل انگریزی زبان میں ہے، اس کا اردو ترجمہ قاضی محمد عدیل عباسی نے ''تاریخ تحریک آزادی ہند'' کے نام سے کیا ہے۔ صاحب کتاب نے اپنی اس اہم کتاب میں ہندوستانی زندگی کے سماجی، سیاسی، اقتصادی اور ثقافتی پہلوؤں سے سیر حاصل بحث کی ہے، البتہ کچھ ابواب مسلمانوں سے بھی متعلق ہیں، جیسے ''سلطنت مغلیہ کا زوال اور خاتمہ، مسلم سیاسی فکر کے رجحانات، مسلم افکار و سیاست، مسلمانوں کا مسئلہ، عدم تعاون اور خلافت تحریکیں'' وغیرہ۔ ڈاکٹر تاراچند نے اس کتاب کے آٹھویں باب میں مسلم سیاسی فکر کے رجحانات کا جائزہ لیتے ہوئے 1857 سے

1905 تک ابھرنے والے قابل ذکر مفکرین کا جائزہ لیا ہے۔ یہ جائزہ تین طبقات کے رویوں پر مشتمل ہے۔ اول علمائ، دوم قوم پرور سیاست داں اور سوم قوم پرست سیاست داں۔ علماء کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے بتایا ہے کہ ان کے سامنے دو ہی راستے تھے، حالات کا بہادری کے ساتھ مقابلہ کرنا یا آزادی کے خواب کو ہمیشہ کے لیے بھول جانا۔ پہلا راستہ بیشتر علماء نے اختیار کیا، کیوں کہ وہ فکر شاہ ولی اللہ کے ہم نوا تھے۔ وہ ثابت قدمی کے ساتھ حکومت وقت کی مخالفت کرتے رہے، لیکن انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ ہندوئوں بالخصوص بنگالیوں نے انگریزی تعلیم حاصل کر کے ترقی کی ہے اور تجارت و ملازمت میں اپنے قدم جما لیے ہیں، لہذا شاہ عبدالعزیز جیسے علماء نے انگریزی تعلیم کی حمایت بھی کی۔ نواب عبداللطیف خان کی ''محمڈن لیٹریری سوسائٹی'' نے یہی کام کلکتہ میں شروع کیا تھا۔ سر سید احمد خاں بھی اسی نظریہ کے حامی تھے تو صاحب کتاب نے سر سید احمد خاں اور ان کی علی گڑھ تحریک کا بھی تفصیلی جائزہ لیا ہے۔ ڈاکٹر تارا چند نے فرقہ پرور طبقہ میں علمائے دیوبند اور شبلی نعمانی کے کردار کا جائزہ لیا ہے۔ قوم پرور مسلمان انڈین نیشنل کانگریس کے ہم نوا تھے، جیسے بدرالدین طیب جی، حسین احمد مدنی، مولانا ابوالکلام آزاد، عبیداللہ سندھی اور حبیب الرحمن شاہ، لیکن قوم پرستوں کا ایک دوسرا طبقہ احیائے اسلام کو ترجیح دیتا تھا اور مغرب سے مشرق میں آنے والے نیشنلزم کے سیلاب کو سائنس وفنی مہارت کے ذریعے روکنا چاہتا تھا تاکہ عظمت اسلامی والی عملی زندگی مستحکم ہو۔ اس طبقہ میں سید جمال الدین افغانی کی رہ نمائی میں علامہ اقبال اور سید ابوالاعلیٰ مودودی وغیرہ شامل تھے، جو مذہب کو سیاست سے الگ کرنے کے قائل نہیں تھے۔

13.5 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- ہندوستان میں اسلام کی آمد سے سیاسی و سماجی انقلاب کے ساتھ ساتھ ایک فکری انقلاب کی بھی آمد ہوئی، جس کی ترجمانی مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں نے بھی کی۔ یہ تہذیبی اشتراک مغلیہ دور میں مزید مضبوط ہوا، البتہ اس دور میں ترجم کو ترجیح دی گئی، بعد میں جب غیر مسلموں نے مسلمانوں سے تاریخ کا علم سیکھا تو انہوں نے بھی اسلامک اسٹڈیز میں اپنے فن تاریخ سے گراں قدر اضافہ کیا۔ انگریزوں کی آمد سے ہندوستان میں جب ایک نئے عہد کا آغاز ہوا تو غیر مسلموں کی فکر کا دائرہ بھی وسیع تر ہوتا چلا گیا۔
- موہن داس کرم چند گاندھی، پنڈت جواہر لال نہرو اور ڈاکٹر تارا چند نے اسلامک اسٹڈیز کے میدان میں جو علمی خدمات انجام دی ہیں، ان کا تعلق قرآن کریم، سیرت، تصوف، اسلامی تہذیب و ثقافت اور مسلم تاریخ وغیرہ سے ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اپنی تحریروں میں ہند-اسلامی تہذیب و ثقافت کے کسی نہ کسی پہلو کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے اور اسلامک اسٹڈیز کے لٹریچر میں قابل قدر اضافہ کیا ہے، البتہ یہ ضروری نہیں ہے کہ بہ حیثیت مسلمان طالب علم ان کے تمام افکار و نظریات سے اتفاق کیا جائے۔

13.6 کلیدی الفاظ

وحدت ادیان : اصلاً تمام مذاہب ایک ہیں اور ظاہری رسوم وعقائد کچھ بھی ہوں، سب ایک خدا کی ہی عبادت کرتے ہیں۔

نٹال انڈین کانگریس : 1894 میں مہاتما گاندھی کے ذریعے جنوبی افریقہ میں قائم کردہ ایک تنظیم۔

معتزلہ : ایک عقلیت پسند فرقہ جس کے بانی ایک ایرانی نژاد واصل بن عطا تھے۔

13.7 نمونہ امتحانی سوالات

13.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. موہن داس کرم چند گاندھی کی سن پیدائش اور وفات کیا ہے؟

1935-1835 . (a) 1930-1879 .(b) 1869-1948.(c) 1780-1836 . (d)

2. گاندھی جی نے نٹال انڈین کانگریس نامی تنظیم کس ملک میں قائم کی تھی؟

(a).بھوٹان (b).لندن (c).ہندوستان (d).افریقہ

3. گاندھی جی نے آزادی کے بعد اپنے وزیروں کو کن دو صحابہ کرام کی سادگی اختیار کرنے کی تلقین کی تھی؟

(a).عثمانؓ و علیؓ (b).ابو بکرؓ و عمرؓ (c).بلالؓ وابوذر غفاریؓ (d).ابوعبیدہؓ وزیدؓ

4. گاندھی جی کے اخبار کا کیا نام تھا؟

(a).انڈین اوپینین (b).فری ہندوستان (c).ہندوستان ٹائمس (d).بندے ماترم

5. پنڈت جواہر لال نہرو کی سن پیدائش اور وفات کیا ہے؟

1935-1835.(a) 1930-1879.(b) 1889-1964.(c) 1780-1836.(d)

6. صدر کانگریس کی حیثیت سے پنڈت نہرو نے الہ آباد میں کب اپنی پارٹی کا ''محکمہ خارجہ'' قائم کیا تھا؟

1941-1940.(a) 1937-1936.(b) 1932-1933.(c) 1930-1931. (d)

7. کتاب ''تلاش ہند'' کا مصنف کون ہے؟

(a).پنڈت جواہر لال نہرو (b).مہاتما گاندھی (c).مالک رام (d).پنڈت سندر لال

8. ڈاکٹر تاراچند کی پیدائش کس جگہ ہوئی؟

(a).الہ آباد (b).سندھ (c).اسلام آباد (d).سیالکوٹ

9. ڈاکٹر تاراچند کو بہ حیثیت سفیر کس ملک میں بھیجا گیا؟

(a).افغانستان (b).ایران (c).عراق (d).سعودی عرب

10. کتاب ''اسلام کا ہندوستانی تہذیب پر اثر'' کا مصنف کون ہے؟

(a).محمد عمر (b).مالک رام (c).ڈاکٹر تاراچند (d).پنڈت نہرو

13.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. موہن داس کرم چند گاندھی کے مطالعہ اسلام کے اسباب بیان کیجئے۔
2. موہن داس کرم چند گاندھی کے تصور خدااور تصور رسول کی وضاحت کیجئے۔
3. پنڈت جواہر لال نہرو کی کتاب ''تلاش ہند'' کا مختصر تعارف پیش کیجئے۔
4. ڈاکٹر تاراچند کی کتاب ''اسلام کا ہندوستانی تہذیب پر اثر کا مختصر تعارف پیش کیجئے۔
5. ڈاکٹر تاراچند کی کتاب ''تاریخ تحریک آزادی ہند'' میں مسلمانوں کے کردار کا تجزیہ پیش کیجئے۔

13.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. موہن داس کرم چند گاندھی کی حیات وخدمات کا تفصیلی جائزہ لیجئے۔
2. پنڈت جواہر لال نہرو کی حیات وخدمات کا تفصیلی جائزہ لیجئے۔
3. ڈاکٹر تاراچند کی حیات وخدمات پر ایک تفصیلی نوٹ لکھیے۔

13.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. تلاش حق (مہاتما گاندھی کی آپ بیتی) : مہاتما گاندھی (مترجم) ڈاکٹر سید عابد حسین
2. جواہر لال نہرو اپنی تحریروں کی روشنی میں : عبداللطیف اعظمی و کشمیری لال ذاکر
3. تاریخ تحریک آزادی ہند : ڈاکٹر تاراچند (مترجم) قاضی محمد عدیل عباسی
4. اسلام کا ہندوستانی تہذیب پر اثر : ڈاکٹر تاراچند (مترجم) چودھری رحم علی الہاشمی
5. Glimpses of World History : Jawaharlal Nehru

اکائی 14: ہندوستانی غیر مسلم اسکالرس کی حیات وخدمات (حصہ دوم)

اکائی کے اجزا:

14.0 تمہید
14.1 مقاصد
14.2 مالک رام (1906-1993)
14.3 پنڈت سندر لال (1886-1981)
14.4 ڈاکٹر بی این پانڈے (1906-1998)
14.5 اکتسابی نتائج
14.6 کلیدی الفاظ
14.7 نمونہ امتحانی سوالات
14.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
14.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات
14.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات
14.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

14.0 تمہید

ہندوستان میں اسلام کا تعارف عہد نبوی میں ہی ہو گیا تھا، اگرچہ اس ملک میں اس کے ورود کا سلسلہ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے سے تسلیم کیا جاتا ہے۔ جب یہاں پر مسلمانوں کی باقاعدہ حکومتیں قائم ہوئیں تو مقامی باشندوں کو ہر قسم کی آزادی کے ساتھ ساتھ حصول تعلیم کی نہ صرف عمومی آزادی دی گئی، بلکہ سرکاری طور پر اس کا انتظام بھی کیا گیا اور اس سے بھی بڑھ کر ایسی بھی مثالیں ملتی ہیں کہ شہزادوں کے ساتھ بیٹھ کر مقامی باشندوں کے بچوں کو تعلیم حاصل کرنے کے مواقع فراہم کیے گئے۔ اس میں ذات پات اور اونچ نیچ کی کوئی تفریق نہیں کی

گئی۔اس بے تعصبی اور کشادہ ذہنی کا یہ نتیجہ نکلا کہ ہندوستان میں علوم وفنون اور مشترکہ تہذیب وثقافت کو بے انتہا فروغ حاصل ہوا اور اس میں ہندو مسلم دونوں ہی کا کردار رہا۔اسی آپسی میل جول اور مشترکہ تہذیب کے فروغ کا نتیجہ ہے کہ ہندو اور مسلمان دونوں مذاہب کے ماننے والوں نے ایک دوسرے کی مذہبی روایات کو جاننے اور سمجھنے کی کوشش کی۔اس طرح ہندوستانی غیر مسلم اسکالرس نے اسلامک اسٹڈیز کے میدان میں جو علمی خدمات انجام دی ہیں،ان کا تعلق قرآن کریم، سیرت، نعت، تصوف، اسلامی تہذیب وثقافت، فنون لطیفہ اور تاریخ وغیرہ سے رہا ہے۔یوں تو ہندوستانی غیر مسلم اسکالرس کی ایک بڑی تعداد ہے، جنھوں نے اسلامک اسٹڈیز کے مختلف گوشوں میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں، لیکن یہاں صرف نصاب میں شامل بعض اہم غیر مسلم اسکالرس مہاتما گاندھی، پنڈت جواہر لال نہرو، ڈاکٹر تارا چند، مالک رام، پنڈت سندر لال اور بی این پانڈے کی حیات وخدمات کے حوالے سے گفتگو کی جائے گی۔پہلی تین شخصیات کا تذکرہ گزشتہ اکائی میں کیا گیا ہے اور باقی تین شخصیات کا احاطہ اس اکائی میں کیا جا رہا ہے۔اس اکائی کو لکھنے میں بنیادی طور پر ''اسلام اور اسلامی تہذیب وثقافت کا مطالعہ - بیسویں صدی کے چند ہندو اہل علم کے حوالے سے'' اور ''علوم وفنون میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کا حصہ'' سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے۔

14.1 مقاصد

اس اکائی کے مطالعے کے بعد طلبہ کو معلوم ہو جائے گا کہ غیر مسلم اسکالرس نے اسلامی تہذیب وثقافت کے کن کن پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے، وہ ساتھ ہی اسلام اور مسلمانوں کا مطالعہ ہندو افکار ونظریات کی روشنی میں کر سکیں گے، نیز انہیں ہندوستان کی قومی تہذیب میں ہند- اسلامی ثقافت کی قدر وقیمت کا بھی اندازہ ہو گا۔اسی طرح انہیں مالک رام، پنڈت سندر لال اور بی این پانڈے کی سوانح حیات اور ان کی خدمات سے بھی واقفیت حاصل ہو گی۔

14.2 مالک رام (1993-1906)

مالک رام کا شمار بیسویں صدی عیسوی کے ان ہندوستانی دانش وروں میں ہوتا ہے، جنھوں نے علم وادب کے مختلف میدانوں میں نمایاں خدمات انجام دینے کے علاوہ اسلامک اسٹڈیز میں بھی اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھائے ہیں۔یقینا وہ اس میدان کے اہم ستون ہیں۔انہوں نے اپنی تحریروں میں اسلامک اسٹڈیز کی مختلف جہتوں کا غیر جانب دارانہ اور ہمدردانہ مطالعہ پیش کیا ہے۔اس کا اعتراف خود مسلم اہل علم ودانش نے کیا ہے۔ذیل میں ان کی حیات وخدمات کا جائزہ لیا جا رہا ہے۔

مختصر سوانح حیات

مالک رام 22، دسمبر 1906 کو موجودہ پاکستان کے قصبہ پھالیہ، ضلع منڈی بہاءالدین، ڈویژن گجرات، صوبہ پنجاب میں ایک معزز کھتری، اروڑہ خاندان میں پیدا ہوئے۔ان کے والد لالہ نہال چند تعلیم یافتہ انسان تھے اور ان کی والدہ کا نام بھگوان دیوی تھا۔ان کا گھرانہ مذہبی تھا، اس لیے تعلیم کا آغاز بھی مذہبی ماحول میں ہوا۔چار برس کی عمر میں گھر کے قریب ایک دھرم شالہ یا گردوارہ میں تعلیم کے لیے جانے لگے اور اس کے گرنتھی (بھائی صاحب) جگت سنگھ سے گورمکھی پنجابی زبان لکھنا پڑھنا سیکھی۔اسی دوران انہوں نے گرونانک کی بانیاں بھی یاد

کیں، جس میں بیان کردہ توحیدی تعلیمات کے اثرات ان کی زندگی پر بھی مرتب ہوئے۔ابتدائی تعلیم کے بعد وہ ضلع کے ایک بہترین اردو میڈیم اسکول میں داخل کیے گئے جو تحصیل کے صدر مقام پر واقع تھا۔وہ چھ برس کی عمر میں مڈل اسکول میں آئے اور 1912 میں چودہ سال کی عمر میں مڈل کا امتحان پاس کر لیا تھا۔1922 میں انہوں نے جونیئر اور سینئر اسپیشل امتحانات پاس کر لیے۔1926 میں گجرات کے انٹر کالج سے بارہویں کا امتحان اول درجے سے پاس کیا۔اس کے بعد انہوں نے 1928 میں ڈی اے وی کالج لاہور سے بی اے اور 1930 میں تاریخ میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔ مئی 1931 میں ان کی شادی شریمتی ودیاوتی سے ہوئی۔وہ چونکہ مشترکہ تہذیب کے قائل تھے،اس لیے انہوں نے اپنی اولادوں کے نام آفتاب، سلمان،اوشا،ارونا اور بشریٰ رکھے۔ذاتی طور پر وہ انتہائی ملنسار اور خلیق انسان تھے۔مذہبی امور کی پاس داری کرتے اور فریب دہی اور جھوٹ وغیرہ سے انہیں سخت نفرت تھی۔

مالک رام دوران طالب علمی ہی میں ادبی دنیا سے منسلک ہو گئے تھے۔اس کا ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے مضمون نویسی کے ایک مقابلے میں ''کیا مذہب میں عقل کو دخل نہیں ہے'' کے عنوان سے مضمون لکھ کر انعام میں ایک گھڑی حاصل کی، جو اس زمانے میں بڑی بات تھی۔ایسا مانا جاتا ہے یہ ان کی زندگی کا پہلا مضمون تھا۔ان کی ادبی سرگرمیوں کا مرکز گجرات ڈویژن کے ایک بازار کی ایک دوکان تھی جہاں افکار، ریاست، نیرنگ خیال اور دیگر ادبی رسائل کے گرد ادباء اور شعراء کے درمیان ادبی مذاکرے اور مباحثے ہوا کرتے تھے اور ان میں وہ خود بھی شرکت کیا کرتے تھے۔اسی طرح شہر میں ایک ہفتہ واری طرحی نشست بھی ہوتی تھی، جن میں مالک رام بھی اپنی غزلیں پڑھا کرتے تھے۔اسی دور میں ان کی بعض تحقیقات نیرنگ خیال اور افکار وغیرہ میں شائع ہوئیں۔ابتداء میں انہوں نے نیرنگ خیال پر نظر ثانی کا کام کیا اور پھر وہ 1932 تا 1936 تک اس کے مدیر رہے۔اسی دوران وہ آریہ گزٹ کے بھی مدیر رہے۔1936 میں وہ روزنامہ بھارت ماتا سے بھی جڑے، لیکن اسی سال وہ بند کر دیا گیا۔انہوں نے اپنے حواشی کے ساتھ علامہ اقبال کی اسرار خودی اور رموز بے خودی کا اردو ترجمہ بھی کیا۔اس کے بعد وہ ساہتیہ اکادمی کے لیے مولانا ابوالکلام آزاد کی تخلیقات کی ترتیب وتدوین میں منہمک ہو گئے۔1936 میں وہ دہلی دوسری مرتبہ نوکری کی تلاش میں آئے،اس سے پہلے وہ غالباً 1932 میں دہلی بغرض سیاحت آ چکے تھے۔دہلی میں ہی انہوں نے 'علمی مجلس' نامی ایک انجمن قائم کی اور ادبی رسالہ 'تحریر' کا آغاز کیا۔1936 میں انہیں ہوم ڈیپارٹمنٹ کے محکمہ اطلاعات میں ملازمت ملی، لیکن وہ یہ میدان ان کے مزاج کے مطابق نہ تھا۔ایک سال بعد انہیں جالندھر کے ایک پرائیویٹ فرم میں ملازمت ملی۔1938 میں انہوں نے ظفر اللہ خاں کے مشورے سے مصر میں ملازمت کر لی۔1939 میں انہیں اسکندریہ میں حکومت ہند کے ٹریڈ کمشنر کے دفتر میں سپرنٹینڈنٹ بنا دیا گیا اور آزادی ہند کے بعد جب انڈین فارن سروس کی تشکیل ہوئی تو ان کو اس میں منتخب کر لیا گیا۔اس ملازمت کے دوران وہ مصر، عراق، ترکی، بلجیئم، لبنان، فلسطین، افغانستان، فرانس، انگلینڈ، جرمنی، ہالینڈ اور سوئزرلینڈ وغیرہ گئے اور روس کے کتب خانوں اور عجائب گھروں کی سیر کی۔1939 سے 1950 تک وہ مصر میں ملازمت کرتے رہے۔1964 میں وہ واپس دہلی آئے اور 1965 میں حکومت ہند کی ملازمت سے سبک دوش ہوئے۔1993 میں ان کا دہلی میں ہی انتقال ہو گیا۔

مطالعہ اسلام کے اسباب

مالک رام کو اسلامی موضوعات سے دلچسپی ابتداء سے ہی تھی۔ انہوں نے گرودوارے کے زمانہ تعلیم میں اپنے گائوں کی مسجد کے امام سے اردو اور عربی پڑھی، جو ان کا اسلامی علوم سے پہلا رابطہ تھا۔ مڈل کی تعلیم کے دوران انہیں اردو اور فارسی زبانیں سیکھنے کا مزید موقع ملا، نیز انہوں نے اپنے ایک قادیانی دوست (احمد حسن رہتاسی) کے توسط سے اسلامی علوم کی کتابوں کا مطالعہ ضلع وزیرآباد، ڈویژن گجرات میں اسکول کی تعلیم کے دوران ہی شروع کر دیا تھا اور جب وہ لاہور میں بی اے کی تعلیم حاصل کر رہے تھے تو اپنے ایک دوست سید دلاور شاہ بخاری سے قرآن مجید کے اٹھارہ پارے مع ترجمہ پڑھے اور جب یہ سلسلہ منقطع ہو گیا تو بقیہ پارے خود سے مکمل کیے۔ وہ 1936 میں لاہور سے شائع ہونے والے اخبار آریہ گزٹ سے وابستہ ہوئے۔ یہاں انہیں مذہبی لٹریچر کے مطالعے کے مزید مواقع ملے، جس میں اسلامی لٹریچر بھی شامل تھا۔ انہوں نے آریہ گزٹ میں مذہبی تحریروں کے ترجمے کیے، تاریخی و مذہبی مضامین لکھے، مذہبی مناظروں کو شائع کیا اور مذہبی تحقیقی مضامین بھی قلم بند کیے۔ اس کے بعد انہوں نے مذاہب ہند بالخصوص اسلام، ہندومت اور عیسائیت کا تقابلی مطالعہ شروع کیا۔ عام طور پر وقتی اور صحافتی ضرورت تو سرسری مطالعے سے بھی پوری ہو جاتی ہے، لیکن مالک رام نے پوری توجہ کے ساتھ اسلامیات کا مطالعہ کیا۔ جب ان کا طویل قیام بغرض سرکاری ملازمت شمالی افریقہ اور مغربی ایشیا کے ملکوں میں رہا تو انہوں نے نہ صرف عربی زبان کا اپنا مطالعہ وسیع کیا بلکہ متعدد قرآنی تفاسیر اور احادیث کی کتابوں سے بھی بھرپور استفادہ کیا، لیکن صحیح معنی میں اسلامیات کے مطالعہ کا اصل سبب 'نگار' کا مطالعہ ہوا، جس میں بہ کثرت قرآن پر مضامین شائع ہوتے تھے، وہ بھی ایسے مضامین جن کا استدلال بڑا فکر انگیز ہوتا تھا اور انہیں سمجھنے کے لیے عربی سے واقفیت ضروری تھی، چونکہ نگار کے مطالعے سے مالک رام کو اسلامی موضوعات سے دل چسپی ہو چکی تھی، لہذا انہیں معیاری عربی زبان سیکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی، اس میں ان کے دوست سید دلاور شاہ بخاری نے بہت مدد کی۔ ان کے اسلامی مطالعات سے دل چسپی میں نیاز فتح پوری کے کردار کے علاوہ مولانا ابوالکلام آزاد کے اثرات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا، کیوں کہ ان کے ابتدائی مضامین میں مولانا آزاد کی پیروی پائی جاتی ہے۔

اسلامک اسٹڈیز میں خدمات

مالک رام نے بہ حیثیت مجموعی مختلف موضوعات پر تقریباً ایک سو سے زائد کتابیں اور مضامین قلم بند کیے ہیں۔ ان کی کاوشوں کو بنیادی طور پر تحقیقات، تذکرے اور اسلامیات کے تحت بیان کیا جا سکتا ہے۔ ان کے دائرہ تحقیق میں ادبی و تاریخی موضوعات خصوصی طور پر شامل ہیں۔ انہوں نے ادبی میدان میں غالب پر اتنی توجہ دی کہ انہیں 'ماہر غالبیات' یا 'غالبیات کا امام' سمجھا جانے لگا۔ تاریخی تحقیقات کے میدان میں بھی ان کی نمایاں تصانیف موجود ہیں، ان میں بابلی تہذیب اور ہندوستان کے عہد عتیق کا مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ انہیں اردو تذکرہ نگاری میں بھی کمال حاصل ہے، اس حوالے سے انہوں نے اپنی تحریروں میں تاریخ کے متعدد واقعات، مسلم سماج، اہم شخصیات کی حیات وخدمات کا جائزہ لیا ہے۔ اسلامیات ان کا اختصاصی موضوع ہے اور یہ صرف اسلام اور اسلامی تاریخ تک ہی محدود نہیں ہے، بلکہ ان کی جزئیات بھی اس میں شامل ہیں۔ اسلامیات کے میدان میں ان کی دو کتابیں 'اسلامیات' اور 'عورت اور اسلامی تعلیم' خصوصی اہمیت کی حامل ہیں۔ اسلامیات میں کل چھ مضامین ہیں جو انہوں نے اپنے بعض مخلص دوستوں کی درخواست پر لکھے تھے اور اسی کتاب میں شامل ایک مضمون ان

کی دوسری کتاب 'عورت اور اسلامی تعلیم' کا تتمہ سمجھا جاتا ہے۔ ذیل میں دونوں کا مختصر تعارف پیش کیا جارہا ہے۔

اسلامیات کا پہلا مضمون 'لاالہ اللہ محمد رسول اللہ' ہے، اس میں مالک رام نے اسلام کے پہلے اور بنیادی کلمہ طیبہ کی جامع تشریح آسان الفاظ میں منطقی طرز پر کی ہے۔ اس میں بحث کا مرکزی موضوع اللہ رب العالمین کی وحدانیت ہے، نیز کلمہ کا دوسرا حصہ 'محمد رسول اللہ' دراصل اپنے معتقدین کو یہ بتاتا ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہیں کرنی ہے، حتیٰ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی نہیں۔ اس حوالے سے صاحب کتاب نے اس باب میں اسلام کے چھ اصولوں کی وضاحت کی ہے۔ ان دیکھے خدا پر ایمان، صرف ایک خدا کی عبادت، مسلمان کا اپنی مادی، ذہنی اخلاقی اور روحانی صلاحیتوں کا اللہ کی راہ میں استعمال کرنا، قرآنی تعلیمات پر ایمان رکھنا، نازل شدہ وحی پر ایمان لانا اور آخرت پر یقین رکھنا۔ دوسرے مضمون 'الاسلام' میں مصنف نے رب کی تشریح کرتے ہوئے پورے عالم انسانیت کی وحدت کے لیے تین بنیادی اصولوں کا ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا، اس معبود مطلق کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کرنا اور انسانوں کے باہمی برتاؤ میں کسی انسان کو اپنا پروردگار نہ سمجھنا۔ تیسرے مضمون 'اسلامی خلافت' میں مالک رام نے ایک سوال قائم کیا ہے کہ اسلام میں جمہوریت ہے یا نہیں؟ نیز انہوں نے خلافت کی غرض وغایت کے ساتھ خلیفہ کا انتخاب، اس کے فرائض وصفات، شورائی نظام، اسلامی خلافت کے اصول اور خلفاء راشدین کی مختصر تاریخ بیان کی ہے۔ چوتھے مضمون 'خلق عظیم' میں صاحب کتاب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتیازی اوصاف بیان کیے ہیں اور آپؐ کی مکی و مدنی زندگی کے بعض اہم واقعات جیسے ہجرت حبشہ، شعب ابی طالب، سفر طائف، ہجرت مدینہ، خیبر کا تذکرہ کیا ہے، نیز آپؐ کے تین اہم مخالفین مشرکین مکہ، یہود اور منافقین کی نشان دہی کی ہے، جو اسلام کی بنیادی تعلیمات توحید، آخرت اور یتیم ومسکین کی امداد وغیرہ کی ہر ممکن مخالفت کیا کرتے تھے۔ پانچویں مضمون 'افصح العرب' میں مصنف نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انداز ترسیل اور طریقہ تعلیم وتربیت کا احاطہ کیا ہے۔ انہوں نے احادیث رسول کی چار اصناف متعین کی ہیں: قانونی دستاویز جیسے صلح حدیبیہ اور میثاق مدینہ، تبلیغی خطوط جو آپؐ نے متعدد ملکوں کے بادشاہوں اور عرب قبائل کے رئیسوں کو لکھے، آپؐ کے خطبات جن میں خطبہ حجۃ الوداع خاص طور پر قابل ذکر ہے اور عام روزمرہ کی باتیں، جن میں آپؐ نے دینی اور دنیاوی مسائل پر اپنی آراء پیش کی ہیں۔ چھٹا اور آخری مضمون 'عورت مذاہب عالم میں' ہے، اس میں مالک رام نے مختلف مذاہب ہندوازم، یہودیت، عیسائیت اور اسلام وغیرہ میں عورت کے مقام ومرتبہ اور ان کے مختلف حقوق جیسے تعلیم، نکاح، مہر، تعدد ازدواج، طلاق، خلع، عدت، تہمت، لعان، زنا، وراثت اور نیوگ وغیرہ کا تقابلی مطالعہ پیش کیا ہے۔

مالک رام کی دوسری اہم کتاب 'عورت اور اسلامی تعلیم' ہے۔ انہیں اسلام کی مختلف خوبیوں میں سے ایک خوبی یعنی 'عورت کے مقام ومرتبہ' نے سب سے زیادہ متاثر کیا ہے۔ اس حوالے سے انہوں نے قرآنی تعلیمات کا بہت دل چسپی سے مطالعہ کیا اور پھر عورت اور اسلامی تعلیم کے موضوع پر ایک طویل مضمون لکھا، جو ماہنامہ 'نگار' میں قسط وار شائع ہوا۔ 1951 میں اسے باقاعدہ کتاب کی شکل میں مزید اضافوں اور ضروری ترمیمات کے ساتھ شائع کیا گیا۔ کتابی شکل میں اسے شائع کرنے سے پہلے مالک رام نے، خود ان کے اپنے بیان کے مطابق، ہندوستان کے دو عالموں سے تصدیق حاصل کی تھی۔ کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ اس پر تبصرہ کرنے والوں

میں مولانا اسلم جیراج پوری اور مولانا عبدالماجد دریابادی جیسے موقر نام شامل تھے۔ کتاب کا تعارف مولانا نیاز فتح پوری، ایڈیٹر ماہنامہ نگار نے تحریر کیا تھا۔ یہ کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے، اس میں ایک مسلمان عورت کی پوری زندگی کا احاطہ کیا گیا ہے۔ بیٹی، بیوی، ماں، مطلقہ - بیوہ اور وارثہ کی حیثیت میں اسلام میں عورت کے مقام و مرتبے کو متعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ مالک رام نے اپنے مطالعے کی اصل بنیاد قرآن مجید پر رکھی ہے اور احادیث نبوی کو بطور تائید استعمال کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اسلام میں عورت کے مرتبہ و مقام کے حوالے سے اردو زبان میں لکھی جانے والی یہ اولین اور جامع ترین کتاب ہے۔ بیٹی کی پیدائش سے لے کر وفات اور وراثت کی تقسیم تک مسلم عورت، جن مراحل سے گزرتی ہے، تقریباً ان سبھی کا احاطہ اس کتاب میں تفصیل سے کیا گیا ہے۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ مالک رام نے اس کتاب میں تمام چیزوں کا صحیح اور درست مطالعہ پیش فرمادیا ہے اور نہ انہوں نے اس کا دعوی کیا ہے، البتہ اس سے انکار ممکن نہیں کہ مالک رام کا مسلمان عورت کا مطالعہ ہمدردانہ اور بالعموم سواد اہل سنت کے موافق و مطابق ہے۔ عورتوں کی تعلیم و تربیت ہو، مقاصد نکاح ہوں، زنا اور اس کی سزا کے مباحث ہوں، مسئلہ غلامی ہو، نکاح صغیرہ کا مسئلہ ہو، طریقہ طلاق اور حلالہ کی بحث ہو یا تقسیم وراثت کے مسائل، ہر جگہ مالک رام علماء کرام کی طرح آیات قرآنی سے استنباط کرتے اور اپنے اخذ کردہ نتائج کی تائید میں احادیث پیش کرتے نظر آتے ہیں۔ مالک رام کی عربی دانی، علوم اسلامی میں مہارت اور فقہی بصیرت کی گواہی مولانا اسلم جیراج پوری، عبدالماجد دریابادی اور نیاز فتح پوری نے دی ہے۔ اس کے باجود یہ کہنے میں تامل نہیں ہونا چاہیے کہ قرآنی آیات کے ترجمے اور ان سے اخذ نتائج و استدلال میں مالک رام سے لغزشیں ہوئی ہیں اور ان سے اختلاف کرنے کی پوری پوری گنجائش بھی موجود ہے۔ ان لغزشوں کی طرف نشاندہی مذکورہ علماء کے علاوہ مولانا ضیاء الدین اصلاحی کے طویل استدراک میں ملتی ہے۔ بہر حال مالک رام کا اسلامیات کا مطالعہ بہت وسیع تھا اور انہیں اسلامی تاریخ و ثقافت میں ہی نہیں بلکہ فقہی و دینیاتی جزئیات میں بھی مہارت حاصل تھی۔

14.3 پنڈت سندر لال (1981-1886)

پنڈت سندر لال فرقہ وارانہ خیر سگالی اور ہندو مسلم اتحاد کے علم بردار ہونے کے ساتھ ساتھ مخلص قوم پرست، بیباک صحافی، مصنف اور ایک ممتاز تاریخ داں بھی تھے۔ امن عالم کے سرگرم کارکن اور ملکی اور بین الاقوامی سیاست کے بہت قریبی شاہد ہونے کے باوجود انہوں نے کبھی عہدہ، دولت اور نام و نمود کی پرواہ نہیں کی۔ وہ ستیہ گرہ کے مرید اور عدم تشدد کے پجاری تھے۔ وہ سماج میں ہر شخص کی بہتری کے ہم نوا تھے اور فکری سرگرمی سے کہیں زیادہ عملی اقدامات میں یقین رکھتے تھے۔ ذیل میں ان کی حیات و خدمات کا جائزہ لیا جارہا ہے۔

مختصر سوانح حیات

پنڈت سندر لال کی پیدائش مغربی اترپردیش کے ضلع مظفر نگر کے قصبہ کھتولی میں 26 ستمبر 1886 کو ہوئی تھی۔ وہ کائستھ گھرانہ سے تعلق رکھتے تھے، لیکن پنڈت جواہر لال نہرو اور تیج بہادر سپرو نے ان کی قابلیت سے متاثر ہو کر انہیں پنڈت کا لقب دیا تھا۔ ان کے دادا کشتوری لال کھتولی کے اردو - فارسی مڈل اسکول میں ہیڈ ماسٹر تھے۔ وہ پورے قصبہ میں اپنی ملنساری کے لیے مشہور تھے۔ ان کی والدہ بھگوتی

دلی کے مشہور محلہ بلیماران کی تھیں، لیکن پنڈت جی کے نانا سیوا رام کا تعلق رادھا سوامی فرقہ سے تھے۔ اس طرح پنڈت سندر لال کو ہندوستان کی مشترکہ تہذیب اور اس کی فرقہ وارانہ خیر سگالی اور ہندو مسلم اتحاد کی روایت بچپن سے ہی حاصل تھی۔ ان کے داداجان کا لقب 'دیوان' تھا۔ وہ اگرچہ فارسی داں تھے، لیکن ان کا ماننا تھا کہ صرف فارسی پڑھ کر زندگی گزارنا مشکل ہے، چنانچہ انھوں نے اپنے بیٹے طوطا رام یعنی پنڈت سندر لال کے والد صاحب کو اردو و فارسی کے ساتھ انگریزی کی تعلیم بھی دلائی۔ پنڈت سندر لال اپنے والد کی چار اولادوں میں دوسرے نمبر پر تھے۔ ان کی بڑی بہن کا انتقال بچپن میں ہو گیا تھا۔ برج بھوشن لال جو ان سے چھوٹا تھا، تین برس کی عمر میں اس کا بھی انتقال ہو گیا تھا۔ چھوٹی بہن چندراوتی تھی اور اسے سب پیار سے 'چندا' کہتے تھے۔ اس مختصر سے خاندان میں پنڈت سندر لال کی ابتدائی تعلیم 1891 میں آغاز ہوا۔ ان کے خاندان کا رواج یہ تھا کہ بچہ کی تعلیم 'بسم اللہ' سے کرائی جاتی تھی، لیکن ان کے والد جو حال ہی میں آریہ سماج میں شامل ہوئے تھے اور سوامی دیانند سرسوتی کی تبلیغی تقریروں میں پابندی سے شریک ہوتے تھے، اس کے خلاف تھے اور چاہتے تھے کہ پنڈت سندر لال کی تعلیم 'شری گنیشائے نمہ' سے شروع کرائی جائے۔ ان کے داداجان کو جب معلوم ہوا کہ ان کے پوتے کی تعلیم کا آغاز دیوناگری میں آ-آ سے ہوگا تو وہ ناراض ہو گئے کہ خاندانی رسم کو کیوں ترک کیا جائے؟ آخر ان کی تجویز تسلیم کی گئی۔ اس حوالے سے پنڈت سندر لال نے لکھا ہے: ''پہلے صبح کو مولوی صاحب آئے اور انہوں نے بسم اللہ سے ساری رسم ادا کی۔ میں نے انہیں عیدی پیش کی اور انہوں نے مجھے مٹھائی کھلائی۔ اس کے بعد سہ پہر کو پنڈت جی تشریف لائے، انہوں نے 'شری گنیشائے نمہ' سے اپنی رسم ادا کی اور مجھے 'آ،آ،اِ،ای' لکھنا سکھایا اور مٹھائی کھائی اور کھلائی۔ اس دن سے تقریباً دو سال تک یہی ہوتا رہا کہ روز صبح کو مولوی صاحب آتے تھے اور میں اردو پڑھتا تھا۔ شام کو پنڈت جی آتے تھے اور میں ان سے ہندی پڑھتا تھا۔ دو سال کے اندر میں ایک طرف تو 'کریما' پڑھ رہا تھا اور دوسری طرف تلسی داس جی کی 'رامائن'۔ سندر کانڈ اور کریما مجھے قریب قریب حفظ ہو گئی تھی۔'' انہوں نے مذہبی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری علوم پر بھی توجہ دی، چنانچہ انہوں نے میٹریکولیشن اور انٹرمیڈیٹ کے بعد فلسفہ میں ایم اے اور ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کی۔

بنیادی طور پر پنڈت سندر لال کی تعلیم و تربیت میں مذہبی اور تہذیبی رواداری کو اولیت حاصل تھی۔ اسی لیے جب مہاتما گاندھی نے ان کی ابتدائی تعلیم کی داستان ان کی زبانی سنی تو سر ہلا کر بولے: ''اب سمجھ میں آیا کہ تم ہندو مسلم اتحاد کے اتنے طاقتور محافظ کیوں ہو؟'' رامائن ختم کرنے میں پنڈت سندر لال کو تقریباً دو سال کا وقت لگا۔ ایک زمانہ میں تو وہ گیتا کا مطالعہ بار بار کرتے تھے۔ اس کے ساتھ انہوں نے دیگر مذاہب کا بھی مطالعہ کیا۔ آخری عمر میں وہ کبیر کی باتوں کے بھگت ہو گئے تھے، نیز مولانا روم کی مثنوی میں غرق رہتے تھے۔ ان کے بقول: ''مذہب کی تلاش نے ہی مجھے تمام اصطلاحی مذاہب سے اوپر اٹھایا۔ آج میں اپنے آپ کو مذہب کا ماننے والا سمجھتا ہوں۔ وحدت الوجود کا قائل ہوں، کبیر صاحب کو اپنا گرو مانتا ہوں اور اس مذہب عشق کا شیدائی ہوں، جس کی بابت مولانا روم نے کہا ہے: ملت عشق از ہمہ ملت جدا است ☆ عاشقاں را مذہب و ملت خدا است۔ بہر حال ان کی زندگی کا تفصیلی مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ثقافتی ہم آہنگی کا ماحول بچپن سے ہی انہیں حاصل ہو گیا تھا۔ اگر انہیں گیتا ازبر تھی تو قرآن کے متعدد اجزاء بھی انہیں حفظ تھے۔ انہوں نے اسلام اور ہندو مذہب کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ دوران تعلیم سہارنپور کے ڈی اے وی کالج میں ہی ان کی ملاقات لالہ لاجپت رائے سے ہوئی، جن کی تقریروں سے ان کے اندر آزادی

کے حصول کا جذبہ پیدا ہوا۔ اس جد وجہد میں انہوں نے لالہ ہر دیال، لوک مانیہ تلک، مہاتما گاندھی، پنڈت جواہر لال نہرو، سرتیج بہادر سپرو اور مولانا ابوالکلام آزاد وغیرہ کا بخوبی ساتھ دیا۔ وہ علامہ اقبال، حسرت موہانی اور جوش ملیح آبادی کی وطن پرست شاعری سے بھی متاثر تھے۔ اٹھارہ برس کی عمر میں یعنی 1905 کے متعدد واقعات نے ان کی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ میک ویل ہندو بورڈنگ ہاؤس سے ان کی سیاسی زندگی کا آغاز ہوا۔ وہ کانگریس کے گرم دل میں شامل تھے۔ 16 اکتوبر 1905 میں جب تقسیم بنگال کا اعلان کیا گیا تو اس کے خلاف جمنا کے بلوا گھاٹ پر پنڈت بال کرشن کی صدارت میں ایک اجتماعی جلسہ کیا گیا اور اس میں پنڈت سندر لال بھی شامل تھے۔ 7 جنوری 1907 میں الہ آباد کی پرانی کائستھ پاٹھ شالا کے ہال میں گوکھلے کی تقریر ہوئی۔ اسی وقت الہ آباد کے کسی شخص نے پنڈت سندر لال کی طرف اشارہ کر کے کہا: اسی لڑکے نے الہ آباد میں آگ لگا رکھی ہے، لیکن گوکھلے نے انہیں بلا کر محبت بھرے لہجہ میں کہا، 'میں تو تمہارے جیسے نوجوانوں کی تلاش میں ہوں اور مجھے تمہارے جیسے نوجوانوں کی ضرورت ہے، حالانکہ وہ اس وقت گوکھلے کے خیالات سے متفق نہیں تھے۔ اسی دوران ان کے والد نے پنڈت سندر لال کو مشورہ دیا کہ وہ انگلینڈ جا کر بیرسٹری کر لیں، لیکن لالہ لاجپت رائے نے اس تجویز پر غور کرنے سے ہی انکار کر دیا، وہ کہتے تھے کہ ملک میں رہ کر ہی اس کی بہتر خدمت ہو سکتی ہے۔ آخر کار پنڈت سندر لال رشی کیش چلے گئے جہاں سنیاسیوں کی صحبت میں رہ کر وہ سوامی سومیشور آنند کہلانے لگے۔ وہ ہندوستانی فلسفہ کے سانکھیہ، یوگ، میمانسا، نیائے اور ویشیشک اسکولوں سے واقف تھے اور جین، بودھ اور خدا بے زاروں کا بھی انہوں نے گہرا مطالعہ کیا تھا۔ پنڈت سندر لال کی ملاقات احمد آباد میں موہن داس کرم چند گاندھی سے ہوئی، لیکن وہ ان سے متاثر نہیں ہو سکے۔ پھر وہ چمپارن ستیہ گرہ سے متاثر ہو کر دوبارہ ان سے گجرات میں ملے، بالآخر وہ گاندھی جی کی فوج سے متعلق معلومات سے متاثر ہوئے اور ستیہ گرہ، عدم تشدد اور عدم تعاون کے قائل ہوئے۔ ہوم لیگ کے سکریٹری کی حیثیت سے پنڈت سندر لال الہ آباد میں 'یوا ستیہ گرہ' نامی تنظیم چلاتے تھے اور اس کے صدر مہاتما گاندھی تھے۔ 1920 میں کانگریس نے تحریک عدم تعاون منظور کی تو پنڈت سندر لال کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ گاندھی جی نے اپنے اخبار 'ینگ انڈیا' میں احتجاجی مضامین لکھے۔ جبل پور جھنڈا ستیہ گرہ کے دوران پنڈت سندر لال مہا کوشل کانگریس کے لیڈر رہے۔ ان کی پہل پر 1940 میں گاندھی جی اور پنڈت نہرو کی سرپرستی میں ہندوستانی کلچرل سوسائٹی قائم کی گئی۔ ان کی اس کوشش کو سرتیج بہادر سپرو، ڈاکٹر بھگوان داس، مولانا سلیمان ندوی، ڈاکٹر تاراچند، ڈاکٹر سید محمود، خواجہ عبدالمجید، پروفیسر سوشیل کمار اور ڈاکٹر بنی پرساد کا تعاون حاصل تھا۔ سوسائٹی کی جانب سے اس کا ماہانہ ترجمان 'وشوبیاپی' کے نام سے نکالا گیا، جس کا نام رویندر ناتھ ٹیگور نے رکھا تھا۔ پنڈت سندر لال 1947 میں دلّی اور ہریانہ کے میواتی علاقوں میں فرقہ وارانہ خیر سگالی کے پیغام رساں تھے اور میواتیوں کو پاکستان جانے سے روکنے میں ان کی کوششوں کا کافی عمل دخل رہا۔ 30 جنوری 1948 میں گاندھی جی کو گولی لگنے کے بعد جن دو افراد نے انہیں سہارا دیا، ان میں سے ایک پنڈت سندر لال تھے۔ انہوں نے 1951 میں 'ہند گڈول مشن' کے سربراہ کی حیثیت سے چین کا سفر کیا۔ وہ سوویت یونین، ویت نام اور کیوبا بھی گئے۔ گاندھی جی کے کہنے پر انھوں نے لاہور کا سفر بھی کیا تھا۔ 1972 میں مسز اندرا گاندھی انہیں شارٹ نوٹس پر چین بھیجنا چاہتی تھیں، لیکن یہ ممکن نہ ہو سکا۔ 1976 میں پنڈت سندر لال کا 90 واں جنم دن منایا گیا تھا اور اس موقع پر اندرا گاندھی نے بھی ان کو مبارک باد دی تھی۔ 9 مئی 1981 میں ان کا انتقال ہو گیا۔

اسلامک اسٹڈیز میں خدمات

پنڈت سندر لال نے مختلف موضوعات پر کتابیں تصنیف کی ہیں۔وہ اردو ہفت روزہ اخبار 'سوراج' اور 'کرم یوگی' سے بھی وابستہ رہے۔ان کی تصنیفات میں 'ہندوستان میں انگریزی راج، حضرت محمدؐ اور اسلام، گیتااور قرآن، حضرت عیسیٰ اور عیسائیت، مہاتما زرتشت اور مذہب زرتشت' خصوصی اہمیت رکھتی ہیں اور دیگر مختصر کتابوں میں 'میری سیاسی زندگی کے پچاس سال اور باپو کی پرارتھنا سبھا کے پروچن' کو شمار کیا جاسکتا ہے۔اس کے علاوہ انہوں نے بعض کتابوں کا ترجمہ بھی کیا تھا جیسے ڈاکٹر بھگوان داس کی کتاب "Essential Unity of Religions" کا ترجمہ 'مذاہب میں لازمی وحدت'' کے نام سے کیا تھا۔ان میں سے دو کتابوں (حضرت محمدؐ اور اسلام، گیتااور قرآن) کا تعلق اسلامک اسٹڈیز سے ہے،اس لیے یہاں ان کا تفصیلی جائزہ لیا جارہا ہے۔

حضرت محمدؐ اور اسلام

پنڈت سندر لال نے اپنی دونوں کتاب یعنی حضرت محمدؐ اور اسلام، گیتااور قرآن کی تصنیف ڈھاکہ یونی ورسٹی سے پڑھے ہوئے عالم مرزا ابوالفضل کی نگرانی میں کی تھی۔اس کتاب کی خوبی اس کا اختصار اور راست بیانی ہے۔بقول پنڈت سندر لال انہوں نے اس کتاب کے حوالے سے مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا حسین احمد مدنی وغیرہ سے اصلاح اور مشورے لیے تھے، لیکن اس کے باوجود بھی متعدد جگہوں پر مصنف کے افکار و نظریات سے اتفاق نہیں کیا جاسکتا ہے۔اس کی ایک وجہ تو یہ ہوسکتی ہے کہ انہوں نے مستشرقین سے استفادہ کیا ہے اور ان کے حوالے بھی درج کیے ہیں اور دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ بعض جگہوں پر انہوں نے ثانوی مآخذ پر انحصار کیا ہے۔اس کتاب میں کل اکتیس عناوین ہیں۔ابتدائی چار عناوین یعنی 'عربوں کا دیش، عربوں کا رہن سہن، عربوں کا دھرم اور غیروں کی حکومت' میں بعثت نبوی سے پہلے کی تاریخ کا جائزہ لیا گیا ہے۔اس کے بعد صاحب کتاب نے محمدؐ صاحب کا جنم اور ان کی مکی زندگی سے متعلق اہم واقعات کا تذکرہ مختلف عناوین جیسے پہلے پچیس سال، گرہستی، الامین، ایکانت میں رہنا، ایشور کی آواز، مشن شروع اور مصیبتوں کے تیرہ سال'' کے تحت کیا ہے۔اس کے بعد مصنف نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی کا تذکرہ 'مدینہ میں راجہ کی حیثیت سے، اسلام پھیلانے کا طریقہ، مدینہ پر قریش کے حملے، اسلام کے کچھ اپدیش دینے والے، دیش دغا کی سزا، مکہ کی پہلی یاترا، حدیبیہ کی صلح، مکہ کی دوسری یاترا، یہودیوں اور مسلمانوں میں میل، روم والوں سے لڑائی اور جیت، مکہ کی جیت، طئی قبیلہ کا مسلمان ہونا، مکہ کی آخری یاترا، اسلامی حکومت، پیغمبر کی شادیاں، آخری دن، پیغمبر کا رہن سہن وغیرہ کے عناوین کے تحت کیا ہے۔انہوں نے ان تمام واقعات کا خصوصی طور پر ذکر کیا ہے جن کا تعلق سماج اور عوام کی فلاح وبہبود سے ہے۔پنڈت سندر لال نے کتاب کے آخر میں 'اسلام دھرم کا نچوڑ، اپدیش اور پرارتھنائیں (دعائیں) اور یورپ والوں کی کچھ رائیں' کے نام سے تین عناوین قائم کیے ہیں۔انہوں نے 'اسلام دھرم کا نچوڑ' میں دو باتوں کو اہمیت دی ہے: اول توحید یعنی ایشور کے ہونے پر یقین رکھنا۔دوم نیک کاموں پر زور دینا۔وہ وحدت انسان اور تقوی کو نشان زد کرنے کے ساتھ ہر قوم میں پیغمبروں کی بعثت اور دین میں زور زبردستی سے اجتناب کو دین اسلام کا خلاصہ بتاتے ہیں، نیز وہ کہتے ہیں کہ محمدؐ صاحب کے اپدیش اور پرارتھنائیں احادیث نبویؐ کے بہت سے جواہر پارے سمیٹے ہوئے ہیں۔

پنڈت سندر لال کی اس کتاب میں ان کے جن افکار و نظریات سے اختلاف کیا جاسکتا ہے، اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعت، پہلی وحی کے وقت آپؐ کی اضطرابی کیفیت، وحی کا طریقہ، قرآن وسنت میں فرق، معجزات، حضرت صفیہؓ کا تاعمر یہودی مذہب پر قائم رہنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ان موضوعات میں انہوں نے مسلم سیرت نگاروں، مؤرخین و مصنفین کے برعکس اپنے خیالات قلم بند کیے ہیں، شاید ایسا اس لیے ہو کہ انہوں نے مستشرقین کی آراء سے بہ کثرت استفادہ کیا ہے۔

گیتا اور قرآن

پنڈت سندر لال کی دوسری اہم کتاب 'گیتا اور قرآن' ہے۔ یہ کتاب تین ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اول 'دنیا کے سب مذہب ایک ہیں'۔ باب دوم 'گیتا' ہے اور اس کے تحت تین ذیلی عناوین ہیں یعنی گیتا، گیتا دھرم اور گیتا کا سار۔ اس میں وہ گیتا کی بیان کردہ جنگ کو صرف انسان کے اندر ہونے والی نیکی وبدی کی جنگ کی تشبیہ مانتے ہیں۔ 'گیتا دھرم' میں انہوں نے بتایا ہے کہ انسان کا شہوانی خواہشات پر قابو رکھنا اور اخلاق حسنہ سے متصف ہو کر ہی سچا علم حاصل کیا جاسکتا ہے اور اس کے برعکس جانا در حقیقت جہالت کا قصد کرنا ہے۔ 'گیتا سار' دراصل پوری گیتا کا خلاصہ ہے اور اس کا محور ایک ایشور ہے۔ باب سوم 'قرآن' ہے اور اس کے تحت چار ذیلی عناوین ہیں یعنی قرآن، قرآن اور اس کی تعلیم الفاتحہ، کچھ اور آیتیں، عورتوں کے بارے میں، جہاد، عاقبت، آخرت، جنت اور جہنم۔ اس باب میں انہوں نے قرآن کی بنیادی تعلیمات کا احاطہ کیا ہے۔

پنڈت سندر لال نے بہ حیثیت مجموعی اس کتاب میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ گیتا اور قرآن کی تعلیمات کئی معنوں میں ایک ہیں اور انسانیت کے بنیادی اصولوں کو ہر مذہب میں ایک ہی طرح کی اہمیت حاصل ہے۔ ان کے مطابق سارے مذاہب میں ایک ہی لافانی حقیقت کی بازگشت پائی جاتی ہے اور متعدد زبانوں اور تہذیبوں کی نیرنگی نے مختلف مذاہب کو جنم دیا ہے، لیکن ان کے پیچھے ان کا مقصد ایک ہی رہا ہے۔ یہی فلسفہ ان کے ہندو مسلم اتحاد کا سبب تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ جو راستہ سب کی بھلائی کا ہو، وہی اصلی مذہب ہے۔ اس مذہب کے انہوں نے بعض اہم اصول بیان کیے ہیں: خدائے واحد پر یقین، اس کے بندوں کی حیثیت سے ہر انسان سے تعلقات رکھنا اور حسن سلوک کرنا۔ بہر حال پنڈت سندر لال ہندوستان کے مشترکہ کلچر کے حامی تھے اور انہوں نے اسی منہج پر اسلام اور مسلمانوں کا مطالعہ پیش کیا ہے۔ ان کا ایک بڑا کارنامہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے 1857 کی جنگ آزادی میں شریک مسلم قائدین پر لگائے گئے الزامات کا جواب دیا ہے۔

14.4 ڈاکٹر بی این پانڈے (1906-1998)

ڈاکٹر بی این پانڈے ایک مشہور سیاست داں، ماہر تعلیم، ایمان دار صحافی اور بلند پایہ محقق تھے۔ انہوں نے اپنی تقریروں اور تحریروں میں بعض غیر مسلموں اور انگریزوں کی جانب سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بے بنیاد الزامات اور پروپگنڈوں کے مدلل جوابات دیے ہیں۔ ان کا ایک اہم اور بڑا کارنامہ ہندوستانی تاریخ میں مسلمان بادشاہوں اور حکم رانوں کے خلاف لگائے گئے متعدد الزامات کی حقیقت واضح کرنا ہے، چنانچہ طلبہ بالخصوص شعبہ اسلامک اسٹڈیز کے طالب علموں کے لیے موجودہ فرقہ وارانہ بدگمانیوں کے ماحول میں ان کی حیات و

خدمات کا مطالعہ کرنا زیادہ ضروری اور مناسب ہے۔ذیل میں ان کی حیات وخدمات کا جائزہ لیا جارہا ہے۔

مختصر سوانح حیات

ڈاکٹر بشمبھر ناتھ پانڈے کی پیدائش مدھیہ پردیش کے ایک ضلع چھندواڑہ میں دسمبر 1906 میں ہوئی۔انہوں نے اپنے آبائی وطن میں واقع گورنمنٹ ہائی اسکول سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد اڈیار (مدراس) کے تھیوسونکل انسٹی ٹیوٹ اور شانتی نکیتن (مغربی بنگال) کے وشوبھارتی کارخ کیا اور ان دونوں اداروں سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔انہوں نے تاریخ اور آثار قدیمہ پر تحقیق وتصنیف کی غرض سے برما، سری لنکا، افغانستان، نیپال، تبت، سوڈان، چین، تھائی لینڈ، شام، مصر، انگلینڈ اور فرانس وغیرہ کے دورے کیے۔ان کی تعلیم کے میدان میں نمایاں خدمات ہیں، جیسے وہ 1935 سے 1956 تک یوپی ہائی اسکول اور انٹر میڈیٹ بورڈ کے رکن رہے۔انہیں 1960-61 میں الہ بادیونی ورسٹی کا کورٹ ممبر بنایا گیا۔اسی طرح انہیں 1979 میں دہلی یونی ورسٹی کی کورٹ کا رکن بنایا گیا اور 1982 میں جواہر لال یونی ورسٹی کی کورٹ کا رکن نامزد کیا گیا۔اسی سال انہیں مرکزی ہندی پریشد میں رکھا گیا۔

ڈاکٹر بی این پانڈے گاندھی جی اور پنڈت جواہر لال نہرو سے بہت قریب تھے۔انہیں تاعمر پنڈت نہرو، مسز اندرا گاندھی اور راجیو گاندھی کی سرپرستی حاصل رہی۔وہ 1972 تا 1980 اندرا گاندھی ابھینندن سمیتی کے جنرل سکریٹری تھے۔انہیں گاندھی جی کے افکار ونظریات سے اتفاق تھا، چنانچہ انہوں نے اپنی پوری زندگی ان کے فلسفہ حیات کی تبلیغ واشاعت کے لیے وقف کردی۔وہ اٹھارہ برس تک گاندھی اسمرتی اور درشن سمیتی کے نائب صدر رہے۔ان کا شمار ملک کے کامیاب سیاست دانوں میں ہوتا ہے۔وہ 1920 سے تاعمر انڈین نیشنل کانگریس سے جڑے رہے۔ 1924 میں انہیں اترپردیش کانگریس کمیٹی اور 1927 میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے لیے منتخب کیا گیا۔وہ 1952-53 کے دوران یوپی ودھان سبھا کے ممبر بھی نامزد کیے گئے۔1960-61 میں ان کو الہ آباد صوبائی کارپوریشن کا میئر بنایا گیا۔1972-74 میں ان کو ودھان پریشد یوپی کا اور 1980-83 میں یوپی کانگریس کمیٹی کا صدر بنایا گیا۔1982 میں وہ راجیہ سبھا کے لیے منتخب ہوئے۔ 1977 میں انہیں میوزیمس کے مرکزی مشاورتی بورڈ کا حصہ بنایا گیا اور پھر بعد میں ان کو آثار قدیمہ کے مشاورتی بورڈ میں شامل کر لیا گیا۔1978 میں ان کو وشوبھارتی ترمیمی بل کی جوائنٹ کمیٹی کا ممبر بنایا گیا۔ہندوستانی حکومت کی ہاؤسنگ وہیلتھ وزارت نے انہیں سول ڈیفنس تنظیم نو کمیٹی اور میونسپل بجٹ ریفارم کمیٹی کا ممبر نامزد کیا۔وہ اپنی سیاسی سرگرمیوں کے باوجود سماج کے فلاح وبہبود کے لیے کوشاں رہے، چنانچہ 1946-1950 کا عرصہ ملک کی مزدور تنظیموں کی ترقی میں گزرا۔اس دوران انہوں نے متعدد مزدور تنظیموں کی صدارت کی ،ان میں ریلوے میں، یوپی، چھیو کی آرڈیننس وہیل ڈپارٹ ورکرس یونین اور الہ آباد فورٹ آرڈیننس ورکرس یونین شامل ہیں۔

ڈاکٹر بی این پانڈے نے صحافت کے میدان میں بھی متعدد خدمات انجام دی ہے۔وہ 1948-1952 تک الہ آباد جرنلسٹ ایسوسی ایشن کے صدر رہے۔ 1949-50 کے دوران آل انڈیا نیوز پریس کانفرنس کی اسٹینڈنگ کمیٹی کے ممبر رہے۔انہوں نے متعدد جرائد کی ادارات سنبھالی، ان میں بعض رسائل جیسے وشوواہنی اور نیا ہند قابل ذکر ہیں۔وہ انڈین رائٹرس ایسوسی ایشن کے صدر بھی رہے۔ حکومت ہند نے ڈاکٹر بی این پانڈے کی علمی، سیاسی اور صحافتی خدمات کے اعتراف میں انہیں متعدد ایوارڈ سے نوازا، جیسے 1976 میں انہیں صدر جمہوریہ

ہند کے ہاتھوں پدم شری ایوارڈ دیا گیا۔1996 میں انہیں اندرا گاندھی ایوارڈ دیا گیا۔ان کا انتقال جون،1998 میں ہوا۔انہوں نے شانتا پانڈے (سابق مجاہد آزادی) سے دسمبر 1947 میں شادی کی اور ان کے اکلوتے بیٹے کا نام نند تا پانڈے تھا۔

اسلامک اسٹڈیز میں خدمات

ڈاکٹر بی این پانڈے کو ابتداء سے ہی تصنیف و تالیف میں دل چسپی تھی۔انہوں نے ہندی اور انگریزی میں متعدد موضوعات پر کتابیں لکھیں۔ان کے ذریعے صرف ہندی میں ہی لکھی گئیں کتابوں کی تعداد ایک درجن سے زائد ہے۔انہوں نے اپنی تحریروں میں قومی یکجہتی، حب الوطنی، فرقہ وارانہ خیر سگالی پر خصوصی زور دیا ہے، نیز انہوں نے اپنی کتابوں میں مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت کے تحفظات کے حوالے سے گفتگو کی ہے اور ان تمام فرضی واقعات اور الزامات کو دلائل کے ساتھ رد کیا ہے، جن کا ذکر عام طور پر برطانوی مغربی محققین اور بعض غیر مسلم مفکرین نے کیا ہے۔ان کے مطابق جب ہندوستان میں برطانوی حکومت قائم تھی تو انتظامیہ کی سرپرستی میں برطانوی دانش وروں نے اپنے ہم خیال تاریخ نگاروں اور ماہرین آثار قدیمہ کے ساتھ مل کر مذہبی عقائد، تہذیب و ثقافت اور بعض دیگر پہلوؤں سے متعدد فرضی کہانیاں تخلیق کیں اور ان کو معاشرے میں پھیلایا تاکہ ان کی 'پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو' کی پالیسی کو تقویت مل سکے۔ڈاکٹر موصوف نے اس حوالے سے برطانوی دستاویزات کی بعض عبارتوں کو نقل کیا ہے: انہوں نے 19 جولائی 1977 کو ہندوستان کی راجیہ سبھا میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ سکریٹری آف اسٹیٹ مسٹر اوڈ، واؤ نے ہندوستان کے گورنر جنرل مسٹر الگن کو ایک خط میں لکھا تھا: ''ہم لوگوں نے ہندوستان میں اپنی حکومت ایک کو دوسرے کے خلاف کھڑا کر کے قائم رکھی ہے اور ہم لوگوں کو یہ پالیسی جاری رکھنی چاہیے۔اس لیے تم وہ سب کچھ کر و جو کر سکتے ہو کہ مشترک احساس پیدا نہ ہو۔''اسی طرح وزیر ہند جارج فرانسس ہملٹن نے لارڈ کرزن کو مشورہ دیا تھا کہ ہمیں تعلیمی نصاب کی ایسی منصوبہ بندی کرنی چاہیے کہ مختلف فرقوں کے اختلافات کو مزید تقویت ملے۔برطانوی مؤرخین نے ہندوستان کے مسلم حکمرانوں کے خلاف شدید محاذ آرائی کی ہے اور انہوں نے اپنی تحریروں میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ لٹیرے تھے، انہوں نے مندروں کو مسمار کیا اور ہندوؤں کو زبردستی مسلمان بنایا۔اگرچہ متعدد غیر مسلم اور مسلم مؤرخین جیسے کہ این پانیکر، رومیلا تھاپر، تارا پد مکھرجی، پروفیسر عرفان حبیب اور ڈاکٹر بی این پانڈے نے مغل بادشاہوں کے فرامین کی روشنی میں اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ مندروں کی مسماری اور ہندوؤں کو جبری مسلم بنانے کے جو بعض واقعات پیش آئے، وہ مذہبی جنون کے بجائے سیاسی و معاشی وجوہات کی بنا پر ہوئے تھے۔ڈاکٹر موصوف نے ''اورنگ زیب اور دیگر مغل بادشاہوں کے فرامین'' کے موضوع پر جامعہ ملیہ اسلامیہ میں ایک تاریخی خطبہ دیا تھا جس میں انہوں نے اکبر، جہانگیر اور شاہ جہاں سے متعلق فرمایا کہ ان بادشاہوں نے تو بندرابن اور متھرا کے مندروں کو زمینوں کا تحفہ دیا تھا۔اسی طرح انہوں نے ٹیپو سلطان کے حوالے سے لکھا ہے کہ ان کے دور میں ہندوؤں کی ایک بڑی تعداد کا مسلمان ہو جانے والی بات بھی بس افواہ ہے، وہ تو سیکولر نظریات کے حامل تھے اور انہوں نے خود بھی مندروں میں بڑے قیمتی تحفے و تحائف بھیجے تھے۔یہ الگ بات ہے کہ وہ انسانی حقوق کی خلاف ورزی کرنے والوں یا نشے والی چیزوں کو پسند کرنے والوں کے بالکل خلاف تھے، جیسے کالی مندر میں انسانی جانوں کو بھینٹ چڑھانا، قحبہ گیری، شراب اور بھانگ کی کاشت کرنا وغیرہ۔

ڈاکٹر بی این پانڈے کی مشہور کتابوں میں " Centenary History of the Indian National Congress, A Concise History of the Indian National Congress, Indira Gandhi, Islam and Indian Culture, Aurangzeb ہیں۔ان کی بعض کتابوں کا اردو ترجمہ بھی کیا گیا ہے، جیسے اسلام اور ہندستانی ثقافت، ہندوستان میں قومی یکجہتی کی روایات، ہندو مندر اور اورنگ زیب عالم گیر کے فرامین وغیرہ۔ذیل میں ان میں سے دو کا تعارف پیش کیا جارہا ہے:

اسلام اور ہندستانی ثقافت

یہ کتاب دراصل ڈاکٹر بی این پانڈے کی ان تین تقاریر کا مجموعہ ہے، جو انہوں نے خدابخش لائبریری میں 'سالانہ خطبات' کے تحت 1985 میں کی تھیں۔بعد میں انہیں یکجا کر کے "Islam and Indian Culture" کے نام سے شائع کیا گیا۔اس کا اردو ترجمہ ''اسلام اور ہندستانی ثقافت'' کے عنوان سے تقی رحیم صاحب نے کیا ہے۔اسے خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ نے شائع کیا ہے۔یہ کتاب اسلام اور ہندوازم کا سنگم، اسلام پر بودھ مت کا اثر، بھکتی تحریک، اسلامی تصوف، مذہبی امتزاج کی تلاش، اورنگ زیب کا نقطہ نظر، فنون لطیفہ اور فن تعمیرات کا حسن امتزاج، عہد وسطیٰ کی ہندستانی تاریخ کا مسخ کیا جانا اور اسلام کی میراث: مخلوط تہذیب کی جلوہ آرائی جیسے اہم مشمولات پر مشتمل ہے۔مصنف نے بنیادی طور پر اس کتاب میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ سندھ میں محمد بن قاسم کی کام یابی کی سب سے بڑی وجہ مقامی حکم رانوں کا عوام پر ظلم و ستم کرنا تھا اور جنگ کے بعد انہوں نے امن وامان اور نظم و نسق کی ایسی شان دار روادارانہ پالیسی اختیار کی جو اس وقت کی مغربی تاریخ میں درج واقعات کے بالکل برعکس تھی۔نیز عربوں نے ہندوستانی غیر مسلم اہل علم، مفکرین، موسیقی دانوں، معماروں اور مصوروں کی نہ صرف قدر دانی کی، بلکہ متعدد عرب مصنفین و موٴرخین، جیسے جاحظ، یعقوبی، ادریسی اور قاضی سعید نے اپنی تحریروں میں اس کا اعتراف بھی کیا ہے۔ڈاکٹر موصوف نے اس کتاب میں یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اگرچہ عہد وسطیٰ میں مملکت کے سربراہ مسلمان تھے، لیکن مملکت اسلامی نہیں تھی۔مملکت مقدس صحیفوں، قرآن، حدیث یا سنی فقہ کے چاروں مسلکوں کے منضبط کردہ قوانین کے احکام کی پیروی نہیں کرتی تھی۔تیرہویں صدی اور اس کے بعد ہندوستان کے قریب قریب ہر ایک مسلمان بادشاہ نے اپنی معذوری ظاہر کرتے ہوئے حکومت کو شریعت کے مطابق چلانا ناممکن بتایا۔التمش کے وقت سے، جس نے ہندوؤں پر اسلام کو جبریہ تھوپنے کے متعلق علماء کے مشورے کو ماننے سے معذوری ظاہر کی تھی، بلبن، علاؤالدین خلجی، محمد تغلق اور شیر شاہ تک، بیشتر حکم رانوں کا یہ خیال تھا کہ مذہب اور بادشاہت کا اتحاد ناممکن ہے۔اسی طرح کے خیالات کشمیر، بنگال اور دکن کے صوبائی سلطانوں کے بھی تھے۔

ڈاکٹر بی این پانڈے نے اپنی اس کتاب میں ''عہد وسطیٰ کی ہندستانی تاریخ کا مسخ کیا جانا'' کے تحت ان غلط فہمیوں اور اسباب کا جائزہ لیا ہے، جس کی وجہ سے ہندو مسلم اتحاد کو نقصان پہنچا ہے اور دونوں کے درمیان دوریاں بڑھی ہیں۔انہوں نے اس کا ذمہ دار مغربی مصنفین اور ان کی مرتب کردہ تاریخ کی کتابوں کو ٹھہرایا ہے اور بعض مسلم حکمراں جیسے ٹیپو سلطان پر لگایا گیا الزام کہ ''تین ہزار برہمنوں نے اس لیے خود کشی کرلی تھی کہ ٹیپو سلطان انہیں زبردستی مسلمان بنانا چاہتا تھا–'' یا اورنگ زیب پر وشوناتھ مندر کو مسمار کرنے کے الزام کو دلائل کے ساتھ

رد کیا ہے اور لکھا ہے کہ ان دونوں ہی بادشاہوں نے تو متعدد زمینیں اور جاگیریں مندروں کے لیے دی تھیں۔ صاحب کتاب نے آخر میں ''اسلام کی میراث: مخلوط تہذیب کی جلوہ آرائی'' کے تحت لکھا ہے کہ ہندوستان میں دو مذہبوں کے ہوتے ہوئے بھی ان کے درمیان کوئی بڑا تہذیبی فرق نہیں تھا۔ مذہبی رواداری، سماجی اور تہذیبی امتزاج، سیاسی انضمام اور سیکولر نقطہ نظر وقت کی ضرورت تھی۔ مقدر نے متحد کر کے اس کام کو مغلوں کے ذمہ لگایا تھا اور باوجود اس خلل کے جو اورنگ زیب کی حکومت کے خاتمہ کے وقت ہوا۔ پالیسیوں کی ڈگمگاہٹ، سماجی زندگی کے امتزاج پر غلبہ نہ پاسکی اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات 1857 تک اسی طرح سے قائم رہے۔

ہندستان میں قومی یکجہتی کی روایات

یہ فخر الدین علی احمد میموریل لیکچر، لکھنؤ 1986، جو اصلاً ایک کالم ہندی اور ایک کالم اردو میں ہے اور جو سندر لال و بشمبھر ناتھ پانڈے کے عہد آفریں رسالے 'نیا ہند' کے ماڈل پر یعنی ایک زبان مگر دو رسم الخط میں ہے، عام استفادے کے لیے خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ نے شائع کیا ہے۔ ڈاکٹر بی این پانڈے نے اس کتاب میں بنیادی طور پر ہندوستان میں اسلام سے پہلے عرب و ہند کے تعلقات، پھر سرزمین ہند میں مسلمانوں کی آمد، ان کی حکومتوں کا قیام، تہذیب و تمدن کا تبادلہ اور اس کے اثرات کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔ اس حوالے سے انہوں نے لکھا ہے کہ ہندوستان میں ہندو اور مسلمان آپس میں ٹکرا کر محبت کے ایک انسانی سنگم میں ملے تھے۔ دونوں کے تہذیب و تمدن الگ الگ تھے، کلچر الگ الگ تھے، لیکن آپس میں مل کر ان کے الگ الگ کلچروں نے ایک متحدہ ہندوستانی کلچر کی شکل اختیار کر لی۔ کلچر کی اس نئی دھارا نے صنعت و حرفت، کلا اور سائنس، ادب و شاعری، چتر کاری، مصوری اور بت گری کے چمن کو سرسبز کر دیا۔ مصنف نے اس کتاب میں ایک اہم نکتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مسلمانوں میں سماجی تقسیم در حقیقت ہندوؤں کی نقل کی وجہ سے ہے، چنانچہ اگر ہندوؤں میں ذات پات، روزگار دھندے کی بنا پر الگ الگ فرقے اور مذہبی گروہ تھے تو یہی کیفیت مسلمانوں کی ہو گئی۔ راجپوت، مراٹھا، دراوڑ، برہمن، کھتری، شودر، سونار، لوہار، بڑھئی وغیرہ میں اگر ہندو بٹے تھے تو ایرانی، خراسانی، پٹھان، مومن، بنکر، قصائی، قریشی، حجام، شیعہ، سنی مسلمانوں میں مسلمان بٹ گئے۔ اسی طرح مسلمانوں نے ہندوؤں کی شادی بیاہ یا خوشی اور غم وغیرہ کے رسم و رواج کی بھی نقل کی۔ یہ صحیح ہے کہ دونوں کے مذہبی تہوار، روزہ اور اپواس الگ الگ رہے، لیکن ان کے منانے کا طریقہ بہت کچھ یکساں تھا۔ باہمی یکجہتی کے اثرات کا یہ عالم تھا کہ ہندو اور مسلمان کے نام بھی مشترکہ ہونے لگے تھے، جیسے بختاور سنگھ، غازی رام اور بابو لال، شیخ محمد لال اور پریم جی وغیرہ۔

ڈاکٹر بی این پانڈے نے متعدد مسلم حکمرانوں کی شبیہ کو صاف کرنے کی کام یاب کوشش کی ہے اور ان پر لگائے الزامات کا رد دلائل کے ساتھ کیا ہے۔ انہوں نے اس حوالے سے لکھا ہے کہ مسلم حکمرانوں کے دور میں ہندوؤں کے مندروں اور دھرم شالاؤں کی حفاظت کی جاتی تھی۔ اسی طرح برندابن، گوردھن اور متھرا کے مندروں کو شاہی خزانے سے مدد بھی دی جاتی تھی۔ اس سلسلے میں انہوں نے سکندر لودی، علاؤالدین خلجی، سلطان جلال الدین، ٹیپو سلطان، اورنگ زیب عالم گیر، شیوا جی، رانا پرتاپ اور اکبر وغیرہ کی مثالیں دی ہیں کہ ان حکمرانوں نے رواداری اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا ہے، نیز انہوں نے لکھا ہے کہ ان تمام بادشاہوں کی فوج میں ہندو اور مسلم

دونوں ہی سپہ سالار اور فوجی ہوا کرتے تھے اور مذہب کی بنیاد پر ان میں کوئی تفریق نہیں کی جاتی تھی۔آخر میں انہوں نے قرآن کریم کی آیت کریمہ ''تمہارا مذہب تمہارے لیے اور ہمارا مذہب ہمارے لیے ہے''اور ''مذہب کے معاملہ میں کوئی زور زبردستی نہیں''کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ آدمی کو دنیا میں ایک دوسرے سے میل و محبت کے لیے بھیجا گیا ہے، لڑائی اور نفرت پھیلانے کے لیے نہیں۔قرآن میں کہا گیا ہے کہ تمام انسان ایک امت ہیں اور تمام انسان ایک ہی قوم سے ہیں۔

14.5 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے :

- ہندوستان میں اسلام کا تعارف عہد نبوی میں ہی ہو گیا تھا، اگرچہ اس ملک میں اس کے ورود کا سلسلہ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے سے تسلیم کیا جاتا ہے۔جب یہاں پر مسلمانوں کی باقاعدہ حکومتیں قائم ہوئیں تو مقامی باشندوں کو ہر قسم کی آزادی کے ساتھ ساتھ حصول تعلیم کی نہ صرف عمومی آزادی دی گئی، بلکہ سرکاری طور پر اس کا انتظام بھی کیا گیا اور اس سے بھی بڑھ کر ایسی بھی مثالیں ملتی ہیں کہ شہزادوں کے ساتھ بیٹھ کر مقامی باشندوں کے بچوں کو تعلیم حاصل کرنے کے مواقع فراہم کیے گئے۔اس میں ذات پات اور اونچ نیچ کی کوئی تفریق نہیں کی گئی۔اس بے تعصبی اور کشادہ ذہنی کا یہ نتیجہ نکلا کہ ہندوستان میں علوم وفنون اور مشترکہ تہذیب و ثقافت کو بے انتہا فروغ حاصل ہوا اور اس میں ہندو مسلم دونوں ہی کا کردار رہا۔اسی آپسی میل جول اور مشترکہ تہذیب کے فروغ کا نتیجہ ہے کہ ہندو اور مسلمان دونوں مذاہب کے ماننے والوں نے ایک دوسرے کی مذہبی روایات کو جاننے اور سمجھنے کی کوشش کی۔
- مالک رام نے اسلامیات کو بارآور بنایا، وہیں پنڈت سندر لال نے ہندوستان کے مشترکہ تہذیب و تمدن کو مزید تقویت پہنچائی۔ڈاکٹر بی این پانڈے نے ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ کے کئی تاریک گوشوں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے اور ان کے خلاف لگائے گئے بے جا الزامات کا مدلل اور مثبت جوابات دیے ہیں، البتہ یہ ضروری نہیں ہے کہ بہ حیثیت مسلمان طالب علم ان شخصیات کے تمام افکار و نظریات سے اتفاق کیا جائے۔

14.6 کلیدی الفاظ

ماہر غالبیات	:	مرزا غالب کی شخصیت اور فکر و فن سے متعلق علوم کا ماہر شخص۔
طرحی نشست	:	ایسی نشست جس میں شعراء پہلے سے مقرر کیے ہوئے کسی مصرع طرح پر غزل کہتے ہیں۔
چترکاری	:	تصویر کشی، مصوری، نقاشی۔

14.7 نمونہ امتحانی سوالات

14.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. مالک رام کی سن پیدائش اور وفات کیا ہے؟

(a) 1935-1835 (b) .1990-1879 (c). 1993-1906 (d). 1936-1880

2. مالک رام نے کس نام سے ایک ادبی رسالہ جاری کیا تھا؟

(a). تحریر (b). تعمیل (c). تنقید (d). تعمیر

3. ماہر غالبیات یا غالبیات کا امام کسے سمجھا جاتا ہے؟

(a). پنڈت سندر لال (b). ڈاکٹر تاراچند (c). بی این پانڈے (d). مالک رام

4. پنڈت سندر لال کی سن پیدائش اور وفات کیا ہے؟

(a). 1835-1935 (b) .1886-1981 (c). 1889–1964 (d). 1990-1880

5. پنڈت سندر لال کو 'پنڈت' کا لقب کس نے دیا تھا؟

(a) جواہر لال نہرو (b) مہاتما گاندھی (c) مالک رام (d) ڈاکٹر تاراچند

6. پنڈت سندر لال کن دو ہفت روزہ اخبارات سے وابستہ رہے؟

(a). سوراج اور کرم یوگی (b). کامریڈ اور اودھ نامہ (c). البلاغ و الہلال (d). راست گفتار و ینگ انڈیا

7. پنڈت سندر لال نے 'حضرت محمد اور اسلام' نامی کتاب کس عالم کی نگرانی میں لکھی تھی؟

(a). مرزا ابوالفضل (b). مرزا عالم بیگ (c). مرزا کامل (d). مرزا فضیل

8. ڈاکٹر بی این پانڈے کا تعلق کس ریاست سے تھا؟

(a). اترپردیش (b). مدھیہ پردیش (c). مہاراشٹرا (d). گجرات

9. ڈاکٹر بی این پانڈے کو پدم شری ایوارڈ کس سن میں دیا گیا؟

(a). 1986 (b). 1990 (c). 1993 (d). 1976

10. کتاب ''اسلام اور ہندستانی ثقافت'' کا مصنف کون ہے؟

(a). ڈاکٹر بی این پانڈے (b). مالک رام (c). ڈاکٹر تاراچند (d). پنڈت نہرو

14.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. مالک رام کے مطالعہ اسلام کے اسباب بیان کیجئے۔
2. پنڈت سندر لال کی اسلام سے قربت کی وجوہات بیان کیجئے۔
3. مالک رام کی کتاب ''اسلامیات'' کا مختصر تعارف پیش کیجئے۔
4. پنڈت سندر لال کی کتاب ''حضرت محمد اور اسلام'' کا مختصر تعارف پیش کیجئے۔
5. ڈاکٹر بی این پانڈے کی کتاب ''اسلام اور ہندستانی ثقافت'' کا مختصر تعارف پیش کیجئے۔

14.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. مالک رام کی حیات وخدمات کا تفصیلی جائزہ لیجئے۔
2. پنڈت سندر لال کی حیات وخدمات کا تفصیلی جائزہ لیجئے۔
3. ڈاکٹر بی این پانڈے کی حیات وخدمات پر ایک تفصیلی نوٹ لکھیے۔

14.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

---

1. مالک رام-ایک مطالعہ : علی جواد زیدی
2. عورت اور اسلامی تعلیم : مالک رام
3. حضرت محمد اور اسلام : پنڈت سندر لال

ایم۔اے، اسلامک اسٹڈیز

دسواں پرچہ (اسلامی مطالعات میں غیر مسلموں کی خدمات)

جملہ نمبرات:70 **وقت:3 گھنٹے**

ہدایات:

1. حصہ اول میں 10 لازمی سوال ہیں جو کہ معروضی سوالات/خالی جگہ کو پر کرنا/مختصر جوابات والے سوالات ہیں۔ ہر سوال کا جواب لازمی ہے۔ ہر سوال کے لیے ایک نمبر مختص ہے۔ 10x1=10

i. نامور محقق ایڈورڈ سعید کے مطابق آخری دور کے اکثر مستشرقین کی تگ ودو کا مقصد کیا تھا؟

(a). دینی (b). علمی (c). معاشی (d). سب صحیح

ii. کس مستشرق نے قرآن کے یہودیت سے ماخوذ ہونے کا نکتہ پیش کیا؟

(a). گولڈ زیہر (b). ولیم میور (c). ابراہم گیگر (d). رچرڈ بیل

iii. کورپس قرآنکیم منصوبے کا سربراہ کون ہے؟

(a). جین میک آلف (b) اینجلکا نیوورتھ (c). نارمن کالڈر (d). ہربرٹ برگ

iv. قرآن انسائیکلوپیڈیا کا مدیر کون ہے؟

(a). ویمر (b). جیفرے (c). رپن (d). میک آلف

v. مفتاح الکنوز السنۃ کس مستشرق کی تصنیف ہے؟

(a). کارل بروکلمان (b). اے جے۔ ونسنک (c). گوستاولیبون (d). گولڈ زیہر

vi. علامہ اقبال کی اسرار خودی کا انگریزی میں کس مصنف نے ترجمہ کیا؟

(a). مارگریٹ اسمتھ (b). نکلسن (c). آربیری (d). شاخت

vii. فلوگل نے 1842ء میں کیا شائع کیا؟

(a). تفسیر قرآن (b). ترجمہ قرآن (c). قرآن کی ایک کاپی (d). قرآن مجید کی ایک لغت

viii. حضرت محمد پر بحیرا راہب سے استفادہ کا الزام کس نے لگایا ہے؟

(a). سرولیم میور (b). مارگولیتھ (c). گذشتہ دونوں (d). کارلائل

ix. گریش چندرا سین نے حدیث کی کس کتاب کا بنگالی میں ترجمہ کیا تھا؟

(a). موطا (b). صحیح بخاری (c). مشکاۃ المصابیح (d). سنن ابن ماجہ

x. پنڈت سندر لال نے 'حضرت محمد اور اسلام' نامی کتاب کس عالم کی نگرانی میں لکھی تھی؟

(a). مرزا ابوالفضل (b). مرزا عالم بیگ (c). مرزا کامل (d). مرزا فضیل

(ب) حصہ دوم آٹھ سوالات پر مشتمل ہے اور پانچ سوالات کے جوابات دینے ہیں ہر سوال کا جواب تقریباً دو سو لفظوں پر مشتمل ہوگا۔ ہر سوال کے لیے 6 نمبر مختص ہیں۔

6x1=6

2. استشراق کے معنی اور اصطلاحی مفہوم بیان کرتے ہوئے اس کی تین تعریفات لکھیے۔
3. مستشرقین کی اقسام پر ایک نوٹ لکھیے۔
4. مسلم مفسرین کے بارے میں مستشرقین کی کیا آراء ہیں؟ سیل کے ترجمے کی بعض غلطیاں کیا ہیں؟
5. آربری کی تصوف کے میدان میں خدمات پر ایک نوٹ تحریر کیجیے۔
6. سیرت نگاری میں ہندوستانی غیر مسلمین کی کتب پر ایک نوٹ تحریر کیجیے۔
7. مالک رام کی خدمات پر ایک نوٹ تحریر کیجیے۔
8. ہندوستانی زبان میں قرآن کے تراجم پر اپنی معلومات تحریر کیجیے۔
9. مکتبہ نول کشور پر ایک نوٹ تحریر کیجیے۔

(ج) حصہ سوم میں پانچ سوالات ہیں۔ ان میں سے طالب علم کو کوئی تین سوالوں کے جواب دینے ہیں۔ ہر سوال کا جواب تقریباً 500 لفظوں پر مشتمل ہوگا۔ ہر سوال کے لیے 10 نمبر مختص ہیں۔

10. علم کلام کے آغاز و ارتقا پر ایک جامع مضمون قلمبند کیجیے۔
11. کورپس قرآنکیم منصوبے کی نمایاں پہلوؤں پر ایک جامع مضمون قلمبند کیجیے۔
12. حدیث سے متعلق مستشرقین کی خدمات کا جائزہ لیجیے۔
13. تصوف کے میدان میں مستشرقین کی خدمات پر ایک تبصراتی مضمون تحریر کیجیے۔
14. تاریخ و ادب پر ہندوستانی مصنفین کی خدمات پر ایک مضمون قلمبند کیجیے۔